۷۸۶

تذکرۂ اسلاف

حالاتِ مشائخِ کاندھلہ

جسمیں

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رح حضرت مولانا محمد مظفر حسین صاحب رح حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب رح حضرت مولانا محمد صاحب و حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رح حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح اور ان کے خاندان کا مختصر تذکرہ ہے۔

★

از مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

خلیفہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارۂ اشاعتِ دینیات حضرت نظام الدین رح نئی دہلی ۱۳

قیمت مجلد تین روپے پچاس نئے پیسے

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیشِ لفظ و تعارف

از حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی دامت برکاتہم

سلاطین ہندوستان کی جوہر شناسی اور قدردانی کی وجہ سے بڑے بڑے اہل فضل و اہل کمال نے ہندوستان کا رُخ کیا، بہت سے نفوسِ قدسیہ یہاں تبلیغ و جہاد یا ہدایت و ارشاد کی نیت سے آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے پھر جب تاتاریوں کے حملے سے شہر کے شہر جو صدیوں سے علم و فضل کا مرکز تھے بے چراغ ہو گئے، علماء و شرفا کو علم و ایمان اور ننگ و ناموس کی حفاظت مشکل ہو گئی تو پھر ہندوستان کی طرف شرفاء و فضلاء کے قافلے جوق در جوق آئے اور انھوں نے اسی ملک کو مامن و مسکن بنایا، اس طرح یہاں جابجا علم و دین کے مرکز قائم ہوئے اور ایسے ایسے نامی گرامی خاندانوں کی بنیاد پڑی جنھوں نے صدیوں تک علم کی شمع روشن رکھی اور چراغ سے چراغ جلتا رہا، اور نامور باکمال اسلاف کے نامور باکمال اخلاف پیدا ہوئے انھیں سے جس خاندان کی تاریخ پڑھیے گا، نگاہیں خیرہ اور ذہن مسحور ہو کر رہ جائے گا، اور یہ معلوم ہوگا کہ جیسے سارا علم و فضل ساری ذہانت و ذکاوت، ساری عبادت و ریاضت، اور ساری مقبولیت و ولایت اسی خاندان کے حصہ میں آگئی تھی، وجہ یہ ہے کہ جب کسی قوم کے اقبال کا زمانہ ہوتا ہے ہمتیں بلند اور مسابقت الی الخیر کا میدان گرم ہوتا ہے، دین و علم کا ذوق علم اور ان کا جذبہ زندہ و تابندہ ہوتا ہے تو پورے ملک و قوم کی حالت یہی ہوتی ہے کہ جس خاندان، جس شہر اور جس قریہ کو دیکھیے یہی کہنا پڑتا ہے کہ ؎

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

پھر جب یہ دَور ختم ہو جاتا ہے تو ان واقعات کی تصدیق بھی مشکل اور ان کا سمجھنا بھی دشوار ہو جاتا ہے اور یہ سب روایات مبالغہ و عقیدت اور رنگ آمیزی پر مبنی معلوم ہونے لگتی ہیں، لیکن اس زمانہ

کے ذوق ورواج کے مطابق جو ترقیاں ایجادیں اور تفوق وامتیاز پیدا کرنیکے لئے میدان آراستہ ہوتے ہیں ان کو سامنے رکھ کر قیاس کیا جائے کہ ایسے ہی ایک دور ایسا بھی گذرا ہوگا کہ اسمیں علم و دین میں تجر علمی جامعیت و ہمہ دانی تصنیف و تالیف، خدمت خلق، عبادت و ریاضت، اور تقرب الی اللہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش جاری تھی اور خاندان کے خاندان، قریہ قریہ، اور محلہ محلہ علم کا بازار گرم تھا، ایک سے ایک بڑھ کر عالم و فاضل پیدا ہو رہے تھے تو یہ بات کچھ بعید از قیاس اور ناقابل فہم باقی نہیں رہتی اور اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس طرح آج مادی ترقی میں کہیں زہد و قناعت کے آثار نہیں اور کسی منزل پر بھی سکون و استقرار نہیں ہر طرف سے ہل من مزید ہل من مزید کی صدا آرہی ہے۔ اسی طرح سے یقیناً ایک دور ایسا بھی رہا ہوگا کہ علم و فضل و روحانیت میں بیٹا باپ سے اور بھائی بھائی سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوگا، اور جواد مطلق بھی جس کا قانون ازلی ہے۔ کہ

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (بنی اسرائیل)

ترجمہ:۔ ہر ایک کو ہم پہونچائے جاتے ہیں ان کو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے ہر ایک کو اس کی محنت کے ثمرات
اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی،
اور اسکی ترقی کے اسباب مہیا فرماتا رہا،

ہندوستان کے ان چیدہ و برگزیدہ خاندانوں میں جو صدیوں تک علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت کے گہوارے رہے ہیں، صدیقیوں کا ایک وہ خاندان بھی ہے جس کا اصل وطن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر اور وطن ثانی کاندھلہ ضلع مظفر نگر ہے) یہ گھرانہ ان خوش قسمت خاندانوں میں سے ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت و عنایت سے نوازا اس خاندان کی بنیاد کچھ ایسے صدق و اخلاص پر پڑی تھی کہ صدیوں تک یکے بعد دیگرے اس میں علماء، فضلا، و اہل کمال اور مقبولین پیدا ہوتے رہے، علو استعداد و علو ہمت اس کی خاندانی خصوصیت ہے اور انھیں دو چیزوں نے اس خاندان کو ایسا شرف و امتیاز عطا کیا کہ ہر دور میں اس میں باکمال اور اکابر رجال پیدا ہوتے رہے، علو استعداد و علو ہمت نے اس خاندان کے افراد میں علمی جامعیت اور تبحر کی شان پیدا کی اور انھوں نے اپنے اپنے وقت میں مروجہ علوم اور اکثر اصناف کمال کی طرف توجہ کی اور انمیں دستگاہ پیدا کی اس کی وجہ سے اسمیں بلند پایہ فقیہ و مفتی جامع معقول و منقول عالم، قادر الکلام شاعر اور حاذق طبیب پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رح اور ان کے خاندان کے تلمذ نے اتباع

سنت، اصلاح عقائد و اعمال کا ذوق، اور اشاعت علم کا جذبہ پیدا کیا حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا اور توحید و اتباع سنت کے ساتھ جذبۂ جہاد و سرفروشی کا اضافہ کیا۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلوی کے یگانہ روزگار ورع و تقویٰ نے اور ان کی بلند ہمتی و جفاکشی مردوں کے ماسوا بیبیوں اور بچیوں میں بھی احتیاط و تورع اور ذکر و عبادت کا ذوق پیدا کر دیا پھر اس خاندان کی بڑی خصوصیت یہ رہی کہ اس نے اپنے موروثی فضل و کمال اور سلسلۂ روحانی کے باوجود اپنے اپنے زمانے کے مقبول مشائخ اور خاصان خدا سے جو اپنے فن کے امام اور اپنے زمانہ میں مرجع خلائق تھے، استفادہ و انتساب میں تامل نہیں کیا، حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ حضرت سید احمد شہیدؒ کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحبؒ رائپوری اور دوسرے معاصر بزرگوں سے اس خاندان کے اہل کمال اور اہل طلب برابر منسلک اور وابستہ ہوتے رہے اور یہ سلسلہ بحمد للہ اب تک جاری ہے اور یہ اس کے صدق طلب و علو ہمتی کی دلیل ہے۔

اس خاندان کی قبولیت اور اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی جو نگاہ عنایت ہے اس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس دور میں اس خاندان سے دعوت و اصلاح کا وہ عظیم الشان کام لیا جس کی نظیر اس وقت عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے، مشہور تبلیغی دعوت تحریک کا یہی خاندان سرچشمہ و منبع ہے اسی خاندان میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح جیسی شخصیت پیدا ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ نے اس دور میں تجدیدی شان کی خدمت لی اور جن کے اخلاص علو ہمت علو نظر مجاہدہ اور قربانیوں کے اثرات و برکات فیوض و ثمرات اس وقت دنیا کے ایک بڑے حصے میں پھیلے ہوتے ہیں اور ان کے بعد ان کے خلف الرشید مولانا محمد یوسف صاحب اس کی توسیع و تکمیل میں مشغول ہیں ان کا صدق و اخلاص ان کا توکل و اعتماد ان کی صحبت کی تاثیر ان کا جذبہ و جوش اور ان کا مجاہدہ وجد و جہد مشاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، کہ عیاں را چہ بیاں اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی ذات گرامی اسلاف اور ان کے کمالات کی زندہ یادگار اور اپنے خاندان کے علو ہمت مجاہدہ و جامعیت اور اخلاق کی ایک جیتی جاگتی تصویر اور دور ماضی کے واقعات کی تصدیق ہے۔

ضرورت تھی کہ اس باکمال خاندان کے افراد اور بزرگوں کے حالات کسی ایک کتاب میں جمع ہو جاتے

تاکہ اس زمانے کے پست ہمت و کوتاہ نظر لوگوں کے لئے تازیانۂ غیرت و درس عبرت بنتے۔ ان بزرگوں کے حالات خاندانی بیاضوں، بعض کتابوں کے مقدمات و منتشر اوراق میں بکھرے ہوئے تھے۔ اس کام کی تکمیل کے لیئے سب سے زیادہ موزوں و مناسب جو شخصیت ہو سکتی تھی وہ ہمارے مخدوم مولانا احتشام الحسن صاحب کی ذات تھی وہ اسی خاندان والاشان کے چشم و چراغ اور اپنے اسلاف کی یادگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکو تصنیف کا ایسا ذوق عنایت فرمایا ہے کہ اپنی جانکاہ علالتوں کے باوجود ہمیشہ لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے ہیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان کے قلم سے نکل کر کوئی نہ کوئی تصنیف یا تحریر نگاہوں کے سامنے آتی رہتی ہے، انھوں نے بڑی عرق ریزی اور دماغ سوزی سے کام لے کر ان منتشر حالات کو اس کتاب میں یکجا فرمادیا ہے جو ناظرین کے سامنے ہے، افسوس ہے کہ میں اپنی مشغولیت کی کثرت اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کو بالاستیعاب اور لفظ بلفظ نہیں پڑھ سکا جا بجا سے اس کو دیکھا اور اندازہ کیا کہ اس میں اس بلند پایہ خاندان کے علماء و اکابر کے مفید حالات کا ایک قیمتی ذخیرہ آگیا ہے، اور اس کے لیئے فاضل مصنف نہ صرف اپنے خاندان کے افراد اور ان سے محبت رکھنے والے احباب کے شکریہ کے مستحق ہیں بلکہ ان تمام اہل ذوق کے جو اس قسم کے حالات کو قدر و عظمت کی نگاہ سے پڑھتے ہیں اور ان کے جویا رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی ذات سے منتفع کرے اس بات کا بھی ذکر ضروری ہے کہ جس دور کے یہ حالات ہیں اس دور کے مذاق کا لحاظ بھی رکھنا ضروری ہے، اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہر شخص ہر طرح کے حالات کو نہ اپنے علم و استعداد اور ہمت پر قیاس کر سکتا ہے، اور نہ ہر چیز قابل تقلید و واجب الاتباع ہے، احوال و اذواق (اگر وہ تاریخی اور مستند طریقے پر نقل ہوں) اشخاص، ماحول اور اپنے عہد کی خصوصیات ہیں، جو کسی دوسرے دور، ماحول اور اشخاص کی طرف بجنسہٖ منتقل نہیں کئے جا سکتے، وہ ایک ہی ذات ہے جو ہر دور کے لئے قابل فہم اور ہر شخص کے لئے کلی طور پر واجب الاتباع ہے۔ صلے اللہ علیہ وسلم،

ابوالحسن علی ندوی

جمعہ۔ ۱۹ رجب المرجب ۱۳۸۳ھ

عرضِ حال

خیال ہوا کہ اپنے کچھ واقعات اور ذاتی معلومات قلمبند کر دوں تاکہ اپنے بعد اپنے بچوں کے کام آئے اس خیال سے قلم اٹھایا اور اپنے بزرگوں کے حالات سے اس کام کی ابتدا کی۔ جب لکھنا شروع کیا تو بزرگوں کے حالات بھی کافی جمع ہو گئے۔ اس لئے ان کو مستقل ایک حصہ قرار دیدیا۔ میرا خیال اس کی اشاعت کا بالکل نہ تھا اور نہ اس ارادے سے لکھے تھے محض ایک اپنی یادداشت تھی جو اپنے بچوں کے لئے لکھی گئی تھی اسی لئے مضامین اور واقعات کا استیعاب بھی نہیں کیا گیا اور نہ واقعات کے حوالے درج کئے گئے۔

اب بعض احباب کے شدید اصرار پر مجبور و لاچار ہو کر اس کو اشاعت کیلئے دے رہا ہوں ناظرین کرام سے التماس ہے کہ اس کو اسی نگاہ سے دیکھیں جس حیثیت سے یہ لکھی گئی ہے اور ان امور کا مطالبہ نہ کریں جو ایک تصنیف میں ہونے چاہئیں۔ ان بزرگوں سے جن کا تذکرہ کتاب میں کیا گیا ہے چونکہ دوسرے لوگوں کو بھی عقیدت اور محبت ہے اس لئے اس کی اشاعت سب کیلئے مفید ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ اصحابہ و اتباعہ اجمعین

ایک وجودِ خاکی

قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے ایک خاندان میں جو علم و فضل اور عزت و شرافت میں مشہور اور ممتاز تھا بطن مادر سے جمعہ کی شب صبح صادق کے وقت ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ مطابق مئی ۱۹۰۶ء ۲ جیٹھ ۱۳۰۳ء کو دو جڑواں بچے اس خاکستان میں نمودار ہوئے ایک کا نام اعتصام الحسن اور دوسرے کا احتشام الحسن، ایک ہفتہ بعد اعتصام الحسن نے بعارضہ اُم الصبیان کوچ کیا اور احتشام الحسن کو اس عالم میں گرم و سرد اور تلخ و شیریں تجربوں کیلئے چھوڑ دیا جو آج بروز سہ شنبہ ۱۹ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۹۵۶ء کو یہ چند سطریں لکھ رہا ہے۔ کاش میں بجائے احتشام کے اعتصام ہوتا اور گناہوں سے پاک و صاف گذر جاتا۔

ع یا لیتنی لم تلدنی امی۔ اور اے کاش مجھے میری ماں نہ جنتی

ع تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے   کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے

فوا اسفا علیٰ ما فرطت فی جنب اللہ

محمد احتشام الحسن غفرلہٗ کاندھلہ ضلع مظفر نگر
۲۳ شوال المکرم ۱۳۸۲ھ

سلسلۂ نسب
اور
خاندانی حالات

محمد احتشام الحسن بن مولوی محمد رؤف الحسن بن مولانا ضیاء الحسن بن حضرت مولانا محمد نور الحسن بن حضرت مولانا ابوالحسن بن حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش بن حضرت مولانا حکیم شیخ الاسلام بن مولانا حکیم قطب الدین بن مولانا حکیم عبدالقادر بن مولانا حکیم محمد شریف بن حضرت مولانا محمد اشرف بن شیخ جمال محمد شاہ بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ بن شیخ بہاء الدین شاہ بن مولانا شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل بن شیخ قطب شاہ (خاندانی شجرہ میں صرف شیخ قطب شاہ تک درج ہے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اشرف صاحب رح جھنجھانوی

عالم متبحر اور عارف کامل بزرگ تھے۔ آپ کے کچھ حالات[۱] حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے اپنی قلمی بیاض میں تحریر فرمائے ہیں جن کو نقل کیا جاتا ہے:

ایک دن جد بزرگ وار مولینا محمد اشرف قدس سرہٗ کا ایک مرید آپ کی خدمت میں سونے کا ڈلا بقدر دو سیر پختہ لایا عرض کیا کہ میں کیمیا جانتا ہوں۔ آپ کے یہاں فقر و تنگی بہت ہے اور آپ بادشاہوں کے ہدایا قبول نہیں فرماتے۔ لہٰذا اس کو خرچ میں لائیں۔

آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد کی محراب میں دفن کر دو۔ ضرورت کے وقت لے لوں گا۔ ایک مدت کے بعد وہی مرید پیر کی زیارت کے لئے آیا اور وہی فقر و تنگی پائی تو رویا اور عرض کیا اگر وہ سونا خرچ میں آگیا ہے دوسرا موجود ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس جگہ وہ سونا رکھا تھا وہاں دیکھو، دیکھا تو وہ سونا بجنسہٖ موجود تھا۔ مرید نے عرض کیا کہ حضرت اس کی قدر نہیں کرتے اور لوگ کیمیا کے متلاشی اور طالب بستے ہیں اگر اجازت ہو تو ابھی پیش کروں۔ حضرت اس وقت استنجا سکھا رہے تھے۔ اس ڈھیلے کو ایک بڑے پتھر پر مارا فوراً خالص سونا بن گیا

---

[۱] حضرت مفتی صاحب رح نے یہ حالات مولینا محمد ساجد صاحب کی کتاب "غرائب الہند" سے نقل کئے ہیں ۱۲ منہ

پھر ارشاد فرمایا ان دونوں کو اپنے گھر لے جا اور خرچ کر ہمارا فقر رسولِ خدا کے متابعت میں ہے اور فقر اختیاری ہے نہ فقر اضطراری۔

ایک مرتبہ جھنجھانہ کے سربرآوردہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حاکم قصبہ بہت ظالم آدمی ہے ہمیں تباہ کر دیا ہے، آپ کسی عمل کے ذریعے اس کو دفع کرائیں۔ آپ اس وقت قصبہ کے باہر ایک سرسبز شاداب درخت کے نیچے بیٹھے تھے فوراً ایک دعا پڑھ کر درخت کی طرف نظر جلال سے دیکھا اور وہ خشک ہو گیا۔ پھر ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے جو مدت دراز سے خشک کھڑا تھا اور نظر جمال سے اس کو دیکھا اور وہ سرسبز اور تروتازہ ہو گیا پھر ارشاد فرمایا یہ میں نے اس لئے کیا کہ تم اسمار ایزدی کی تاثیر سے انکار نہ کر سکو لیکن میں کسی کی مضرت، اور نقصان کے لئے ہرگز نہ پڑھوں گا ع کار خود را بخدا باز گذار

حق تعالےٰ نے چند روز بعد اسی حاکم کو خیر کی توفیق دی اور راہ راست پر آگیا۔

آپ کسی کو مرید نہ کرتے تھے، اسی وجہ سے تھانیسر سے ایک بزرگ نے ایک مرتبہ اپنے خادم کے ہاتھ جبہ اور کلاہ آپکے پاس بھیجا۔ زبانی کوئی پیغام نہ کہلایا آپ نے اس پر پرانے جوتے رکھ کر واپس کر دیا۔ مصاحبین نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا ان بزرگ کا مقصد یہ تھا تم قابلِ ارشاد و تکمیل ہو لہذا ان لوگوں کو مرید کرکے خلافت عطا کرو، میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میں اپنے کو پرانی جوتی سے کم تر جانتا ہوں اور لائق ارشاد و تکمیل نہیں ہوں۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا اور ایک زمانہ پڑا رہا مجبوراً اس کو بیعت کیا اور ذکر و شغل کے بجائے یہ تلقین فرمایا کہ اجرت اور معاوضہ کے بغیر سادات کی خدمت کرو اسی سے راہ یابی ہو گی۔ وہ شخص چونکہ طالبِ صادق تھا سادات کی خدمت میں مشغول ہو گیا۔ ہر سید کی غلاموں کی طرح خدمت گذاری کرتا چند سال بعد ایک ظالم شرابی سید کی خدمت کا اتفاق ہوا اور اس نے نشہ میں اس کو خوب مارا، اور یہ ہر مار پر الحمد لله کہتا رہا

رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی فرمایا خدا کی رحمت تجھ پر ہو تو نے میری اولاد کی بہت خدمت کی ہے اور لعاب مبارک اس کے زخموں پر ملا۔ اور اپنے سینۂ مبارک سے لگایا۔ صبح کو ولی کامل تھا۔ اس سعادت عظمیٰ کے حاصل ہونے کے بعد شکر گذاری کے لئے آپ کے پاس آیا اور خدمت گذاری میں مشغول ہو گیا۔ ایک مرتبہ آپ نے غسل کے لئے گرم پانی طلب فرمایا اس نے جا کر اپنی بیوی پر تقاضا کیا۔ وہ حاملہ تھی اس نے کہا اس قدر جلدی کیا ہے کہا پیر و مرشد نے جلد طلب فرمایا ہے۔ عورت نے کہا خدا کی لعنت تیرے پر اور تیرے پیر پر بھی۔ درویش نے غضب کی نگاہ سے اس کو دیکھا اور وہ فوراً مر گئی۔

آپ کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا تم اس دولتِ عظمیٰ کے ہرگز اہل نہیں ہو اور وہ دولت سلب کر لی۔ یہ شخص عرصے تک روتا رہا اور معافی مانگتا رہا۔ ایک بار آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور ارشاد فرمایا "اشرف ہم نے اس کے جرم سے در گذر کیا۔ تم بھی اس کو معاف کرو اور اس کی نعمت واپس کر دو" آپ نے علی الصباح اس کو بلایا اور سینے پر ہاتھ ملا، پھر مرد کامل ہو گیا۔

قاضی یوسف جھنجھانہ کے قاضی تھے اور عالم کامل تھے۔ شوقِ خدا طلبی غالب آیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی۔ ہر چند عجز و الحاح کیا مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ قاضی صاحب ایک روز بے خودی کے عالم میں زنار ہاتھ میں لئے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا راہِ خدا دکھلائیے ورنہ یہ زنار باندھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کل کو سوچ کر جواب دوں گا۔ رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اے اشرف تو چاہتا ہے کہ اتنا بڑا عالم میرے دین سے نکل جائے قاضی یوسف کو اپنا مرید کر اور خدا کا راستہ اس کو دکھا" آپ نے صبح کو قاضی صاحب کو بلا کر مرید کر لیا۔

✓ ابتدائی زمانے میں جب آپ مدرس تھے، شاہ جہاں بادشاہ نے ملا عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی کو دہلی طلب فرمایا۔ انہوں نے جب آپ کے علم و فضل کا شہرہ سُنا تو آپ کی ملاقات کے لئے دہلی سے جھنجھانہ بھی تشریف لائے۔ آپ اس وقت مطول کا درس دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر ان کی خاطر مدارات کی پھر درس میں مشغول ہو گئے۔ مولانا سیالکوٹی کو اپنی موجودگی میں درس کی مشغولی ناگوار گذری اور مباحثہ شروع کر دیا، سلسلہ بحث دراز ہو گیا اور متفرق علوم و فنون میں مکالمہ ہوا۔ آخر میں ملا عبدالحکیم صاحب نے کہا کہ میں نفوس قدسیہ کے وجود کا منکر تھا آج مجھے معلوم ہوا کہ اس جہان میں بڑے بڑے صاحب فضل و کمال موجود ہیں جو علوم ظاہری اور باطنی میں کامل ہیں۔ پھر اپنا وہ رسالہ جو حقہ پینے کی حرمت میں تصنیف فرمایا تھا۔ آپ کی خدمت میں تصویب کے لئے پیش کیا۔ تاکہ اس پر اجماع منعقد ہو جائے۔ آپ نے فرمایا یہ حرام نہیں بلکہ مباح ہے اس لئے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور خاص و عام میں حقہ نوشی رائج ہو کر عموم بلویٰ ہو گئی۔ اب اس کو حرام کہنا جرمِ عظیم ہے۔ ملا عبدالحکیمؒ نے کہا اگر مباح ہے تو میرے سامنے حقہ پیجیے۔

آپ نے فرمایا مجھے طبعاً اس سے بہت نفرت ہے۔ پھر علماء کا قول بہت کافی ہے عمل شرط نہیں۔ ملا عبدالحکیم نے کہا احتیاطاً اگر قول عمل کے ساتھ مقرون ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ آپ نے ایک طالب علم کو بلایا اور اپنے سامنے حقہ پینے کا حکم فرمایا اور فرمایا اجماع میں علماء مجتہدین کا اجماع شرط ہے۔ علماء غیر مجتہدین کا اجماع معتبر نہیں ہے اور بغرض محال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اجماع کے لئے کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے سند کا ہونا درکار ہے۔ اب حقہ کے حرمت کی سند کہاں سے لائی جائے گی"۔ ملا عبدالحکیم صاحب نے سن کر اپنے اس رسالہ کو چاک کر کے پھینک دیا۔ پھر رخصت ہو کر واپس تشریف لے گئے۔

آپ ابتدائی زمانے میں ہر شب مطالعہ فرمایا کرتے تھے، ایک رات اس

طاقچہ سے جس میں چراغ رکھا ہوا تھا آواز آئی " اشرف تجھے اس کے لئے پیدا کیا ہے ؟ یہ سُن کر آپ پر ایک وجد اور شوق غالب آیا کہ کہیں کے ہوش نہ رہے کتاب کو جزدان میں رکھا اور پانی پت روانہ ہوئے ۔ شاہ بو علی قلندر کی درگاہ میں پہنچے ۔ اندر جانا چاہا تو دروازہ خود بخود بند ہو گیا ۔ آپ نے عرض کیا میں تو استفادہ کی خاطر حاضر ہوا تھا، دروازہ کیوں بند کر دیا گیا ؟ فرمایا تمہارا نصیب غوث الاعظم جیلانی کی بارگاہ سے ہے اور اس جذبہ قادریہ نے تمہیں اپنی جانب کھینچا ہے پس آپ نے بغداد کا ارادہ کر لیا ۔ راستے میں جس مسجد میں بھی جاتے خود بخود اہل محلہ آپ کا کھانا بھیجتے تھے ۔ حتیٰ کہ ایک روز ایک مسجد میں قیام کیا جب فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو دیکھا مسجد کے دروازے پر دو شخص کھڑے ہیں اور ہر نکلنے والے کا نام اور پتہ پوچھ کر رخصت کرتے ہیں ۔ انہوں نے آپ کو دیکھ کر کہا " یہ وہی شخص ہے " اور آپ کو اپنے آقا کے پاس لے گئے ۔ آقا نے دیکھتے ہی کہا بے شک یہ وہی شخص ہے ۔ آپ کو قسم قسم کے وسوسے آئے اور خیال ہوا کہ شاید چوری کے ساتھ مجھے متہم بنایا ہے ۔

آقا نے اس خطرہ پر مطلع ہو کر فرمایا ۔ اس خطرے کو دل سے دور کرو میں حضرت غوث اعظم کا غلام ہوں ۔ حضرت نے تمہارا نام اور شکل بتا کر مجھے حکم فرمایا یہ شخص مریدی کے لئے بغداد آرہا ہے تم جاؤ اور اس کو بغداد تک پہنچنے کی تکلیف مت دو بلکہ جہاں مل جائے مرید کر کے خدا تک پہنچا دو اس لئے میں تمہاری جستجو میں پھر رہا ہوں اور تمہاری تلاش کے لئے مساجد پر لوگ مقرر کر رکھے ہیں ۔"

یہ سن کر آپ کے دل میں خطرہ گذرا کہ پیر تو پایا مگر جاہل معلوم ہوتا ہے ۔ اس پیران بزرگ نے فرمایا " میں جاہل نہیں ہوں ۔ تمہیں جو علمی مشکلات ہوں مجھ سے دریافت کرو ۔" آپ نے بیضاوی کے بعض مشکل ادق مقامات دریافت کئے اور جواب شافی و کافی پایا ۔ پھر کشاف کی بعض مشکلات کو دریافت کیا تو ان

بزرگ نے فرمایا اس کا مصنف دوزخ کے ساتویں طبقہ میں ہے، اگر چاہو تو وہ خواب میں آکر خود ان کو حل کر دے اور اگر چاہو تو میں پوچھ کر حل کروں۔ بشق ثانی بہتر ہے۔ پھر تھوڑی دیر مراقبہ کر کے ان مشکلات کو بھی حل کر دیا، جس کی وجہ سے آپ کا اعتقاد پختہ ہو گیا اور مرید ہو گئے۔ اور طریقۂ قادریہ میں چند چلے کھینچے۔ دو سال بعد ان بزرگ نے آپ کو رخصت کیا اور فرمایا تمہارا باقی حصہ فلاں بزرگ کے پاس فلاں جگہ ہے

آپ ان دوسرے بزرگ کی خدمت میں بھی چند سال رہے پھر انہوں نے ایک اور بزرگ کا پتہ بتایا، جنہوں نے کمالات سے آراستہ کر کے ایک اور بزرگ کی خدمت میں بھیجا۔ ان آخری بزرگ نے فرمایا اب تم کامل و مکمل ہو گئے اپنے وطن جاؤ۔ اب اگر اس نعمت کا اظہار چاہتے ہو تو مخلوق کو ارشاد و تلقین کرو اور مرید کرو اور اخفا پسند کرتے ہو تو درس و تدریس میں مشغول رہو۔

آپ نے فرمایا "مجھے علم شریعت کا درس و تدریس زیادہ مرغوب ہے۔ اسی مشغلہ کو میں اختیار کرتا ہوں"

ان بزرگ نے فرمایا "قیامت تک علم شریعت تمہارے خاندان میں رہے گا"

پھر آپ ان بزرگ سے رخصت ہو کر اپنے وطن واپس تشریف لے آئے اور مدت العمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شاہ جہاں بادشاہ نے جب آپ کے کمالات کا شہرہ سنا تو ملاقات کا مشتاق ہوا اور آپ کو بلانے کے لئے پالکی اور کچھ لوگوں کو جھنجھانہ بھیجا آپ علی الصباح نماز فجر پڑھ کر دوپٹہ کمر پر باندھ کر دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ بادشاہ کی طرف سے شہر کے دروازے پر آدمی استقبال کے لئے متعین تھے اور انتظار میں بیٹھے تھے۔ آپکی روانگی کی اطلاع پا کر انہوں نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور آپ نے اس امیر کی ہمراہی میں جو آپ کا

پہلے سے واقف اور معتقد تھا بادشاہ سے ملاقات کی۔

بادشاہ نے اپنے وزیر سعد اللہ خاں سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان کرنا چاہیئے۔ وزیر نے متفرق علوم کے متعلق سوالات آپ سے کیئے اور ہر علم و فن میں یگانۂ روزگار پاکر بادشاہ سے عرض کیا۔ شیخ کو میں نے ایسا بحر ذخار پایا جس کا کہیں کنارہ نہیں ہے۔"

شاہ جہاں بادشاہ نے اسی وقت علاقہ جھنجھانہ میں دو ہزار بیگھہ پختہ زمین کا فرمان تیار کرا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

آپ نے اس کو قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہمارا رازق خدا ہے نہ کہ بادشاہ حکم خداوندی اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی تعمیل اور بجا آوری کے لئے بادشاہ کے پاس آیا ہوں۔ املاک و جائداد کے حصول کی طلب و خواہش بالکل نہیں اور نہ اس کے لئے آیا۔

بعد میں اس امیر نے جو آپ کا معتقد تھا اس فرمانِ شاہی کو آپ کی بعض احفاد کے نام منتقل کرا کر ان کے پاس بھیج دیا اور انہوں نے اس کو قبول کر لیا لیکن آپ نے تمام زندگی اسی فقر و تنگی میں متوکلانہ بسر فرمائی۔ انتہیٰ۔

چنانچہ شاہجہاں بادشاہ کا وہ فرمان مولانا حکیم محمد ساجد صاحب کے نام جاری ہوا، جواب بھی موجود ہے۔

مولانا حکیم محمد شریف صاحب

آپ اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کے جانشین اور نقش قدم پر تھے اور علم و فضل میں نمایاں اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔

حضرت مولانا اشرف صاحب کے پیر و مرشد نے ان کو بشارت سنائی تھی کہ تمہاری اولاد میں "علم شریعت" قیامت تک رہے گا"۔ اس بشارت کے

اوّل مظہر مولانا محمد شریف صاحب کی ذات ستودہ صفات تھی - ان کے بعد ان کی اولاد میں بھی آج دس گیارہ پشت گذر جانے کے باوجود ہر دور میں "علم شریعت" نمایاں نظر آرہا ہے اور خدا نے چاہا تو قیامت تک نمایاں رہے گا۔ وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

مولانا حکیم محمد شریف صاحب کے تین صاحبزادے تھے - مولانا حکیم عبدالقادر صاحب، مولانا شیخ ابوالحسن صاحب، مولانا محمد فیض صاحب (ان دونوں کا تذکرہ بعد میں آئے گا)

مولانا حکیم عبدالقادر صاحب کے دو صاحبزادے تھے - مولانا حکیم قطب الدین صاحب - مولانا حکیم شرف الدین صاحب

حکیم شرف الدین صاحب کا سلسلہ اس طرح چلا حکیم شرف الدین کے صاحبزادے حکیم نظام الدین ان کے صاحبزادے حکیم گھسیٹا اُن کے حکیم مولابخش - یہ حکمار کا خاندان جھنجھانہ میں رہا۔

مولانا حکیم قطب الدین صاحب کے تین صاحبزادے تھے - مولانا حکیم شیخ الاسلام صاحب شیخ محمد مشائخ - شیخ صدر الدین - مولانا شیخ الاسلام صاحب کاندھلہ منتقل ہو گئے، باقی دونوں بھائی بدستور جھنجھانہ رہے۔

مولانا حکیم محمد شریف صاحب اور مولانا حکیم عبدالقادر صاحب، اور مولانا حکیم قطب الدین صاحب کے تفصیلی حالات تو معلوم نہ ہو سکے. البتہ محض اجمالی طور پر اس قدر معلوم ہو سکا کہ تینوں بزرگ ممتاز علماء، اور صلحاء اور نامور اطبّا میں شمار ہوتے تھے۔ اور قصبہ جھنجھانہ کے اعلٰی شرفاء اور نمایاں اشخاص تھے۔

مولانا حکیم قطب الدین صاحب

مولانا حکیم قطب الدین صاحب قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر کے شرفاء اور زعماء میں سے تھے، اور ان کی والدہ خان بی بی عرف کاما شیخ محمد مدرس بن شیخ ابوالفضل بن قاضی عبداللہ بن قاضی جاہلا بن قاضی نصیر اللہ بن حاجی اسمٰعیل بن قاضی عتیق اللہ بن قاضی بدھن بن قاضی شیخ محمد[۱] ساکن قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر کی صاحبزادی تھی۔ قاضی شیخ محمد بن مولانا کریم الدین بن امام مذکر بن امام تاج بن امام حاج قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد سے تھے۔

مولانا حکیم قطب الدین صاحب کی شادی بی بی خورم بنت شیخ ضیاء الحق بن مولانا شیخ مدرس سے ہوئی۔ شیخ ضیاء الحق کا انتقال ہوگیا اور کوئی اولاد نہ تھی شیخ بہاء الدین ایک لڑکا تھا جو ان کے سامنے فوت ہو چکا تھا۔ اس لئے ان کے والد مولانا شیخ مدرس نے ان کی لڑکی بی بی خورم کو اپنے پاس کاندھلہ بلالیا کاندھلہ ہی میں مولانا شیخ الاسلام صاحب پیدا ہوئے اور بی بی حمیدہ زوجہ ثانی شیخ ضیاء الدین نے ان کو اپنا متبنیٰ بنا کر اپنی کل جائداد کا وارث قرار دیا اور مولانا محمد مدرس نے بھی اپنی جائداد ان کے نام کردی۔ مولانا حکیم قطب الدین صا

---

[۱] سلطان محمد بن تغلق ۲۲ رجب ۷۴۳ھ میں اس طرف شکار کے لئے آیا۔ اسی اثناء میں جمعہ کا دن آگیا۔ سلطان موصوف نے کاندھلہ کی آبادی اور جامع مسجد کی تعمیر کا حکم دیا فوراً جامع مسجد تیار کی گئی۔ جمعہ کے وقت سلطان محمد نے آکر خود بھی مسجد کی صفائی میں حصہ لیا اور شیخ محمد مذکور کو للعہ کہ ہزار بیگھہ زمین کا فرمان دے کر قضاء امامت خطابت مناکحت کا منصب عطا فرمایا اور قصبہ کی آبادی پر مامور کیا ۱۲ منہ

نے بھی بعد میں میں اپنی والدہ کا حصّہ جو کاندھلہ میں تھا ان کے نام کر دیا اور جھنجھانہ کی جدی جائداد باقی بھائیوں محمد، مشائخ اور صدر الدین کے حوالے کر دی اس تقسیم کے بعد مولانا شیخ الاسلام نے مستقل کاندھلہ میں سکونت اختیار کر لی۔

حضرت مولانا حکیم شیخ الاسلام صاحب

مولانا حکیم شیخ الاسلام صاحب علم و فضل میں نمایاں شان رکھتے تھے چنانچہ اپنے صاحبزادہ مفتی الٰہی بخش کو جب بغرض تعلیم دہلی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں لے گئے تو حضرت شاہ صاحب نے بڑا احترام کیا اور فرمایا اگر صاحبزادہ کو خود ہی حوالہ کرنا تھا تو مجھے کاندھلہ طلب فرمالیا ہوتا آپ نے سفر کی تکلیف کیوں گوارا کی۔

مولانا شیخ الاسلام صاحب کی کوئی تصنیف کتب خانہ جدی قدیم میں نظر سے نہیں گذری۔ مولانا شیخ الاسلام صاحب کا اصل نام محمد بخش تھا، اور شیخ الاسلام کے ساتھ مشہور تھے، جیسا کہ بعض تحریرات سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا شیخ الاسلام صاحب کی شادی بی بی مامن بنت شیخ بھیکا ساکن جھنجھانہ سے ہوئی جس سے ایک لڑکی اور چار لڑکے تولد ہوئے۔ لڑکی مسماۃ بی بی مہر کی شادی شیخ کریم الدین بن شیخ خیر الدین ساکن تھانہ بھون سے ہوئی۔

صاحبزادے مفتی الٰہی بخش، شاہ کمال الدین، مولوی محمود بخش، مولوی امام الدین ہیں۔ جو یگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ تھے، بالخصوص مفتی الٰہی بخش صاحب اور شاہ کمال الدین صاحب مرجع خلائق اور مقبول عالم ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ چاروں بھائیوں کی اصل تعلیم و تربیت

والد بزرگوار مولانا شیخ الاسلام صاحب اور مولانا محمد مدرس صاحب کے آغوش میں ہوئی، بعد میں دیگر علماء اور مشائخ وقت سے استفادہ کیا۔ مولانا محمد مدرس صاحب کی صاحبزادی خان بی بی کی شادی مولوی عبدالقادر بن مولوی محمد شریف سے ہوئی تھی۔ اس لئے یہ چاروں بزرگوار مولانا محمد مدرس صاحب کی بیٹی کے پوتے اور بیٹے ضیاء الحق کے نواسے تھے، اور ان کی زندگی کا اصل سرمایہ تھے۔

مولانا موصوف کا اصل نام شیخ محمد تھا۔ شاید درس و تدریس کے شغل اور انہماک کی وجہ سے مولانا محمد مدرس کے نام سے مشہور و متعارف ہوئے۔

حضرت مولانا شاہ الحاج کمال الدین صاحب

مولانا شیخ الاسلام صاحب نے ضروری تعلیم کے بعد اپنے صاحبزادوں مولانا کمال الدین صاحب اور مولانا امام الدین صاحب کو ایک ساتھ تکمیلِ تعلیم کے لئے دہلی بھیجا۔ مولانا امام الدین صاحب نے چونکہ تکمیل علوم شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب سے کی ہے۔ اس لئے بظاہر شاہ کمال الدین صاحب نے بھی انہی دونوں بزرگواروں سے علوم ظاہری منقول و معقول میں کمال و جمال حاصل کیا ہے۔

شاہ کمال الدین صاحب بڑے باکمال بزرگوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ عبدالعدل صاحب دہلوی خلیفہ و سجادہ نشین حضرت شاہ محمد زبیر صاحب دہلوی رح کے مرید اور خلیفہ تھے اور اسی سلسلہ میں بیعت اور ارشاد و تلقین فرماتے تھے۔ کمالِ باطنی کا یہ حال تھا کہ آپ کے بڑے بھائی حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب باوجودیکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے مجاز اور خلیفہ تھے، لیکن ذوق طلب اور شوق معرفت کی بناء پر حضرت شاہ صاحب کے وصال کے بعد کسی عارف کامل کی تلاش و جستجو میں پھرتے رہے اور کوئی نظروں میں نہ سمایا۔ آخر کار بھوپال کے ایک سفر میں ایک عارف کامل سے

ملاقات ہوئی اور ان کی ہدایت اور حکم کے موافق اپنے چھوٹے بھائی مولینا شاہ کمال الدین صاحب سے سلسلۂ قادریہ میں رجوع کیا اور ان کے فیوض سے مستفید ہوتے رہے۔

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کی حیات ہی میں شاہ کمال الدین صاحب کا وصال ہو گیا۔ شاہ کمال الدین صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی، آپ نے چاہا کہ اپنی جائداد اپنے بھتیجے مولانا مظفر حسین بن مولوی محمود بخش صاحب کے نام کر دیں چونکہ بڑے بھائی حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب وارث موجود تھے اس لئے آپنے ان سے تذکرہ کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا۔ اگر میرے اولاد نہ ہوتی تو میں بھی اپنی جائداد مظفر حسین صاحب کے نام کر دیتا۔ چنانچہ آپنے اپنی تمام جائداد حضرت مولانا مظفر حسین صاحب اور مولانا محمد اشرف صاحب ابن مولینا امام الدین کے نام کر دی۔ شرح عقائد جلالی کا حاشیہ آپ کی علمی یادگار ہے۔ مولانا امام الدین صاحب نے اپنی تصنیفات میں جا بجا اپنے بھائی شاہ کمال الدین صاحب کی تقریر و تحقیق کو نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو علوم معقول میں بھی پوری دسترس حاصل تھی۔ ریاضت اور مجاہدہ میں یکتائے روزگار تھے۔ بیشتر مراقبہ اور استغراق میں رہتے تھے۔ کوئی سانس یاد الٰہی سے غافل نہ گذرتا تھا اور بار بار چلّے کرتے تھے۔ دنیا و مافیہا سے بالکل غافل اور بے خبر رہتے تھے۔ ان کے کشف و کرامات اور خرق عادت بہت زیادہ مشہور تھے۔ اطراف و جوانب سے آکر لوگ گروہ در گروہ بیعت ہوتے تھے اور داخلِ سلسلہ ہو کر باطنی کمالات اور اسرار معرفت حاصل کرتے تھے اور معرفت الٰہی سے شاد کام اور سرفراز ہوتے تھے۔ دل اسرار رحمانی اور رموز یزدانی کا آئینہ دار تھا اور زبان معرفتِ خداوندی کے درس میں مشغول رہتی تھی۔ چہرے سے نور معرفت نمایاں اور آشکارا، ان کی ذات والا صفات، قدرت الٰہی اور صنعت خداوندی کا درخشاں اور روشن شمع تھی جو عالم کو منور

کررہی تھی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کی وفات سے چند سال پہلے وصال ہوا، قصبہ کاندھلہ قبرستان متصل عیدگاہ میں دائمی خلوت کدہ اور آخری آرام گاہ ہے۔ (سفینۂ رحمانی)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت شاہ حاجی کمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ علیل ہوئے اور آہ آہ کرنے لگے، ان کے بھائی حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب جو نسبت ارادت بھی حاجی صاحب سے رکھتے تھے۔ عیادت کو آئے اور کہا آہ آہ کیوں کرتے ہو، اللہ اللہ کرو، انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اور آہ میں مشغول رہے۔ ایک دن اتفاقاً حضرت مفتی صاحب بھی اسی درد میں مبتلا ہوئے اور اللہ اللہ کرنے لگے اور آہ منہ سے نہ نکالا حضرت شاہ صاحب نے تشریف لاکر فرمایا جب تک آہ نہ کروگے صحت نہ ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا مرض ترقی کرتا گیا اور کسی طرح تخفیف نہ ہوئی بالآخر مفتی صاحب نے آہ کرنا شروع کیا اور صحت حاصل ہوگئی

یہ مقام عبدیت تھا اور عبدیت اور تذلل محبوب عزوجل کو محبوب ہے، اور اسی میں رضا و تسلیم متصور ہے اور اللہ اللہ کہنا مقام الوہیت ہے۔ (شمائم امدادیہ) حضرت شاہ کمال الدین صاحب کے بعض ملفوظات کو ان کی حیات میں بادشاہ عالمگیر ثانی کے بیٹے شاہزادہ منعم بخت نے جو شاہ صاحب کا مرید اور معتقد تھا "انوار القلوب" کے نام سے جمع کیا ہے۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے اپنی بیاض میں مولانا امام الدین صاحب کے کچھ حالات لکھے ہیں تحریر فرماتے ہیں: "بعض حالات صدر نشیں خلد بریں مولوی امام الدین اسکن اللہ فی اعلیٰ علیین بہت دانش مند اور ہوشیار اور متقی پرہیزگار آدمی تھا۔ لہو ولعب سے اجتناب فطرۃً خمیر میں ملا ہوا تھا چنانچہ سخت سردی کی راتوں میں آدھی رات کو اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے نماز تہجد میں مشغول ہو جاتا اور جو آٹھ پارہ جوانی میں حفظ کئے تھے ان کو پڑھتا، چونکہ میں ان سے

بہت زیادہ تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے ایک دن ان سے کہا اس سخت سردی میں اُٹھنا اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا بہت دشوار ہے۔ تم روزانہ کس طرح کرتے ہو۔ کہا روزانہ جب میں وضو سے فارغ ہوتا ہوں تو وسوسہ شیطانی اور نفسانی دل میں آتے ہیں کہ کل کو اس سردی میں نہ اُٹھوں گا۔ نوافل کے لئے اتنی محنت اذیت اُٹھانا دشوار ہوتا ہے۔ جب اگلی رات آتی ہے اور چکی پیسنے والیوں کی آواز کان میں آتی ہے تو میں بے قرار ہو کر اُٹھ جاتا ہوں کہ سبحان اللہ اس سخت سردی میں اپنی دن کی روزی کی خاطر آدھی رات سے اُٹھ کر صبح تک بھاری پتھر چکی کے پاٹ کو کس محنت و مشقت کے ساتھ گھماتی ہیں۔ میرے لئے جس کی روزی کی کفالت بے محنت و مشقت حق تعالیٰ اپنے ذمے لے رکھی ہے، مروت سے بعید تر ہے کہ خواب غفلت میں سوتا رہوں اور اپنے رازق کا شکر ادا نہ کروں"۔ میں نے جب یہ سُنا تو سمجھ گیا کہ بیدار دل چوکنا خاطر شخص ہے۔ علوم عقلیہ میں پوری مہارت رکھتا تھا مشہور و معروف فضلاء زمانہ کو علمی مباحث میں فوراً خاموش کر دیتا تھا، تصنیف و تالیف کا بہت شوق تھا۔ رسالہ تعریف امور عامہ اور حاشیہ میر زاہد جلالیہ بہت مضبوط اور محکم لکھی ہیں تنقید کرنے والا ذہن اور پرکھنے اور جانچنے والی طبیعت پائی تھی مختصر کافیہ بھی تصنیف کیا جو اختصار کے باوجود تمام مطالب پر مع اضافہ کے مشتمل ہے۔ جود و کرم اور ایثار اور مروت و شفقت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا۔ قحط کے زمانے میں تین تین وقت اپنا کھانا بھوکے کو دے دیتا اور کسی پر یہ ظاہر نہ ہوتا کہ اس نے کھانا نہیں کھایا ورنہ مسافر کی خبر گیری گھر سے ہوسکتی تھی۔ فارسی اور ہندی شعر میں پوری رسائی رکھتے تھے چنانچہ حدیث لوسابق القدر سبقتہٗ لسابقۃ العین کو نظم کیا ہے ؎

اگر چیزے بعالم سبقت از دست قضا بردے جہاں آشوب چشم آں بت ناآشنا بردے

قریب ہی زمانے میں مرحوم نے ایک غزل کہی جو بے اختیار مرغ دل کو تڑپا دیتی ہے، ایک شعر اس کا اس وقت یاد آیا ؎

کجا جویم نگارے را کہ نہ بود یک مکاں او را
گہے در سینہ کہ در دل گہے در جان تست آتش

طبیعت کی ذکاوت اس قدر تھی کہ ناقابلِ حل دقائق کو ایک لمحہ میں حل کر دیتے تھے، عمر بھر سماع مزامیر اور تمام مجالسِ لہو و لعب سے پرہیز رکھا۔ جماعت اور اول وقت نماز کی ادائیگی کی اس قدر پابندی کہ قلم اس کی تحریر سے قاصر ہے۔ اگر کبھی لوگ جماعت میں سستی کرتے تو آپ اول وقت ظہر ادا کر لیتے پھر جماعت میں بھی شریک ہوتے۔ میں نے ان کے فراق میں ایک شعر کہا ہے ؎

دریں ماتم از خون بگریم رواست
کہ آں نور چشم زچشمم جداست

فارسی نثر بھی خوب لکھتے تھے۔

حضرت مولینا امام الدین صاحب مولانا امام الدین صاحب بھی مفتی الٰہی بخش سے چھوٹے تھے اور والد اور بھائی کے سامنے عین شباب میں انتقال فرما گئے اور اپنے بڑے بھائی مولانا شاہ کمال الدین صاحب کے آغوش میں سپردِ خاک ہوئے۔ رجب ۱۲۰۷ھ میں وفات پائی۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی تحریرات میں جابجا ان کی ذکاوت ذہانت اور علمی قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ ایک جگہ تحریر فرمایا ہے "افسوس ہم بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل ذی استعداد تھا وہ رخصت ہو گیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے اور حضرت مفتی صاحب سے بھی استفادہ کیا تھا منطق و فلسفہ میں اعلیٰ قابلیت اور مہارت تام رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی

کے حکم اور اصرار پر میر زاہد جلالی کی شرح لکھی اس کے مقدمے میں اپنے تینوں مذکورہ استادوں کا ذکر کیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ سخت مشکل اور مغلق عربی الفاظ پر مشتمل ہے جس سے عربی ادب کی قابلیت اور مہارت بخوبی نمایاں ہوتی ہے۔ رسالہ تعریف امورِ عامہ اور مختصر کافیہ بھی تصنیف کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب فرمایا کرتے تھے۔ میں نے عمر بھر میں مولوی امام الدین سے زیادہ ذہین اور عالی طبع نہیں پایا جہاں تک میں نے غور کیا ہمیشہ ان کی رسائی طبع اور پرواز ذہن کو اس سے بلند و بالا پایا۔ مولانا امام الدین صاحب نے ایک لڑکا مولانا حکیم محمد اشرف یادگار چھوڑا۔

مولانا حکیم محمد اشرف صاحب

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے مخصوص اور ممتاز شاگردوں میں تھے۔ حضرت مفتی صاحب کی صاحبزادی بی بی وزیراً سے شادی ہوئی تھی، اس لئے حضرت مفتی صاحب کے منظور نظر بھتیجے بھی تھے اور داماد بھی تھے اور مایہ ناز شاگرد بھی۔ منقولات اور معقولات دونوں پر پورا عبور تھا۔ علم طب میں اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھے اور نبض شناسی میں سب سے فائق تھے۔ چھ ماہ تک اپنی انگلیوں پر حلوہ باندھا تاکہ وہ نرم ہو جائیں اور بخوبی نبض کا احساس کر سکیں۔ چنانچہ نبض دیکھتے ہی مریض کے تمام حالات بیان کر دیتے تھے۔ علم طب میں ایک ضخیم کتاب بحر العلاج تصنیف کی جو از سر تا پا تمام امراض کے معالجہ پر مشتمل ہے۔ سورۂ یوسف کی اُردو منظوم تفسیر بھی انہی کی یادگار ہے۔ ایک فارسی مثنوی بھی مثنوی غنیمت کے مقابلے میں تصنیف کی۔ اور بھی بعض کتابیں لکھی جو ضائع ہو گئیں۔ قصبہ خانپور ضلع بلند شہر میں سکونت اختیار کر لی تھی وہیں ۱۲۲۱ھ ہجری میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک صاحبزادہ مولوی حکیم محمد مشرف یادگار چھوڑا۔ جو اپنے زمانے کے مشہور اور ممتاز اطبا میں تھے امراض بھی، نبض شناسی میں یکتائے روزگار تھے۔

۱۳۰۵ھ میں کاندھلہ میں وفات پائی اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت مولانا محمود بخش صاحب رح

حسن اخلاق۔ حلم ومتانت۔ خدا پرستی میں یکتائے زمانہ تھے۔ مخلوقِ خدا کی دل جوئی، فیض رسانی اور خدمت گذاری اور زہد و ریاضت تقویٰ و پرہیزگاری میں بے نظیر اور بے مثل تھے۔ علوم منقول اور معقول میں پوری دسترس تھی خصوصاً تفسیر و حدیث میں مہارت تام رکھتے تھے۔ تمام عمر یادِ الٰہی میں خلوت و تنہائی میں بسر کی۔ ظاہری چپقلش اور نام و نمود سے یکسو اور بیزار رہے دنیا اور اربابِ دنیا کے اختلاط سے ہمیشہ کبیدہ خاطر اور بیزار رہتے تھے۔ کبھی کسی قسم کی ہوا و ہوس اور خواہشاتِ نفسانی میں مبتلا نہیں ہوئے ہر وقت اپنے اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے اور عشق ایزدی اور محبت الٰہی میں مست و سرشار، بارگاہِ خداوندی سے ازل حلم و بردباری متانت وسنجیدگی اور توکل میں حصہ وافر پایا تھا اور سب ہم عصروں سے ممتاز اور فائق تھے۔ ریاضات اور مجاہدات اور تمام عبادات میں فرشتوں کی طرح رضاء مولا کی تلاش و جستجو میں ہر وقت چست و چالاک گویا ایک فرشتہ تھے انسانی شکل و صورت نمودار ہے، کبھی لبوں پر مزاح یا ہنسی نمودار نہیں ہوئی۔ جب خلوت و تنہائی سے فراغت ملتی تو ہوشیار اور ہونہار طلبا کو دینی امور کے درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے تھے۔ مستجاب الدعوات ایسے تھے کہ گویا اجابتِ آستانہ پر ہر وقت موجود منتظر رہتی ہے اور دعا اس قدر تیر بہدف تھی کہ فوراً پوری ہوتی اور لوگوں کی مشکلات اور مقاصد دیکھتے دیکھتے آنکھوں پورے ہو جاتے تھے۔ بڑھاپے کی حالت میں بروز پنجشنبہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ کو اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کیا اور قبرستان عیدگاہ میں اپنے شفیق بھائیوں کی آغوش میں جاگزیں ہوئے (سفینۂ رحمانی)

مولانا محمود بخش صاحب نے ایک صاحبزادہ مولانا محمد مظفر حسین صاحب کو اپنی یادگار چھوڑا۔ جو زہد و تقوےٰ اور اتباع سنت میں یگانۂ روزگار اور

شہرۂ آفاق بزرگ تھے۔

حضرت مولانا محمد مظفر حسین صاحبؒ [۵۱]

۱۲۲۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے حاصل کی لیکن تعلیم پوری نہ فرمانے پائے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کا وصال ہو گیا اس لئے بقیہ تعلیم ظاہری و باطنی دہلی میں شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے پوری فرمائی جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ محدث دہلوی کے نواسے اور شاگرد رشید تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ مہاجر مکیؒ سے بھی شدید تعلق تھا اور آپ انہیں سے مرید تھے [۵۲] حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ نے علم طریقت اور

---

[۵۱] احقر نے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھیؒ کے حکم سے حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے حالات جمع کئے تھے جن کو موصوف نے تذکرۃ الخلیل میں شائع کر دیا تھا، جہاں ضروری ترمیم اور اضافہ کے ساتھ انہی کو درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

[۵۲] مولانا محمد سلیمان صاحبؒ نے اختتام مثنوی پر جو حضرت مفتی صاحب کے حالات شائع کئے ہیں ان سے میں نے یہ نقل کیا ہے۔ لیکن یہ میری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب کا وصال ۱۲۴۵ھ ہجری میں ہوا۔ اس وقت مولانا مظفر حسین صاحب کی عمر پچیس سال ہوتی ہے اور یہ بہت مستبعد ہے کہ مولانا مظفر حسین صاحب نے اس وقت تک تکمیل نہ کی ہو، اور ابتدائی تعلیم میں مشغول ہوں، بالخصوص جب کہ مولانا سلیمان خود آخر حالات میں حضرت مولانا مظفر حسین کو حضرت مفتی صاحب کا خلیفہ اور جانشین بھی فرما رہے ہیں۔ ایک اور واقعہ بھی اس کی تردید کرتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب آخر دور میں بیشتر استغراق اور بے خودی کے عالم میں رہتے تھے اور لوگوں کو بعض عملیات اور تعویذات بتلا دیتے تھے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کو جب معلوم ہوتا تو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتے چچا جی یہ تو جائز نہیں۔ آپ فرماتے اچھا تو پھر منع کر دو جب بار بار اس کا اتفاق ہوا تو آخر میں حضرت مفتی صاحب نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جس کو

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸ پر دیکھئے)

انوار معرفت اور اسرار حکمت کو اپنے عم بزرگواران حضرت مفتی الہٰی بخش صاحب رح اور
مولانا شاہ کمال الدین صاحب رح سے بھی حاصل کیا ہے اور آپ ان دونوں بزرگوں
کے خلیفہ اور جانشین سمجھے جاتے تھے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب رح کے یہاں درس و تدریس کا سلسلہ نہ تھا
ایک سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے کبھی کبھی مسجد میں اور کبھی کبھی گھر میں وعظ
فرماتے تھے۔ اندازِ بیان سادہ ہوتا تھا مگر قلوب میں اُتر تا جاتا تھا اور تمام
شکوک و شبہات سے دل کو صاف کر دیتا تھا۔ مجلس وعظ میں ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ گویا رحمتِ خداوندی بارش کی طرح آسمان سے برس رہی ہے۔ اور
پژمردہ قلوب کو سرسبز و شاداب کر رہی ہے۔

ریاضات اور مجاہدات اور عبادات و طاعات میں مشغول اور سرگرم
رہتے تھے۔ رمضان المبارک میں تمام رات عبادت میں گذارتے اور ایک لمحہ کے
لئے نہ سوتے تھے اور نہ بستر پر لیٹتے تھے روز حشر کے خوف سے ہر وقت آنسو
آنکھوں سے جاری رہتے تھے کبھی جلالِ ایزدی کے خوف سے چہرے کا رنگ
زرد ہو جاتا تھا اور کبھی جمالِ رحمانی کے تصور سے گلاب کی طرح چہرہ سُرخ ہو جاتا
تھا۔ زہد و تقوےٰ خصوصی شعار تھا جو بچپن سے طبیعت میں ودیعت رکھا ہوا تھا
کبھی طاعتِ خداوندی اور اتباعِ سنتِ نبوی سے تجاوز نہ کرتے تھے اور اپنے تمام
دینی اور دنیوی اُمور اور ظاہر و باطنی مہمات اور مشکلات کو ہمیشہ قرآن و حدیث

بقیہ لوٹ صکا

کوئی عمل بتلاتے تھے اس سے کہہ دیتے تھے کہ مولوی مظفر حسین کو پہلے دکھلائے پھر
کرے۔ اس لئے میرے خیال میں صحیح یہ ہے کہ مولانا مظفر حسین نے پہلے حضرت مفتی صاحب
سے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کی پھر شاہ محمد اسحٰق صاحب کی طرف رجوع کیا، اور
آخر میں شاہ محمد یعقوب صاحب سے وابستہ ہو گئے اور یہ بات ذوق طلب سے
بعید نہیں۔ چنانچہ خود حضرت مفتی صاحب نے یکے بعد دیگرے دوسروں کی طرف رجوع کیا ۱۲ منہ

کے موافق پورا کرتے تھے اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں ہمیشہ سرگرم رہتے تھے اور سنتِ نبویہ کے اختیار میں اپنی ساری مساعی اور پوری جدوجہد کو صرف کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کوئی کام اللہ اور رسول کی رضا کے خلاف سرزد نہ ہو اور کوئی قدم سنت کے خلاف زمین پر نہ پڑے۔ اسی لئے اپنی صورت و سیرت اور طلعت و طبیعت کو صحابۂ کرام کی مانند رکھتے تھے، انسانی صورت اور فرشتہ سیرت رکھتے تھے، بظاہر دنیوی امور میں مشغول نظر آتے تھے۔ لیکن باطن سے ہر وقت رضائے الٰہی اور امورِ آخروی میں منہمک اور مست و سرشار رہتے تھے (سفینۂ رحمانی)

مولانا مظفر حسین صاحبؒ کے یہ چند حالات ہیں جن پر روشنی ان واقعات اور حکایات سے پڑتی ہے جو بزرگوں کی زبانی لوگوں میں مشہور و معروف ہیں۔ ایک مرتبہ آپ کے پیر و مرشد حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب سے کسی شخص نے سوال کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وضع قطع کیسی تھی؟ شاہ صاحب نے فرمایا ذرا صبر کرو تھوڑی دیر کے بعد مولانا مظفر حسین صاحب آ گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس سائل کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اصحابِ پاک کا نمونہ اس وقت دنیا میں مولوی محمد مظفر حسین موجود ہیں جس شخص کو وضع اور لباس اور صورت و سیرت اصحابِ کرام سے اپنی آنکھوں کو منور کرنا منظور ہو وہ مولوی مظفر حسین کو دیکھ لے (منقول از اوراق مولانا محمد سلیمان)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب کے شاگردوں میں تین شخص نہایت متقی تھے، اول درجے کے مولوی مظفر حسین صاحبؒ دوسرے درجے کے شاہ عبد الغنی صاحبؒ تیسرے درجے کے نواب قطب الدین خان صاحب۔ ایک مرتبہ نواب قطب الدین خاں صاحب نے شاہ محمد اسحٰق صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ اور مولوی مظفر حسین صاحبؒ اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی۔ شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ نے منظور فرمالی

اور مولوی محمد یعقوب صاحبؒ نے بھی۔ مگر مولوی مظفر حسین صاحبؒ نے منظور نہ فرمائی۔ اس سے نواب قطب الدین خان کو ملال ہوا اور انہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولوی مظفر حسین صاحبؒ کی بھی دعوت کی تھی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے مولوی مظفر حسین پر عتاب فرمایا اور فرمایا ارے مظفر حسین تجھے تقوے کی بد ہضمی ہو گئی، کیا نواب قطب الدین کا کھانا حرام ہے" انہوں نے فرمایا "حاشا وکلا مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے علاوہ اتنے اور آدمیوں کی اور آپ کو پالکی میں لے جائیں گے اس میں بھی ضرور صرف ہو گا اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں، مگر پھر نواب زادہ ہیں۔ دعوت میں ضرور نوابانہ تکلف بھی کریں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں۔ پس یہ مقروض ہیں، اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں وہ ان کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے۔ ایسی حالت میں اُن کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آ گئی اور شاہ صاحب نے فرمایا میاں قطب الدین اب ہم بھی تمہارے یہاں کھانا نہ کھائیں گے۔

(فائدہ از حضرت تھانوی) ان کا کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ ادائے دین کی تاخیر میں اعانت بعید ہے کیا دقیق تقوےٰ ہے اور استاد کیسے مقدس کہ یا تو شاگرد کو تنا ظر ہے تھے یا انہی کا اتباع کر لیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے پاس دلیل ہو تو محض استاد کی تقلید سے دلیل کو نہ چھوڑنا چاہیئے

(ارواح ثلثہ)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ

مولانا مظفر حسین صاحبؒ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بوڑھا ملا جو بوجھ لئے ہوئے جاتا تھا۔ بوجھ کسی قدر زیادہ تھا اس وجہ سے اس سے مشکل سے چلتا تھا۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے جب یہ حال دیکھا تو آپ نے اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے انسے پوچھا کہ اجی تم کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا میں کاندھلہ رہتا ہوں اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں اور ان کی بہت تعریف کی۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے فرمایا اور تو اس میں کوئی بات نہیں البتہ نماز ضرور پڑھ لیتا ہے۔ اس نے کہا واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہتے ہو۔ مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ اس پر وہ بوڑھا اُن کے سر ہوگیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو مولانا مظفر حسین صاحب کو جانتا تھا۔ اس نے اِس بوڑھے سے کہا، بھلے مانس مولوی مظفر حسین یہی تو ہیں اس پر وہ بوڑھا اُن سے لپٹ کر رونے لگا۔ مولانا بھی اس کے ساتھ رونے لگے اس پر حضرت تھانویؒ نے یہ شعر تحریر فرمایا ہے:

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(انفاسِ ثلثہ از امیر الروایات)

حضرت تھانویؒ نے بیان فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ جب کسی سواری پر سوار ہوتے پہلے مالک کو سب چیز دکھلا دیا کرتے تھے پھر اگر بعد میں کوئی گٹھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک کو دکھا دیا ہے اور یہ اس میں سے نہیں۔ لہٰذا تم مالک سے اجازت لے لو۔

نیز فرمایا کہ مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دہلی سے بہلی میں سوار ہو کر اپنے وطن کاندھلہ تشریف لا رہے تھے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں۔ اس بہلی والے

سے بھی اس بہلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیلوں کو راتب کتنا دیتے ہو اور کیا بچت ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں بھلوان کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ یہ بہلی ایک رنڈی کی ہے اور میں اس کا نوکر ہوں بھلا مولانا رنڈی کی گاڑی میں کیسے بیٹھ سکتے تھے۔ کسی طالب علم نے کرایہ کر کے لادی ہو گی۔ مولانا کو پتہ نہ تھا۔ اب مولانا کا دقیق تقویٰ دیکھئے فوراً نہ اُترے تاکہ اس کی دل شکنی بھی نہ ہو تقویٰ بھی برتنا ہر شخص سے نہیں آتا۔ ذرا دیر کے بعد بولے کہ بہلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے۔ اس نے بہلی روکی، آپ نے اتر کر پیشاب کیا اور اس کے ساتھ استنجا سکھلاتے کہاں تک چلتے، آخر ڈھیلا پھینک دیا۔ اس نے کہا بیٹھ جائیے، فرمایا ٹانگیں شل ہو گئی ہیں، ذرا دور پیدل چلوں گا، تھوڑی دور چل کر اس نے پھر عرض کیا، آپ نے پھر ٹال دیا، پھر کہا پھر ٹال دیا، پھر وہ سمجھ گیا اور کہا مولانا میں سمجھ گیا کہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے، آپ اس میں بیٹھیں گے نہیں۔ پھر لے جانے سے کیا فائدہ، حکم دیجئے لوٹ جاؤں۔ فرمایا ہاں بھائی بیٹھوں گا تو نہیں لیکن تمہیں کاندھلہ چلنا ہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس کے پاس کرایہ کو آیا ہو اور اس نے انکار کر دیا ہو تو اس کا خواہ مخواہ نقصان ہو گا۔ پس آپ کاندھلہ تک ویسے ہی پیدل آئے اور ہر منزل پر بیلوں کو گڑ اور گھی، اور گھاس دانہ کا ویسا ہی انتظام کیا اور مکان پر آ کر اس کو کرایہ دے کر واپس کر دیا یہاں پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب کرایہ دینا ہی تھا تو پھر کاندھلہ تک خالی بہلی کیوں لائے تو بات یہ ہے کہ بعض طبیعتیں بلا کارگذاری کے لینا گوارا نہیں کرتیں۔ یا اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو۔

(ارواح ثلٰثہ منقول از اشرف التنبیہ)

مولانا مظفر حسین صاحب انتہائی سادہ اور بے تکلف تھے۔ ایک مرتبہ گنگوہ میں حضرت گنگوہی سے ملے چلتے کے وقت حضرت گنگوہی نے کہا کھانا تناول فرما لیجئے فرمایا بھائی دور کا سفر ہے، میری منزل کھوٹی ہو گی،

حضرت گنگوہی نے کہا جو کچھ رکھا ہے وہی سہی مولانا راضی ہو گئے اور فرمایا کہ بس وہی لے آنا جو گھر میں موجود ہو گھر میں باسی روٹی اور دال رکھی تھی۔ حضرت گنگوہی وہی ہاتھ پر رکھ کر لے آئے دال بھی روٹی پر رکھی تھی، پھر نہیں معلوم مولانا نے کھائی یا ساتھ باندھ لی۔ پھر مولانا مظفر حسین صاحب نے رام پور پہنچ کر حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب سے فرمایا مولوی رشید احمد صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں حضرت بہت اچھے آدمی ہیں۔ پھر فرمایا، اجی بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ پھر فرمایا اجی تم سمجھے تو ہو نہیں ایسے اچھے ہیں کہ بہت ہی اچھے۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ایسی کیا خاص بات ہوئی؟ فرمایا کیا کہوں انہوں نے تھوڑا سا ناشتہ کرنے کے لئے راستے میں مجھ سے کہا، میں نے کہا جو کچھ گھر میں موجود ہو وہ لے آؤ۔ انہوں نے باسی روٹی اور دال لے کر دیدی سبحان اللہ کیسے اچھے آدمی ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ ایک مرتبہ نانوتہ تشریف لے گئے وہاں اس وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ موجود تھے فرمایا کہ بھائی ایک مسئلہ میں تردد ہے۔ میں نے سنا تھا کہ سب صاحبزادے جمع ہیں اس لئے مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ چلتی ریل میں نماز پڑھنے میں علماء اختلاف کرتے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں، بس تم لوگ آپس میں گفتگو کر کے ایک منقح صاف بات بتلا دو کہ جائز ہے یا نہیں۔ میں دلائل نہیں سنوں گا۔ چنانچہ سب حضرات نے گفتگو کی اور مولانا نے ادھر التفات بھی نہ فرمایا گفتگو کر کے ان حضرات نے عرض کیا کہ حضرت طے ہو گیا جائز ہے، فرمایا اچھا تو پھر میں جاتا ہوں۔ ان بزرگوں کو حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ سے خاص عقیدت اور محبت تھی اور سب ان کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی صاحبزادی صاحبہ بیان فرماتی تھیں کہ والد صاحبؒ بعض مرتبہ ایک کام کو

منع فرما دیتے تھے کہ یہ رسم ہے اور جب اُن سے کہا جاتا کہ کاندھلہ مولانا مظفر حسین صاحب کے گھر ایسا ہوتا ہے تو آپ فرماتے اگر وہاں ہوتا ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ان کے گھرانہ میں خلاف شرع کام نہیں ہو سکتا۔ اسی تعلق کی بنار پر صاحبزادی صاحبہ راقم الحروف پر ہمیشہ بزرگانہ شفقت فرماتی تھیں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ ابتدار میں امامت سے بھی گھبراتے تھے اور وعظ بھی نہ کہتے تھے۔ حضرت مولینا مظفر حسین صاحبؒ نے اول وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔ پھر فرمایا حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اس آخری زمانے میں قدما کے نمونہ تھے۔ تقوے اللہ اکبر ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدہ میں پہنچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی۔ اور اتباع سنت تو نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سُنا سبحان اللہ (سوانح قاسمی ص۱۱)

حضرت مولانا مملوک علی صاحب جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے استاد تھے دہلی میں سرکاری مدرسہ دار البقار میں مدرس تھے۔ نانوتہ اور دہلی کے درمیان آمدورفت میں راستہ میں کاندھلہ پڑتا تھا۔ حضرت مولانا مظفر حسین نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل کر جایا کرو۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب نے کہا، تکلف نہ کرنا، صرف ملنے کے لئے کچھ دیر ٹھیر جایا کروں گا۔ چنانچہ مولینا مملوک علی صاحب ہمیشہ دہلی آتے اور جاتے جب کاندھلہ سے گذرتے تو باہر سڑک پر گاڑی کو چھوڑ کر ملنے آتے، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب اول یہ پوچھتے، کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے۔ اگر کہا کھا چکا تو پھر کچھ نہیں اور اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا، تو مولانا پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں یا تازہ پکوا دوں چنانچہ ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ رکھا ہوا لادو اس وقت ایک دفعہ صرف کھچڑی کی کھرچن تھی اسی کو لے آئے اور فرمایا رکھی ہوئی تو یہی تھی، انہوں نے کہا بس یہی کافی ہے

پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے تھے۔ یہی ہمیشہ کا معمول تھا۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب بالکل سادہ وضع قطع رکھتے تھے ایک گاڑھے کا کرتہ ایک پاجامہ ایک نیلی لنگی یہ آپ کا لباس اور کل اثاثہ ہوتا تھا میری دادی صاحبہ یعنی حضرت مولانا کی صاحبزادی فرماتی تھیں کہ ایک بار میں نے موٹی ململ کا کرتہ حضرت کے لئے سیا۔ اول تو زیب تن کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر میری خوشنودگی کو پہنا مگر جمعہ کی نماز پڑھ کر فوراً اتار دیا اور فرمایا کہ میرا گاڑھے کا کرتہ دے دو اس میں عجب پیدا ہوتا ہے۔ سواری پر بہت کم سوار ہوتے تھے اور اکثر پیدل سفر کرتے تھے۔ اور سامان سفر لوٹا لنگی، مشکیزہ ہوتا تھا جہاں شام ہو جاتی تھی وہیں شب بسر فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ شام ایک ایسے گاؤں میں ہوئی جہاں سب ہندو تھے۔ مسلمان کوئی نہ تھا وہاں والوں سے کہا کہ رات کو رہنے کے لئے کوئی جگہ بتا دو تو ایک شخص نے گاؤں کے باہر کوٹھوڑ بتا دیا آپ کے پاس روٹی تھی اس کو تناول فرمایا، اور اسی جگہ قیام کیا۔ اتفاقاً وہی شخص رات کو کسی کام کے لئے جنگل میں آیا تو حضرت کو قرآن پڑھتے سُنا۔ تمام رات بے تابی سے گذاری اور صبح کو حاضرِ خدمت ہو کر عرض کیا رات جو تو پڑھ رہا تھا وہی جلدی سے مجھے بھی پڑھا دے۔ اس کے بعد آپ کو اپنے گھر لے گیا، اور اس کے بیوی بچے وغیرہ سب مسلمان ہو گئے۔

ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شاملی گذر ہوا۔ ایک مسجد ویران پڑی تھی وہاں نماز کے لئے تشریف لا کر پانی کھینچا وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی بعد میں ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں ؟ اس نے کہا جی سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں۔ آپ ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی ہوئی تھی اور نشے میں مست تھے آپ نے

خان صاحب نے فرمایا بھائی خان صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں گے اور مسجد آباد ہو جائے گی۔ خان صاحب نے کہا۔ میرے سے وضو نہیں ہوتا اور نہ یہ دو بری عادتیں چھوٹتی ہیں۔

آپ نے فرمایا بے وضو ہی پڑھ لیا کرو، اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اس پر اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو نماز پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور کچھ فاصلے پر نماز پڑھی اور سجدے میں خوب روئے۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں اول یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دیدی دوسرے یہ کہ آپ سجدے میں خوب روئے۔

فرمایا کہ سجدہ میں میں نے جناب باری سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا۔ اب دل تیرے ہاتھ میں ہے۔

ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا۔ پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے، لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے غسل کیا پاک کپڑے پہنے اور نماز پڑھی۔ بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے تو طوائف موجود تھیں۔ اول کھانا کھانے گھر میں گئے۔ بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے۔ ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی فوراً باہر آئے۔ رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیج دو۔

سنا ہے کہ ان خان صاحب کی ۲۵ سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ ایسے ہی ایک مرتبہ آپ گڑھی پختہ تشریف لے گئے۔ ایک خان صاحب سے نماز کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے داڑھی چڑھانے کی عادت ہے اور وضو سے یہ اتر جاتی ہے۔ آپ نے کہا کہ بغیر وضو پڑھ لیا کرو۔

خاں صاحب نے کچھ روز بغیر وضو نماز پڑھی پھر خیال آیا کہ ایک مولوی کے کہنے سے تو نے بغیر وضو نماز پڑھنی شروع کردی اور اللہ و رسول کے حکم سے باوضو نماز نہیں پڑھی جاتی ۔ اس کے بعد ہمیشہ باوضو نماز پڑھنے لگے ۔

فائدہ بے وضو نماز پڑھنا یا سجدہ کرنا کسی حال میں جائز نہیں ہے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کو چونکہ اپنی نور بصیرت سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کی ہدایت اور اصلاح کا یہی ذریعہ ہو سکتا ہے ۔ اس لئے انہوں نے ضرورتاً بظاہر اس کی اجازت دے دی جو دوسروں کے لئے دلیل نہیں بن سکتا ۔

آپ نے سات حج کئے اور پیدل ۔ ایک مرتبہ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے ، پانی پت سے چل کر شب کو کسی گاؤں میں سرائے کی مسجد میں قیام فرمایا اور اخیر شب میں وہاں سے روانہ ہوئے ۔ اتفاق سے رات کو سرائے میں چوری ہو گئی ۔ بھٹیاری نے کہا کہ ایک شخص مسجد میں ٹھیرا تھا اور صبح ہی چلا گیا ضرور وہی چور ہے ۔ لوگ تعاقب کے لئے آئے اور جھنجھانہ کے قریب آکر پکڑ لیا اور کہا تھانہ چلو ۔ آپ نے فرمایا جھنجھانہ کے تھانہ میں نہ لے چلو اور کہیں لے چلو اس پر ان لوگوں کو اور بھی شبہ ہوا اور وہ جھنجھانہ ہی کے تھانہ میں لے گئے ۔ اور ایک سپاہی کے حوالے کر دیا جس نے آپ کو حوالات میں بند کر دیا ۔ تھوڑی دیر میں قصبہ کے لوگوں نے دیکھا اور تمام قصبہ میں شور ہو گیا ۔ عوام بہت مشتعل ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تھانہ دار کی بدمعاشی ہے اس کی جان کے درپے ہو گئے ۔ تھانہ دار خواجہ احمد حسن تھے جو میرے دادا صاحب مرحوم کے دوست تھے ۔ اور حضرت مولانا سے خوب واقف تھے ۔ بہت مشکل سے جان بچا کر تھانہ آئے اور آپ کو حوالات سے نکالا اور واقعہ کی تحقیق کی ۔ پھر لوگ اس پانی پت والے آدمی کی جان کے درپے ہو گئے جو آپ کو پکڑ کر لایا تھا ۔ آپ نے خواجہ احمد حسن سے فرمایا کہ اس کی جان کے تم ذمہ دار ہو ، اس کے ساتھ دو تین آدمی کر دو جو اس کو بخیریت پانی پت تک پہنچا دیں ۔ اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قصور میرا ہی

ہے۔ ایسی شکل و صورت کیوں بنائی جو کسی کو چوری کا شبہ ہو۔

آپ ایک مرتبہ کاندھلہ تشریف لا رہے تھے ایک شخص مل گیا۔ اس سے دریافت فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ اس نے جواب دیا کاندھلہ مولوی مظفر حسین کے پاس، اس کے پاس سامان تھا اور آپ خالی ہاتھ تھے آپ نے اس سے سامان لے کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ کاندھلہ آکر جب اُسے معلوم ہوا کہ یہی مولوی صاحب ہیں تو بہت پشیمان ہوا، آپ نے فرمایا کہ اس میں حرج کیا تھا، میں خالی ہاتھ تھا اور تم بوجھ لئے آرہے تھے۔

آپ محتاط بہت زیادہ تھے۔ کبھی مشتبہ مال نہ کھاتے تھے اور اگر بھولے یا غلطی سے کھا لیتے تو فوراً قے ہو جاتی تھی۔

زمانۂ طالب علمی کا قصہ ہے کہ آپ نے کئی سال روٹی سالن سے نہیں کھائی دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ دہلی کے اکثر سالنوں میں کھٹائی پڑتی ہے اور آموں کی بیع ناجائز طریق پر ہوتی ہے اس لئے میں سالن نہیں کھاتا۔ حالانکہ آپ کا یہ کھانا آپ کے اُستاذ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے یہاں سے آتا تھا، حضرت شاہ صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو حیران رہ گئے اور فرمایا ہمیں تو کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا۔

آپ بجز اپنے گھر کے اور کسی کے یہاں عام دعوت میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔ البتہ غریبوں کی دعوت کو بہت شوق کے ساتھ قبول کرتے تھے اور ان کے گھر جا کر کھانا کھانے میں لذت و حلاوت محسوس کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کسی گاؤں کی ویران مسجد میں ٹھہرے۔ وہاں مغرب کے تھوڑی دیر بعد ایک غریب آدمی آیا اور جلدی جلدی مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد جب آپ کو دیکھا تو اپنے گھر گیا اور تین روٹی روکھی لاکر آپ کو دیں۔ آپ نے ان کو تناول فرمایا اور سو گئے۔ رات کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور عجیب غریب انوارات اور برکات ظاہر ہوئے

اس لیے آپ اگلے دن پھر وہیں ٹھیر گئے۔ دن بھر کوئی نہ آیا۔ بعد مغرب وہی شخص آیا اور آپ کو بیٹھا دیکھ کر اپنے گھر سے دو روٹی بغیر سالن کے لاکر دیں۔ یہ رات بھی پہلی رات کی طرح گذری اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے، آپ اگلے دن پھر ٹھیرے رہے، بعد مغرب وہی شخص آیا اور آپ کو دیکھ کر گھر سے ایک روٹی لایا اور کہا بھائی مسافر اب جاؤ کل کو یہاں نہ ٹھیرنا۔

حضرت مولانا نے فرمایا۔ میرے ٹھیرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہاری روٹی میں عجیب لذت و حلاوت محسوس کرتا ہوں اور عجیب و غریب انوارات اور برکات کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ تم حقیقت حال بتاؤ۔ تب جاؤں گا۔

اس شخص نے کہا:۔

میں بہت غریب آدمی ہوں۔ دن بھر محنت کر کے جو پیسے ملتے ہیں اس کا تھوڑا آٹا لے آتا ہوں جس میں تین روٹی پکتی ہیں۔ ایک میری، دوسری بیوی کی اور تیسری بچے کی۔

پہلے دن ——— ہم تینوں نے فاقہ کیا۔ اور تینوں روٹیاں تمہیں لادیں
دوسرے دن ——— بچے کی حالت نہ دیکھی گئی۔ اس لئے ایک روٹی اس کو دیدی اور دو تمہیں لادیں۔ آج بھوک کی وجہ سے بیوی بے تاب تھی۔ اس کے حصہ کی روٹی اس کو دیدی اور اپنے حصہ کی لے آیا اور اب کل کو مجھ میں بھی فاقہ کی طاقت نہیں اسی لئے مجبوراً تمہیں کہنا پڑا۔ حضرت مولانا نے فرمایا سچ ہے یہ اسی اکل حلال اور ایثار کے اثرات اور ثمرات اور برکات ہیں۔

آپ غربا کی دعوت کو اس قدر شوق و رغبت کے ساتھ قبول فرمایا کرتے تھے کہ مولانا نور الحسن صاحب اکثر کہا کرتے معلوم نہیں چچا صاحب کو دعوت کا ایسا کیا شوق ہے، غریبوں کی دعوت قبول کر لیتے ہیں، پھر اس کا مکان

ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ابتداءً قاضی جی اور متولی جی کے گھر قرابت۔ اور یگانگت کی بنا پر کھانا تناول فرمالیا کرتے تھے، قاضی شیخ محمد اور متولی محمد اسمٰعیل کے والد کے انتقال کے بعد ان کے یہاں بھی کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ بعد پھر شروع کر دیا اور بغیر بلائے خود تشریف لے گئے۔ دریافت کرنے پر فرمایا پہلے تم نابالغ تھے اس لئے میں تمہارے مال سے پرہیز کرتا تھا۔ اب تم بالغ ہو گئے۔ اس لیے مجھے کوئی عذر نہیں۔

ایک مرتبہ آپ مولانا نورالحسن ؒ کے پاس تشریف لے گئے (غالباً مولانا کا قیام اس وقت بسلسلہ ملازمت تحصیلداری ٹکوڑ میں تھا) انہوں نے کچھ دام اپنے صاحبزادے مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب کو دئے کہ خود جاکر ان کا سامان کھانے کے لئے لاویں تاکہ کچھ گڑبڑ نہ ہو، کھانا تیار ہوا اس میں فیرنی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہو گئی۔ مولانا نورالحسن صاحب بہت پریشان ہوئے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولانا ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا۔ پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے وار ئین لے آیا تھا۔

آپ بہت منکسر المزاج تھے ہر ایک کام خود کیا کرتے تھے، بلکہ دوسروں کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ عادت شریفہ تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور جو جو گھر اپنے اقارب کے تھے ان میں تشریف لے جاتے اگر کسی کو بازار سے کچھ منگوانا ہوتا تو پوچھ کر وہ لا دیتے تھے۔ پیسہ اس زمانہ میں کم تھا۔ جو شے آتی تھی وہ غلہ کی آتی تھی۔ آپ غلہ کبھی کرتے کے پلے میں لے جاتے اور کبھی لنگی میں۔

آپ ایک دفعہ رامپور تشریف لے گئے۔ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند مجھے خرچ نہیں بھیجتا۔ آپ نے اس کا پتہ

دریافت فرمایا اور وہاں سے فیروز پور تشریف لے گئے اور اس کے خاوند کو تلاش کرکے ہدایت کی کہ آیندہ ہمیشہ خرچ بھیجا کرو

بیوہ کے نکاح کو بہت معیوب سمجھا جاتا تھا، آپ کو فکر ہوئی کہ اس رسم کو توڑنا چاہیئے، اسی فکر میں تھے کہ مولوی ابوالقاسم صاحب صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ان کو اولاً ترجمہ قرآن شریف پڑھنے کی ترغیب دی۔ انہوں نے ترجمہ شروع کیا۔ پھر ایک موقع پر انہیں نکاح ثانی کی ترغیب دی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ تم شہید ہوگی۔ اس پر انہوں نے کہا کہ اگر تم نکاح کرو تو میں تیار ہوں۔ مگر میں اور تم دونوں مارے جائیں گے۔ آپ نے تھوڑی دیر سکوت فرمایا اور پھر اقرار فرما لیا، اور ایک موقعہ پر دو چار آدمیوں کے سامنے مخفی طور سے نکاح ہوگیا۔ کچھ عرصے کے بعد حمل ٹھیر گیا، کسی کو نکاح کی خبر نہ تھی۔ ہر جگہ زنا کا شور مچ گیا۔ تھانہ بھون والے چڑھ کر آئے۔ لڑکی والے کی طرف سے اعلان تھا کہ جو کوئی شخص مولوی مظفر حسین کا سر اتار لاوے گا اس کو ایک ہزار روپیہ ملے گا۔ آپ کاندھلہ سے دہلی تشریف لے گئے۔ مقدر کی بات کہ ان کی والدہ سخت علیل ہوگئیں۔ قاضی صاحب یعنی اُن کے والد بہت پریشان ہوئے۔ ہر قسم کا علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا جب بالکل مایوس ہوگئے تو ایک فقیر ملا اور کہا کہ حافظ ضامن صاحب سے یہ کہلا دو کہ اچھی ہو جا پھر اچھی ہونے کا میں ذمہ دار ہوں۔ سب لوگ حضرت حافظ صاحب کے سر ہوگئے وہ انکار کرتے تھے۔ قضیبانی حضرت حافظ صاحب کی بہن تھیں۔ بہت اصرار پر آپ نے فرمایا کہ کاندھلہ سے اپنی لڑکی بی رحمت کو بلا لو تب کہوں گا۔ اول تو بہت پس و پیش ہوا بعد میں مجبوراً بلانا پڑا، ان کے پہنچتے ہی خود بخود صحت شروع ہوگئی، اب حضرت مولانا مظفر حسین صاحب بھی دہلی سے تھانہ بھون تشریف لے گئے۔

کیرانہ میں ایک رافضی عورت تھی، آپ نے اسے اہل السنت والجماعت ہونے کی ترغیب دی۔ انہوں نے کہا اگر آپ نکاح کریں تو میں توبہ کروں گی۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ یہ بھی بیوہ تھیں۔ انہوں نے کہا جب موقعہ ہوگا میں خط لکھوں گی تم آکر لے جانا۔ محرم کے موقعہ پر جب سب عورتیں قصبہ کے باہر تعزیے دیکھنے گئیں تو ان کا پرچہ مولانا کے پاس آیا جس میں یہ نشان تھا × آپ نے میرے دادا مولانا محمد صادق[۱] صاحب اور چند آدمیوں کو ڈولی لے کر کیرانہ بھیجا اور یہ رات کو گیارہ بجے کیرانہ جاکر ان کو لے آئے۔ جب کیرانہ والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے تعاقب کیا یہاں سے بھی ان کی اعانت کو لوگ گئے مگر مولانا محمد صادق صاحب ان کے ہاتھ نہ آئے اور بخیر کاندھلہ پہنچ گئے۔ ان محترمہ نے حضرت مولانا کو بہت سخت تکالیف پہنچائیں۔ مگر آپ سب سہتے تھے اکثر رات کو دروازہ بند کرلیا کرتی تھیں اور حضرت دروازہ کے باہر لنگی بچھاکر نماز میں وہ وقت گذارا کرتے تھے۔ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بیان فرماتے ہیں بیواؤں کے نکاح کی بنا ان اطراف میں اولاً حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سے ہوئی اور والد صاحب مرحوم نے اس کو نہایت خوب صورتی سے اجراء فرمایا اور ان دونوں بزرگوں کے قدم بہ قدم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کو پورا شائع کیا یہ اجر ان صاحبوں کے نامۂ اعمال میں تا قیامت رہے گا اور ایک یہ کیا دین کی ہزاروں باتیں ایسی ہی کیں۔ مجھے جناب مولوی مظفر حسین صاحب کی خدمت میں اس زمانہ سے نیاز حاصل تھا جب کہ حضرت مولوی صاحب دہلی تشریف لاتے تو والد مرحوم کے پاس ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور والد مرحوم جب وطن جاتے کاندھلہ ٹھہر کر جاتے اور جب وطن سے لوٹتے کاندھلہ ٹھہر کر دہلی روانہ ہوتے (سوانح قاسمی صلا)

---

[۱] مولانا ضیاء الحسن صاحب کا لقب اور دوسرا نام ہے۔ ۱۲ منہ

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ایک رات کے تین حصے فرمایا کرتے تھے اوّل حصہ میں دوسری بیوی کو جو بیوہ تھیں ترجمہ قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے حصہ میں صاحبزادیوں کو ترجمہ پڑھایا کرتے تھے۔ تیسرا حصہ کبرانہ والی بیوی کا تھا جس میں اُن کے یہاں جا کر تہجد پڑھا کرتے تھے۔

آپ نے چھ حج پیدل کئے جس میں ایک حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مہاجرؒ کے ساتھ اور ایک اہل وعیال کے ہمراہ تھا۔ پھر بعد میں حضرت شاہ صاحب کا خط آیا کہ تم یہاں چلے آؤ۔ اس خط کو مولانا نور الحسن صاحب نے چھپا لیا جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً بیت اللہ کو روانہ ہو گئے۔

دادی صاحبہ فرماتی تھیں کہ تیرے دادا نے ایک مرتبہ ململ کا کرتہ سلوایا اس میں گریبان میں تکمہ اور گھنڈی کے بجائے پٹھا اور سیپ کے بٹن لگوائے جس کو وہ جمعہ کے دن پہنتے تھے اور نماز پڑھتے ہی آکر اتار دیتے کہ کہیں والد صاحب کی نظر نہ پڑ جائے۔ ایک دفعہ میں اس کو رکھنا بھول گئی، اور چارپائی پر پڑا رہا۔ والد صاحب تشریف لائے تو ان کی نظر پڑ گیا۔ بہت غور اور افسوس کے ساتھ اس کو دیکھا اور فرمایا کہ بی اب اس گھر میں فیشن آگیا۔ ہمارا اب یہاں گذر نہیں ہو سکتا اور حج کا ارادہ فرما لیا۔ تب مولانا نور الحسن صاحب نے حضرت شاہ صاحب کا مکتوب گرامی بھی دکھلا دیا۔ یہ روانگی روز شنبہ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۲۸۱ھ کو ہوئی۔ روانگی سے قبل اپنے خاندان کی سب مستورات کو جمع کیا اور فرمایا نئے مولوی اور نئی نئی کتابیں ظاہر ہوں گی اور گمراہ کریں گی تم کسی کو نہ سننا بلکہ ان چار کتابوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنا اور مولویوں کی انہیں باتوں کو ماننا جو ان کے موافق ہوں اور انہیں کتابوں کو قبول کرنا جو ان کے موافق ہوں

وہ چار کتابیں یہ ہیں: تفسیر موضح القرآن تصنیف حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف۔ ترجمہ مشارق الانوار۔ ترجمہ ہدایہ

یہاں سے روانگی کے بعد ابھی آپ مکہ مکرمہ نہ پہنچے تھے کہ اسہال کا مرض لاحق ہوگیا۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے فرمایا۔ کہ میرا جی چاہتا تھا کہ مدینہ منورہ موت آئے مگر بظاہر اب میری موت کا وقت قریب آگیا آپ مراقبہ کیجئے۔ انہوں نے مراقبہ کے بعد فرمایا کہ نہیں آپ مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے۔ کچھ روز کے بعد آپ اچھے ہوگئے اور اگلے ہی روز مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ پہنچنے میں ایک منزل باقی تھی کہ آپ پھر بیمار ہوگئے اور ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعہ کو انتقال فرمایا، اور نزدیک قبر حضرت عثمان غنیؓ مدفون ہوئے۔ باسٹھ سال کے قریب عمر ہوئی کرتہ، پاجامہ، لنگی، لوٹا، مشکیزہ آپ نے چھوڑا۔ حسب وصیت لوٹا اور مشکیزہ بیت المال میں داخل کر دیا گیا۔ اور لنگی مریدین میں تقسیم کر دی گئی، اور کرتا و پاجامہ صاحبزادیوں کے پاس بھیج دیا جس میں پاجامہ معتقدین میں تقسیم کر دیا گیا اور کرتہ مبارک موجود ہے۔

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے وہاں پہنچ کر جو خط صاحبزادیوں کے پاس بھیجا وہ میرے پاس موجود ہے تبرکاً اس کو نقل کئے دیتا ہوں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔

اما بعد از اضعف العباد محمد مظفر حسین بہ برخوردار بہار راحت جل بی بی امۃ السبحان و امۃ الرحمٰن و امۃ المنان بعافیت باشند بعد السلام علیکم و اشتیاق ملاقات کے معلوم کریں میں اس جگہ بخیریت پہنچا و بخیریت ہوں۔ اور حاجی امداد اللہ صاحب واسطے جانے میرے کے ہندوستان کو ہر چند حضرت پیر و مرشد صاحب کو کہا لیکن اجازت نہ پائی۔ اس واسطے میں لاچار ہوں اور تمہارا خیال اکثر رہتا ہے اور تم کو چاہیے کہ تم خدا سے دعا کرو کہ جو

میرے حق میں دین اور دنیا میں بہتر ہو وہ ظہور میں لاوے اور
تم کو چاہیئے کہ اللہ کی رضامندی ہر کام میں لحاظ رکھو اور خدا کے
حکم کے آگے اور اتباع سنت کے کسی کا خیال نہ کرو، اور یہی بات
آخرت میں کام آوے گی باقی سب قصے جھگڑے سب یہاں کے
یہیں رہیں گے۔ جو کام اللہ کے واسطے کیا وہی ساتھ جائے گا۔
اور صبر اور تسلی سے رہنا کہ صبر آدھا ایمان ہے، اور یہی مضمون
والدہ امۃ المنان کو بھی معلوم ہوئے اور بخدمت سب صاحبوں
کے سلام کہنا اور سب سے دعا کے واسطے کہنا کہ میرے واسطے دعا
کریں، اور بی بی حمیدن سے کہہ دینا کہ تمہارے کپڑے اور
روپیہ موافق تمہارے کہے کے دی گئی، خاطر جمع رکھو

زیادہ والسلام

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے یہاں بیعت و تلقین کا سلسلہ جاری
تھا اور ہر جگہ بکثرت لوگ آپ سے مرید ہو کر کتاب و سنت کے شیدائی بن جاتے
تھے۔ حافظ محمد یوسف صاحب (نانا شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب)
اور ان کے بھائی حافظ محمد یونس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولینا
مظفر حسین صاحب کی یہ خاص کرامت اور برکت تھی کہ جو بھی ان سے مرید ہو گیا
اس کی پھر تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اس ناچیز کو بھی حضرت مولانا کے
جس مرید سے ملنے کا اتفاق ہوا اس کو تہجد اور نوافل مسنونہ اور اوراد مسنون
کا پابند پایا جن کی صورتوں سے ایمانیت اور نورانیت عیاں نظر آتی تھی۔

مولانا عبید اللہ سندھی تحریر فرماتے ہیں۔

اما الشیخ مظفر حسین الکاندھلوی فکان ورعاً تقیاً امراً
بالمعروف وناھیاً عن المنکر اخذ عن عمہ المفتی الٰہی بخش
وعن الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق واسترشد

عن مولانا محمد یعقوب الدھلوی وکان نائبہ فی الھند، وھو الذی اجلس شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم الدیوبندی علیٰ منبر الوعظ توفی ۱۰ محرم سنہ ۱۲۸۳ ھ ودفن بالبقیع، (کتاب التمھید حاشیہ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صـ۱۸۲)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب نے تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں بی بی امتہ السبحان، بی بی آمنہ الرحمٰن، بی بی آمنہ المنان۔ بی بی امتہ السبحان اور بی بی امتہ المنان لاولد فوت ہوئیں۔ بی بی امتہ الرحمٰن کی شادی مولانا ضیاء الحسن بن مولانا نور الحسن صاحب سے ہوئی جو اپنے والد بزرگوار کا صحیح نمونہ تھیں اور اپنے زمانہ کی رابعہ بصریہ تھیں۔

بی بی امتہ الرحمٰن عرف امی بی صاحبہ

میں نے جب شعور اور ہوش پایا تو اپنے گھر، اور خاندان کی اصل رونق اپنی دادی حضرت امی بی صاحبہ کو پایا۔ ہمارے خاندان کا دینی امتیاز اور دین داروں میں اس کی خاص مقبولیت اور وقعت و شہرت صرف ان کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے مریدین اور معتقدین کا آخری مرجع تھیں اور ان کی وجہ سے سب کی آمد ورفت کا سلسلہ لگا رہتا تھا۔ اکابر علماء اور بزرگانِ دین انہی کی خاطر بار بار کاندھلہ کا سفر اختیار کرتے تھے، اور نیاز مندانہ ان سے ملتے تھے۔ بالخصوص حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری مہاجر مدنی اور حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا تو گویا یہ اپنا گھر تھا۔ اور اس کثرت کے ساتھ ان بزرگواروں کی تشریف آوری ہوتی تھی کہ بایدو شاید۔ حضرت تھانوی کے سینکڑوں وعظ انہی کے گھر میں ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت تھانوی نے مجھ سے فرمایا "میں تو کاندھلہ آنے کا بہانہ ڈھونڈتا رہتا ہوں"

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے والد ماجد شاہ مجید علی صاحب حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی سے بیعت تھے اور ایک مرتبہ طفولیت میں حضرت کو بھی اپنے والد کے ساتھ کاندھلہ جاکر حضرت مولانا کی زیارت اور محض برکت کے لئے بیعت کرنے کا اتفاق ہوا کہ اس وقت آپ بیعت کی حقیقت اور مقصود کو بھی نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس برائے نام بیعت کی عظمت بھی آپ کے قلب میں اس قدر تھی کہ جب بھی آپ کاندھلہ تشریف لے گئے تو حضرت مولانا کی صاحبزادی بی امۃ الرحمٰن کی خدمت میں ان کے مکان پر ضرور حاضر ہوتے اور دیر تک مستمندانہ اور معتقدانہ طریق پر بیٹھتے (تذکرۃ الخلیل ص ۲۹)

خاندانی اور بزرگوں کی طرح خاندان کی ہر تقریب میں حضرت سہارنپوری کی شرکت بھی ضروری سمجھی جاتی تھی اور حضرت بہت شوق کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اس تعلق اور یگانگت کی بنا پر اس نیاز مند پر خصوصی بزرگانہ شفقت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے بارہا ان بزرگواروں کی زبانِ مبارک سے یہ فقرہ سنا کہ تم تو اپنی اولاد اور اپنے بچے ہو" جس کی جھلک آئندہ واقعات میں نمایاں نظر آئے گی۔

حضرت امی بی صاحبہ کا یہ بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ بینائی جاتی رہی تھی اس لئے گھر کا کام وکاج سب چھوڑ دیا تھا اور پلنگ اور چوکی اُن کی آرام گاہ اور نشست گاہ تھی بیشتر وقت نماز میں گزرتا تھا اور نماز اتنی طویل ہوتی تھی، کہ شروع ہونے کے بعد کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی۔ معمول تھا کہ سورج نکلنے کے بعد اشراق کی نماز شروع ہوتی تھی۔ نماز اشراق کے ختم ہونے کے تھوڑی دیر بعد چاشت کی نماز شروع ہو جاتی تھی۔ پھر کھانا کھا کر آرام فرماتی تھیں: اول وقت ظہر کی نماز شروع کرتیں، اور اس کے اختتام پر عصر کا وقت قریب ہوتا تھا، غرض نمازوں کے درمیان بہت کم وقت بچتا تھا اور جو وقت بچتا تھا وہ اوراد و وظائف میں گزرتا تھا یا کچھ دیر آرام فرماتی تھیں۔ اور یہی روزانہ کا

معمول اور دستور تھا۔ نماز شروع کرنے کے بعد پھر وہ دنیا اور مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتی تھیں اور محویت و استغراق میں کسی بڑے سے بڑے حادثہ کی بھی خبر نہ ہوتی تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے امی بی کی نماز کی جھلک حضرت گنگوہی کی نمازیں دیکھی اور بس۔ پانی کی گھڑیا پاس رکھی رہتی تھی اور ہر نماز کے بعد اس میں پھونک مارا کرتی تھیں جس کو حاجت مند لوگ لے جاتے تھے اور دن بھر آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا وہی پانی ہر مرض کی دوا تھا اور ہر مریض کے لیے پیغام شفا تھا۔

حضرت امی بی صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے باوا جی نے سات سال کی عمر میں خود بیعت کیا اور نوافل مسنون اور اوراد وظائف مسنون بتلائے اور رمضان المبارک میں گھر کے گوشہ میں اعتکاف میں بٹھایا اس کے بعد سے آج تک میں اُن کی پابند ہوں۔ فرمایا کرتی تھیں کہ میں ہمیشہ ہانڈی چولھے پر چڑھا کر نماز شروع کر دیتی تھی اور جب نماز ختم کر کے دیکھتی تو وہ جلی ہوئی کوئلہ پاتی تھی۔ اسی لئے پھر خود پکانا چھوڑ دیا۔

نمازوں کے اوقات کی اس قدر شناخت تھی کہ بلا کسی گھڑی یا گھنٹے کے جہاں نماز کا وقت آیا اور وہ خود بخود نماز کے لیے بے تاب ہوئیں کسی دوسرے کو نماز کے لئے کہنے کی نوبت نہ آتی تھی خود ہی فرمایا کرتیں کہ اری مجھے نماز پڑھوا دو۔" رمضان المبارک میں سب سے پہلے افطار انہی کے یہاں ہوتا تھا اور سب سے آخر میں سحری بند ہوتی تھی۔ گھر والے ان سے پوچھ کر افطار کرتے اور ان کے روکنے پر بند کرتے تھے۔ بعض دفعہ کوئی پوچھتا کہ امی بی اگر وقت ہو تو پانی پی لوں! وہ فرماتیں اگر کٹورہ ہاتھ میں ہو تو پی لے اتنا وقت نہیں کہ تھال میں سے لے کر پیوے۔

سادہ لباس اور موٹے کپڑے پہنتی تھیں اور جو کچھ کھانے کے لئے

لاکر رکھ دیا جاتا تھا اسی کو تناول فرما لیا کرتی تھیں۔ اکثر یہ ہوتا تھا جب کھانا آتا تو نماز میں مشغول ہوتیں اور کھانا ان کے پاس رکھ دیا جاتا تھا جب کبھی نماز سے فراغت ہوتی تو جس حالت میں بھی ٹھنڈا یا گرم کھانا ہوتا ویسا ہی حسب خواہش کھا لیتی تھیں اور اگر کبھی کوئی کھانا رکھنا بھول جاتا تھا تو وہ خود بھی کھانا کھانا بھول جاتی تھیں اور کبھی از خود کھانا نہ مانگتی تھیں اور فرمایا کرتیں کہ سبحان اللہ اور الحمدللہ سے میری بھوک اور پیاس جاتی رہتی ہے۔

زہد و تقوےٰ کا یہ حال تھا کہ کبھی والد صاحب اور تایا صاحب اور ماموں صاحبان کی آمدنی کا پیسہ نہ کھایا اور نہ اپنے کام میں لگایا کہ انگریزی ملازمت کا پیسہ مشتبہ مال ہے اپنا گذر صرف اسی آمدنی پر کرتی تھیں جو والد بزرگوار اور خاوند سے ترکہ میں ملی تھی اور جو کچھ یہ صاحبان دیتے تھے صدقہ و خیرات کر دیتی تھیں۔

داد و دہش اور جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ اگر قارون کا خزانہ بھی اُن کے سامنے ڈال دیا جاتا تو شام تک بے دریغ خرچ کر ڈالتیں۔ ہمیشہ کا معمول تھا کہ گیہوں سے بھرا ہوا تسلہ پلنگ کے نیچے رکھا رہتا تھا اور جو بھی غریب آتی اس کو اس میں سے حسبِ ضرورت دیا جاتا، جب خالی ہو جاتا تو اور بھروا لیا جاتا تھا۔ آخر زمانے میں جب گھر والوں نے اس کو بند کر دیا اور فضول خرچ سمجھا تو دن بھر حسب عادت خالی دو ہتڑ دیتی رہتی تھیں گویا اناج لے کر کسی کو دے رہی ہیں۔ اِس انتظام کے بعد سے گھر کی خیر و برکت جاتی رہی اور برابر آمدنی گھٹتی ہی چلی رہی۔

ہمشیرہ یعنی والدہ فرید بیان کرتی ہیں کہ امی بی فرمایا کرتی تھیں کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ یہ سب زمینیں بے کار ہو جائیں گی اور ہاتھوں میں صرف کاغذ رہ جائیں گے خاتمہ زمینداری کے بعد یہ بھی دیکھ لیا، زمین و جائداد سب غائب ہاتھوں میں صرف بونڈ کے کاغذ رہ گئے۔ اس کے علاوہ بھی حضرت امی بی صاحبہ کے مکاشفات اور کرامات بہت ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز

کرتا ہوں۔

دادی صاحبہ کو مجھ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ "مجھے اپنی اولاد میں سب سے زیادہ پیار اختر میاں اور تیرے پر آتا ہے" جب میری آواز کان میں پڑتی چوکنا ہو کر فرماتیں "بلائیو احتشام کی آواز ہے" اور بلا کر پیار کرتیں اور شفقت کے ساتھ سینے سے لگاتیں۔ خصوصاً میرے نظام الدین جانے کے بعد تو یہ شیفتگی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ گویا میرا عربی پڑھنا ان کی دلی آرزو اور اصلی مراد تھی جو پوری ہو گئی۔

۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۸ر جون ۱۹۲۴ء بروز یکشنبہ وفات پائی۔ رحمہا اللہ رحمۃ واسعۃ۔ میں اس وقت نظام الدین تھا۔ انتقال کی خبر پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح کے ہمراہ کاندھلہ پہنچا۔ حضرت موصوف نے فرطِ تعلق کی بنا پر وہ کوٹھری کھلوائی جس میں امی بی کا قیام تھا اور اس خیال سے کہ پیشاب پاخانہ کی بدبو کی وجہ سے متعفن ہو گی بند کر دی گئی تھی۔ اس کو کھولا تو ایک خاص قسم کی خوشبو اور مہک محسوس ہوئی۔ جو ہفتوں تک باقی رہی۔ امی بی کی اولاد کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آئے گا انشاء اللہ

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب رح

حضرت مفتی صاحب اپنے بھائیوں میں عمر میں، علم و فضل میں اور شہرت و مقبولیت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا تذکرہ مقدم ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ ان کا تذکرہ اور ان کی اولاد کا سلسلہ طویل

۱؎ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب برادر ہیں اور کاندھلہ میں سب موصوف کو اسی نام سے یاد کرتے تھے ۱۲ منہ

تھا۔ اس لئے اس مقدم کو مؤخر کر دینا پڑا اور ان کے ان چھوٹے بھائیوں کا تعارف اور تذکرہ جو اب تک مشہور و معروف نہ تھے اجمال اور اختصار کے ساتھ منظر عام پر آ گیا فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

ولادت اور تعلیم و تربیت

۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد مولینا شیخ الاسلام صاحب اور مولانا محمد مدرس صاحب کی کی آغوش شفقت میں ناز و نعم کے ساتھ پرورش پائی۔ بہت کم عمر میں قرآن شریف شروع کیا اور بہت جلد ختم کر لیا، پھر ان بزرگواروں سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کی اور چودہ سال کی عمر میں تمام ضروری متداول علوم کے حصول سے فراغت پائی۔ لیکن آپ نے اس پر قناعت نہ فرمائی اور ان بزرگو ں سے اجازت لے کر والد ماجد کے ہمراہ دہلی پہنچے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی جو اس وقت علوم منقول اور معقول کا واحد مرکز سمجھے جاتے تھے اور علم طریقت و معرفت کا آخری ماوا و ملجا تھے، کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور تین سال حصول علم میں مشغول رہے۔ اور تمام علوم ظاہری اور باطنی سے آراستہ ہوئے۔ فراغت کے وقت داڑھی اچھی طرح نمودار نہ ہوئی تھی اور اس وقت ۱۷ سال کی عمر تھی۔ آپ کی ذکاوت و ذہانت خاندانی شرافت اور اعلیٰ قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب کی آپ پر خصوصی شفقت اور عنایت رہتی تھی اور آپ کا حضرت شاہ صاحب کے ممتاز اور مایۂ ناز شاگردوں میں شمار ہوتا تھا

(از حالات مطبوعہ بر اختتام مثنوی مولانا روم)

حضرت شاہ عبدالعزیز رح نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے شاگردوں میں تین آدمی نہایت لائق اور عمدہ ہوئے۔ مولوی رفیع الدین اور مولوی الٰہی بخش اور کلکتہ میں مولوی مراد علی لیکن انھوں نے پڑھنے پڑھانے کا شغل چھوڑ دیا ہے۔ تجارت کرتے ہیں۔ (تذکرہ عزیزیہ صہ ۷۹)

حضرت شاہ صاحبؒ کے درس کا طریقہ یہ تھا کہ اول خود مسئلہ کی تحقیق و تشریح فرمایا کرتے تھے اس کے بعد پھر اگر کوئی طالب علم کوئی سوال کرتا تھا تو ان تینوں نامور شاگردوں میں سے کوئی صاحب اس کا جواب دیتے تھے اور مسئلہ کی مزید توضیح کرتے تھے۔ اگر ان صاحبان میں کسی سے وہ خدشہ دور نہ ہوتا تھا یا خود ان میں سے کسی صاحب کو کوئی شبہ ہوتا تھا تو پھر حضرت شاہ صاحب دوبارہ مسئلہ کی وضاحت فرمایا کرتے تھے اور بات کو ایسی منقح اور صاف فرما دیتے تھے کہ کسی کو کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ نواب ضابطہ خاں مرحوم نے حسن عقیدت اور خلوص ارادت کی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کو اپنے گھر مدعو کیا حضرت شاہ صاحب نے منظور فرما لیا اور بزرگانہ شفقت اور غایت تعلق کی وجہ سے مفتی صاحب کو اپنے ساتھ دعوت میں لے گئے۔ نواب صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی انتہائی تعظیم و تکریم کی بعض علماء حاضرین دعوت اس اعزاز و اکرام کو برداشت نہ کر سکے اور حضرت شاہ صاحب کو تنہا پاکر موقع کو غنیمت جانا اور علمی مباحثہ شروع کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب سمجھ گئے کہ ان کا مقصد اس وقت تحقیق حق نہیں بلکہ محض مجادلہ اور مکابرہ ہے۔ اس لئے خود تو خاموش رہے اور مفتی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ ان کے سوالات کا جواب دو۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ان کے سوالات اور اعتراضات کے اس خوبی اور خوش اسلوبی سے جوابات دیئے کہ تمام ساکت و صامت اور دنگ و حیران رہ گئے حضرت شاہ صاحب اور دیگر علماء کرام مفتی صاحب کی کمال استعداد اور ذہانت خداداد اور حسن گفتار پر بہت خوش ہوئے اور آفرین و شاباش دی۔ خصوصاً نواب ضابطہ خان صاحب تو مفتی صاحب پر فریفتہ ہو گئے اور انتہائی لجاجت اور اصرار کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں درخواست کی کہ مفتی صاحب کو ان کے یہاں مستقل قیام کی اجازت

دے دی جائے - ان کے باربار اصرار اور غایت اشتیاق پر حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ابھی یہ تحصیل علوم اور تکمیل فنون میں مشغول ہیں - فراغت کے بعد تمہارے سپرد کر دوں گا - چنانچہ تکمیل کے بعد حضرت شاہ صاحب کے حکم سے حضرت مفتی صاحب نے نواب ضابطہ خان صاحب کے پاس قیام کیا اور درس و افتار کا کام بحسن و خوبی انجام دیا -

حضرت مفتی صاحب جب تمام علوم کی تکمیل سے فارغ ہو گئے تو حضرت شاہ صاحب نے مزید پختگی کے خیال سے اپنی نگرانی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کرا دیا اور حضرت مفتی صاحب نے تمام کتابوں کو حضرت شاہ صاحب کی موجودگی میں پڑھایا خود حضرت شاہ صاحب بہ نفس نفیس سبق کے وقت تشریف فرما ہوتے تھے - اور بغور مفتی صاحب کی تقریر اور طرز تدریس کو ملاحظہ فرماتے تھے - اسی دوران میں فتوے نویسی کی بھی مشق کراتے تھے اور استفسارات حضرت شاہ صاحب کے پاس آتے تھے، ان کے جوابات حضرت مفتی صاحب سے لکھوا کر بغور ملاحظہ فرماتے تھے - جب ہر طرح سے حضرت شاہ صاحب کو اطمینان ہو گیا اور حضرت مفتی صاحب کے فضل و کمال پر پورا اعتماد ہو گیا - تب اپنے سے رخصت فرمایا تاکہ دوسری جگہ بطور خود درس و تدریس اور افتار کا کام انجام دیں اور دین برحق کی خدمت میں مشغول ہوں اور مخلوق خدا کو فیض پہنچائیں (از حالات مطبوعہ براختتام)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ نے رخصت کے وقت حضرت مفتی صاحب کو اجازت نامہ عطا فرمایا اس کی نقل حسب ذیل ہے -

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی حبیبہ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ واصحابہ الذین فازوا من الھدیٰ بالحظ الادنیٰ - وبعد فیقول العبد الملتمس رضوان اللہ عبدالعزیز

ابن الشيخ العارف الكامل المحدث الحافظ و
المحقق الحاذق سند الوقت الشيخ ولی اللہ بن
العارف الكامل الشيخ عبد الرحيم الفاروقی
الدهلوی ان اخانا فی الدين ومخلصنا من بين
الطالبين الشيخ الهی بخش بن الشيخ الطبيب
شيخ الاسلام بن سولوی قطب الدين الصديقی الکاندهلوی
لما تلمذ عندی يد راسه صغار الکتب الی کبارها و
مبادی نسخ التحصيل الی اواخرها ولاح فيه آثار
جودة الفهم والحفظ وضبط الاصول والفروع و
استحضار المنقول والمعقول فاشتغل عندنا
بعلم الحديث وقرء علی المشكوة المصابيح و
الجامع الصحيح للبخاری وسمع علی الجامع
الترمذی وبعض الصحيح للمسلم بقراءة الاخ الاعز
العالم الورع الشيخ محمد رفيع الدين وسمع المصابيح
بقراءة الاخ الارشد العالم الصالح الشيخ عبد القادر
وقرء عليه سنن ابی داؤد فعرف معانی المتون و
دقائقها واصطلاحات الحديث واحوال
اسانيدها حتی تيسر له ملكة التقاة المطالب
من الشروح والحواشی بحيث يعتمد علی فهمه
ويقبل ما صدر من رايه وصار بحمد اللہ فاضلا
جيداً وعالما بارعاً ذا التقوی وصلاح وخشية من
اللہ ومحبته والاستقامة فی شريعته واهلاً
لان يعتمد علی فتاويه واجوبته مع فضائل آخر

رحمہ اللہ تعالیٰ من حسن الاخلاق وطیب الشیم وطلب منی اجازۃ روایۃ الکتب المشہورۃ من فن الحدیث فاجزت لہ بتدریس تلک الکتب اجازۃ صحیحۃ مبارکۃ لنشر العلوم واقامۃ السنۃ واحیائہا بالشروط المعروفۃ عند اہل الحدیث الی آخرہ (ثم ذکر الشیخ اسانیدہ المعروفۃ)

ترجمہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ حبیبہ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ واصحابہ الذین فازوا من الھدیٰ بالحظ الاوفیٰ۔

اما بعد کہتا ہے بندہ رضاء الٰہی کا متلاشی عبد العزیز بن شیخ عارف کامل محدث حافظ محقق حاذق سند وقت شیخ ولی اللہ بن عارف کامل شیخ عبد الرحیم فاروقی دہلوی کہ ہمارے دینی بھائی اور مخلص ترین شاگرد شیخ الٰہی بخش بن شیخ حکیم شیخ الاسلام بن مولوی قطب الدین صدیقی کاندھلوی نے جب میری شاگردی کی اور چھوٹی کتابوں سے لے کر بڑی تک اور درس کی ابتدائی سے لے کر آخر تک سب پڑھ لی اور ان میں جودۃ فہم اور جودۃ حفظ اور اصول و فروع کے ضبط اور منقول و معقول کے استحضار کے آثار نمایاں ہو گئے۔ تب علم حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے اور مشکوٰۃ المصابیح اور امام بخاری کی جامع صحیح کی مجھ پر خود قرأت کی اور جامع ترمذی اور بعض صحیح مسلم کو سنا جس کو میرے عزیز ترین بھائی عالم متقی شیخ محمد رفیع الدین نے قرأت کیا۔ اسی طرح

مصابیح کو سُنا اور برادر ارشد عالم صالح شیخ عبد القادر نے قرارت کیا اور برادر مذکور سے سنن ابی داؤد پڑھی۔ اور متون کے معانی اور دقائق و حقائق اور حدیث کی تمام اصطلاحات اور اسانید کے تمام احوال کو بخوبی پہچان لیا حتیٰ کہ شروح و حواشی سے اخذ مسائل کا ایسا ملکہ حاصل ہو گیا کہ ان کی سمجھ پر اعتماد کیا جائے اور ان کی رائے کو قبول کیا جائے اور بحمد اللہ بڑے جید فاضل اور متبحر عالم ہو گئے۔ تقویٰ اور صلاحیت والے۔ اللہ تعالےٰ کے خوف و خشیہ اور الفت و محبت والے اور اسی کی شریعت پر مستقیم رہنے والے۔ اور اس بات کے اہل اور لائق ہو گئے کہ ان کے فتاوے اور جوابات پر ہر طرح اعتماد اور بھروسہ کیا جائے۔ مع ان دیگر فضائل اور محاسن کے جو اللہ تعالےٰ نے ان کو عطا فرما رکھے ہیں حسن اخلاق اور پاکیزہ سیرت وغیرہ سے اور مجھ سے فن حدیث کی مشہور کتابوں کے روایت کرنے کی اجازت طلب کی۔ پس میں نے ان کو ان کتابوں کے پڑھانے کی اجازت دی۔ وہ اجازت جو بالکل صحیح درست بابرکت ہے تاکہ علوم پھیلیں۔ سنت نبویہ قائم اور زندہ ہو۔ مع ان شروط کے جو اصحاب حدیث کے نزدیک معتبر اور معروف ہیں۔"

(اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے اپنی حدیث کی تمام اسانید کو ذکر فرمایا ہے جو مشہور و معروف ہیں۔)

خط کشیدہ الفاظ سے حضرت مفتی صاحب کی فضیلت و منقبت اور رفعت و عظمت بخوبی ظاہر ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے قلب مبارک میں ان کی کس قدر قدر و منزلت تھی۔

اس سند سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ شاہ رفیع الدین صاحب

اور شاہ عبدالقادر صاحب مفتی صاحب کے تعلیم حدیث میں ہم سبق ساتھی تھے بعض کتب حدیث کی مفتی صاحب نے قرأت کی اور ان حضرات نے سماعت اور بعض کتب حدیث کی ان حضرات نے قرأت کی اور مفتی صاحب نے سماعت دوسرے یہ کہ حضرت مفتی صاحب نے سنن ابی داؤد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھی۔

حضرت مفتی صاحب علم حدیث پڑھنے سے پہلے دیگر علوم و فنون میں مہارت تامہ اور ملکۂ راسخہ حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ جو کتابیں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے پڑھی ان کی تفصیل اپنی قلمی بیاض میں تحریر فرمائی ہے جو کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھی نہیں گئی۔ ان میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں: ہدایہ، شرح وقایہ، توضیح تلویح، کنز الدقائق، حسامی، الحصن الحصین۔

فن طب پورا کا پورا اپنے والد بزرگوار مولانا حکیم شیخ الاسلام صاحب اور جد بزرگوار سے حاصل کیا جو اس خاندان کا موروثی حصہ تھا، اور مولانا حکیم محمد اشرف صاحب بن شیخ جمال محمد صاحب کے زمانے سے نسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا

روحانی شاگردی | حضرت مفتی صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات کو خواب میں دیکھا کہ وطن کی کسی مسجد میں ہوں اور عصر کی نماز کے لئے وضو کر رہا ہوں۔ اتنے میں ایک شخص گندمی حسین چہرہ درمیانہ قد نے وضو کیا اور مسجد میں جوزانو بیٹھ گیا۔ میں نے جب ان کے چہرے پر فیوض و برکات کے آثار دیکھے تو لوگوں سے اُن کے متعلق دریافت کیا مجھے بتایا کہ یہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں فوراً خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور کمال خضوع اور انتہائی ادب کے ساتھ بیٹھ گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ایک کتاب نکالی جو ایک لمبی بیاض تھی سُرخ چمڑے کی

کی جلد بندھی ہوئی اور مجھے عطا فرما کر ارشاد فرمایا پڑھو میں نے تعمیل حکم کی اور میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ مقصد مبارک کیا ہے ؟ کتاب کو جب کھولا تو اول ورق میں تفسیر سورۂ فاتحہ تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو یا تین سطریں پڑھائیں اور فرمایا دوسری جگہ سے کھولو۔ میں مقصد کو نہ سمجھا مگر تعمیل کی اور کتاب کو دوسری جگہ سے کھولا تو وہ طب کی کتاب تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے بھی مجھے دو یا تین سطریں پڑھائیں پھر آنکھ کھل گئی میں اس وقت نحو میں رسالہ مصباح پڑھتا تھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ مجھے علم کی دولت عطا ہو گی اور اس یقین کے مطابق واقع بھی ہو گیا لیکن مجھے حق تعالےٰ کی ذات سے اُمید قوی ہے کہ مجھے طب اور تفسیر میں وہ مہارت حاصل ہو گی جو تحریر و تقریر میں نہ آسکے حق تعالےٰ اپنے حبیب کی برکت سے ان علوم سے وہ کمال عطا فرمائے جس سے دوسرے لوگ قاصر ہوں وصلی اللہ علی الحبیب محمد و بارک وسلم۔

وقد کنت عن ھذا اقلّ واحقرا　　وقد جاءت من المحبوب نحوی نعمۃ

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں مکہ معظمہ گیا ہوں اور بیت اللہ کے اندر داخل ہوں اور وہاں درمیان میں ایک کنواں ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبز یا سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تشریف فرما ہیں اور سر مبارک کنوئیں کی منڈیر سے ملا ہوا ہے مجھے اس زمانے میں اس بات کی تحقیق اور جستجو تھی کہ روایت من رآنی فی المنام فقد رآنی صحت کے اعتبار سے کس درجہ کی ہے ؟ اس لئے موقع کو غنیمت جان کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ حدیث آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی ہے اور درست ہے ؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں میں نے کہا ہے۔ اچانک آنکھ کھل گئی اور سخت ملال ہوا، اس خواب پر ہزار بیداری قربان ہے

مگر بخواب برروئے تو واشود چشمم　　خدا کند کہ بخواب آشنا شود چشمم

کہ بینم در روے آں ماہ جہاں تابا　　نشان بخت بیداری ست آں خواب

مولانا سلیمان صاحب نے اختتام مثنوی پر حضرت مفتی صاحب کے حالات میں درج کیا ہے کہ حضرت مفتی صاحب۔ ایک مرتبہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک کتاب عطا فرمائی جو چار فن پر مشتمل تھی۔ فن اول علم قرآن مجید و تفسیر و حدیث فن دوم سیرت و فقہ، فن سوم علم طب و حکمت، فن چہارم تصوف اور معرفت و طریقت اور ان چاروں علوم میں حضرت مفتی صاحب کو مہارت تامہ اور ملکۂ راسخہ اور ید طولیٰ کمال درجہ کا حاصل تھا۔

ممکن ہے کہ یہ وہ پہلی ہی خواب ہو جو مذکور ہوئی اور ہوسکتا ہے کہ یہ کسی دوسری خواب کا تذکرہ ہو جو میری نظر سے نہیں گزری اس لیئے کہ مفتی صاحب نے بہت کثرت کے ساتھ اپنے خواب تحریر فرمائے ہیں۔ اور بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے مشرف ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۰ جمادی الآخر ۱۲۳۰ھ جمعہ کی رات میں شہر امیر نگر میں اپنے حبیب و محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کمال حسن و جمال میں لباس فاخرہ زیب تن کئے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے حضور انورؐ سے مصافحہ کیا اور آپ نے تبسم فرمایا۔ میں نے دریافت کیا کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ ارشاد فرمایا "ہاں، میں تیرے سے راضی ہوں۔" میں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اس لئے کہ اس سے پہلے شہر خرجہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو گویا آپ مجھ سے ناراض تھے اور کوئی التفات نہ فرمایا تھا۔ اور میں نے آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اصل شکل و صورت میں دیکھا تھا۔ اب مجھے یقین ہوگیا کہ آپ نے اپنے لطف و کرم سے میری خطا کو معاف کر کے درگذر فرمایا۔ شاید یہ رضامندی اس اُردو قصیدہ کی بنا پر ہے جو میں نے ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے یا ان عربی اشعار کی بنا پر

پرہے۔ جن کو عربی میں کہا ہے۔

یا شفیع العباد خذ بیدی ۔۔۔ انت فی الاضطرار معتمدی
انت عاف ابن خلق اللہ ۔۔۔ ومقیل العثار وللدی
یارسول الالٰہ بابک لی ۔۔۔ من غمام المخموم ملتحدی

خداوندا تو مجھے توبہ اور شریعتِ محمدیہ اور تقوے پر حضور انورؐ کے طفیل سے استقامت عطا فرما اور صحیح رہنما کی طرف میری رہنمائی فرما ؎

درود بھیج خدایا رسول اکرم پر ۔۔۔ ہر اک نفس میں ہزاروں ہزار لاکھوں بار
ترے کرم نے کیا اس کو مہرباں مجھ پر ۔۔۔ کیا کرم سے مجھے اپنے اس کا تابعدار
سوا ترے نہ یہ عقدہ کسی سے کھلتا تھا ۔۔۔ کہاں کسی کی وہ مانے تھا نازنیں دلدار
(نشاط)

حضرت مفتی صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

میں نے دلائل الخیرات ایک منزل اور درود شریف اللّٰھم صل علی محمد النبی الامی وآلہ وبارک وسلم بارہ سو مرتبہ روزانہ کا التزام کر رکھا تھا۔ اس کی برکت سے ۲ صفر ۱۳۸۱ھ کو مقام کوٹہ میں خواب میں جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اگرچہ اس سے پہلے بھی بارہا بھوپال میں زیارت ہوئی مگر دیگر صلحاء اور اتقیاء کی صورت میں مگر آج حضور انور واطہر اپنی اصل شکل وصورت میں جلوہ فرما تھے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پاس بیٹھی تھیں میں اپنی والدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی طرف متوجہ ہوا۔ انہوں نے مادرانہ شفقت و مہربانی کے ساتھ فرمایا ایک پیسہ خیرات کرو۔ میں نے کہا بہت اچھا خیرات کرتا ہوں فرمایا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے کراؤ تاکہ زیادہ مفید اور مقبول ہو مجھے شرم محسوس ہوئی کہ ایک پیسہ کو حضور اقدسؐ کی خدمت میں کیا پیش کروں روپیہ کرنا چاہیے حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہی پیسہ دیدو۔ میں نے اسی وقت جو پیسہ میرے ہاتھ میں تھا۔ حضور اقدس کی خدمت میں پیش کیا۔ ارشاد نبوی صادر ہوا کہ صدقہ کردو۔ میں نے عرض کیا کہ صدقہ حضور اقدس

کے دست مبارک سے زیادہ مقبول ہوگا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اس کو اٹھایا اور فرمایا کہ اچھا میں صدقہ کردوں گا۔ میں نے اس وقت دست مبارک کو جو گلاب کے پھول کی طرح سرخ و نازک اور لطیف وصاف اور نرم تھا۔ بہت پیار کیے اور اپنی آنکھوں سے ملا۔ حتیٰ کہ میرا دل سیر و شاداب ہوگیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عجائبات قدرت | حضرت مفتی صاحبؒ نے دہلی کے زمانہ قیام کے چند عجیب و غریب واقعات بھی نقل کیے ہیں جن کو عبرت و بصیرت کے لیے درج کرتا ہوں۔

(۱) قدرت الٰہی کے عجائبات میں سے ہے کہ شاہجہاں آباد دہلی کے نواحی میں بیروں کے ایک باغ میں ایک درویش کا گذر ہوا۔ اس وقت بیر لگے ہوئے تھے اور پھل آرہا تھا۔ اس درویش نے باغبان سے بیر مانگے باغبان نے ترش روئی کے ساتھ کہا۔ یہاں بیری نہیں پتھر ہیں جی چاہے تو کھالے۔ درویش کو غصہ آگیا اور غضب ناک ہوکر کہا اگر پتھر ہیں تو پھل کے بجائے پتھر ہی اٹھانا یہ کہا اور چل دیا۔ اچانک باغبان کی نظر جب بیریوں پر پڑی تو تمام بیر پتھر بن چکے تھے۔ سخت افسوس کیا لیکن اب افسوس سے کیا فائدہ ہوتا تھا۔ لوگ حیرت و تعجب سے ان بیروں کو جو پتھر بن گئے تھے دوسری جگہ لے جاتے تھے اور زہر مہرہ کی طرح امراض میں کام میں لاتے تھے چنانچہ ان میں سے بادشاہ زماں شاہ عالم کے دربار میں بھی پہنچا۔ بادشاہ نے اس کو استاذ الاساتذہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی بارگاہ میں پیش کیا اس وقت اس بندہ گنہگار نے بھی اس کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا۔ بڑے سوکھے ہوئے بیر کی برابر سخت پتھر تھا جو دیکھنے میں بالکل بیر معلوم ہوتا تھا اوپر سے گدلا اور اندر سے سفید اصلی بیر سے امتیاز مشکل سے ہوتا تھا۔ انّ اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

(۲) قدرت کے عجائب میں سے ۱۱۹۸ھ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ غوث گڑھ کے ایک خاص محلہ میں جو ہر نوع کے مناہی اور منکرات سے محفوظ تھا۔ بارش کی طرح سُرخ خون آسمان سے برسا۔ اور اس کے قطرے سرخ دالوں کی طرح بکھر گئے مسجد کے گنبد اور مینار پر بھی وہ قطرے پائے جاتے تھے۔ عقلائے زمانہ نے بہت غور کیا مگر اس کی غایت و حقیقت کو نہ پا سکے۔

(۳) انہی ایام میں ظہر کے وقت کے قریب دفعتاً سیاہ پہاڑ کی طرح ابر کا ٹکڑا آسمان سے نمودار ہوا، اور ایک دم روئے زمین پر چھا گیا۔ خدا کی پناہ اس قدر سیاہی تھی کہ ہاتھ ہاتھ کو نہ پہچان سکتا تھا اور اس قدر تاریکی تھی کہ اس کے سامنے اندھیری رات کی بھی کوئی حقیقت نہ تھی، ہوا بالکل نہ تھی۔ درختوں کے پتے تک بے حس و حرکت تھے۔ دو گھنٹے کے بعد خدا کے فضل سے یہ ظلمت دور ہوئی اور آفتاب نمودار ہوا۔ پھر تین روز تک سرخ ریت صبح سے شام تک آسمان سے برستا رہا جو درختوں کے پتوں پر نمایاں طور پر محسوس ہوتا تھا۔ اس کے بعد بیس روز تک افق آسمان پر رات کو سرخی نمودار ہوتی رہی جس کے دیکھنے سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شاید کسی جگہ زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ یہ سب قدرت کے تماشے ہیں جو عبرت کے لئے دکھائے جاتے ہیں

(۴) شاہ جہاں آباد دہلی کے متصل ایک گاؤں میں شدید بارش اور کڑک کے درمیان ایک بہت بڑا پتھر آسمان سے زمین پر آکر پڑا۔ لوگوں نے حیرت و تعجب سے اس کو توڑ کر اس کے ٹکڑوں کو اطراف میں تحقیق و تفتیش کے لئے بھیجا۔ اس میں سے ایک ٹکڑا دہلی بھی لایا گیا۔ اس گنہگار نے بھی اس کو دیکھا۔ سیاہ مائل بہ سفیدی پتھر تھا، سیاہی میں سنگ موسیٰ سے کم اور سنگ بصری سے زائد تھا۔ جو ہم غافلوں کی تنبیہہ کے لئے قادر بیچون کے حکم سے روئے زمین پر آپڑا۔ شاید اجزاء دخانی اور اجزاء ہوائی نے مل کر احتراقی کیفیت پیدا کی اور منجمد ہو کر پتھر کی شکل میں منتقل ہو گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۵) ایک معتمد اور ثقہ آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دن شیخ ابوالحسن جھنجھانوی مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے خبر دی کہ جھنجھانہ کے قریب فلاں جنگل میں ایک شخص مردہ پڑا ہے۔ شاید کوئی مسافر ہے جس نے اس جنگل میں بیکسی کی حالت میں وفات پائی۔ شیخ رحمۃ اللہ اپنے مریدوں اور تجہیز و تکفین کے سامان لے کر اس مردہ کے پاس پہنچے اور اس کی تجہیز و تکفین کا ارادہ کیا ہر چند اس کو اس جگہ سے اُٹھانا چاہا مگر اس نے ذرا جنبش نہ کی سب حیران تھے کہ آخر اس میں کیا بھید ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ اچانک وہ مردہ اُٹھا اور جو گدڑی سر کے نیچے رکھی ہوئی تھی کاندھے پر ڈال کر چل دیا۔ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ کی طرف دیکھا، اور ہنس کر کہا ایک زمانہ سے اس خطہ کی تعریف سنتا تھا۔ بہت مشتاق ہو کر جی چاہا کہ اسی جگہ مروں لیکن جب یہاں کے لوگ چین نہیں دیتے تو مجبوراً جاتا ہوں کسی دوسری جگہ جا کر مروں گا اور اتنا تیز رفتاری کے ساتھ گیا کہ کوئی اس کا تعاقب نہ کر سکا۔

زندہ جاں را مردہ کن پیش خدا ۔۔۔ تلخی مردن شود آساں ترا

ہر کہ یک جاں در رہش قرباں کند ۔۔۔ صد ہزاراں جاں خدا اورا دہد

گر بمی میری اجل میراندت ۔۔۔ بے سر و پا زیں جہاں میراندت

در جہاں چوں مرگ را من زادہ ام ۔۔۔ ار چہ او دل را بدنیا دادہ ام

آہ اے غفلت خرابم کردہ ئی ۔۔۔ از تو دل خون شد کبابم کردہ ئی

نواب ضابطہ خاں مرحوم سے تعلق

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ عالی سے تکمیل و فراغت کے بعد شاہ صاحب موصوف کے فرمان اور حکم سے حضرت مفتی صاحبؒ نواب ضابطہ خاں کے یہاں منتقل ہو گئے، اور ایک عرصہ تک ان کی قیام گاہ پر افتار کی خدمت انجام دی۔ اس دوران میں درس و تدریس کا فیض بھی برابر جاری تھا اور جو طلباء استفاضہ اور استفادہ کے لئے دوسرے مقامات سے آئے ہوئے تھے ان کے تمام خوراک و پوشاک اور دیگر ضروریات کے مصارف نواب صاحب نے اپنے ذمہ لے رکھے تھے تاکہ اس فیضان الٰہی میں

کسی قسم کی کمی اور تنگی نہ ہو، ابتدار میں ان طلبار کی خورونوش کا انتظام ملازمین کے سپرد تھا، جو بہت بے پروائی اور بے احتیاطی برتتے تھے اور کھانا اچھا تیار نہ کرتے تھے۔ شوربا اکثر پتلا ہوتا تھا جس کی طلبار کو شکایت تھی۔ ایک مرتبہ طالب علموں میں جھگڑا ہوا کہ اس شوربہ سے وضو جائز ہے یا نہیں۔ بعض کہتے تھے کہ جب اس کا رنگ اور بو مزہ نہیں بدلا اور مائیت غالب ہے تو وضو درست ہے، اور بعض کہتے تھے کہ جب نام بدل گیا اور غذائیت آگئی تو اب اس سے وضو درست نہیں۔ جب یہ نزاعی مسئلہ باہم طے نہ ہوا تو ایک دن اثنار درس میں حضرت مفتی صاحب کے سامنے پیش ہوا۔ نواب صاحب مرحوم درس میں موجود تھے، اس واقعہ کو سُن کر بہت شرمندہ ہوئے اور کھڑے ہو کر نہایت عاجزی کے ساتھ سب سے معافی چاہی اور آئندہ کے لئے حکم دے دیا کہ طلبار کا کھانا علیحدہ نہ پکایا جائے بلکہ جو کھانا نواب صاحب کے لئے تیار ہوتا ہے۔ اسی میں سے طالب علموں کو بھیجا جائے اور اس کی نگرانی خود شروع کردی۔ کبھی کبھی کھانے کو خود ملاحظہ کرتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی طالب علموں کے ساتھ ہی کھانا تناول کرتے تھے۔

نواب صاحب ہمیشہ حضرت مفتی صاحب کے درس میں شامل ہوتے تھے اور نیاز مند اور سعادت مند شاگردوں کی طرح استاد کا کمال ادب و احترام اور تعظیم و تکریم کرتے تھے نواب صاحب موصوف کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادہ نواب شائستہ خاں نے بھی حضرت مفتی صاحب کی تعظیم و تکریم میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ مگر جس قلبی تعلق کی بنا پر مفتی صاحب نے قیام فرما رکھا تھا اس کے فقدان کی وجہ سے اس ظاہری تعلق کو قطع فرمادیا (حالات بر اختتام)

بھوپال کا قیام دہلی کے بعد ریاست بھوپال کی استدعا اور خواہش پر حضرت مفتی صاحب بھوپال تشریف لے گئے اور "عہدہ افتار" پر جلوہ افروز ہوئے یہاں بھی درس و تدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا اور تشنگانِ علوم اس سرچشمہ فیضِ الٰہی سے فیض یاب اور سیراب ہوتے رہے۔ حضرت مفتی صاحب عرصہ دراز تک

عہدۂ افتاء پر مقرر رہے، پھر اس عہدے کو چھوڑ کر اپنے وطن کاندھلہ میں قیام فرمایا لیکن ریاست سے برابر تعلق قائم رہا اور آپ نے بار بار بھوپال کا سفر فرمایا۔ کتاب شیم الحبیب فی خصائل النبی الحبیب سیرت پاک میں اور کتاب جوامع الکلم علم حدیث میں ۱۳۰۹ھ میں بھوپال کے ایک سفر میں تصنیف فرمائی مذکورہ دونوں رسالے عربی میں ہیں۔ پہلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات وخصائل کا نہایت جامع تذکرہ ہے۔ اندازِ بیان سادہ اور فصیح و بلیغ ہے۔ دوسرے میں پانچ چہل حدیث ہیں یعنی دو سو مختصر احادیث نبوی کا ذخیرہ جن کو صحیحین اور جامع ترمذی سے نقل کیا ہے۔ اگر ان دونوں رسائل کو ابتدا میں طالب علم کو پڑھا دیا جائے تو اس کو سیرت و حدیث سے بخوبی واقفیت اور علم و ادب سے کافی مناسبت حاصل ہو جائے۔

شیطان سے مباحثہ | حضرت مفتی صاحبؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ بھوپال میں شیطان کو خواب میں دیکھا اور اس سے یہ مباحثہ ہوا۔

شیطان ۔ تم خدا کے خالق ہونے کے قائل ہو؟

مفتی صاحب ۔ ہاں، ضرور۔

شیطان ۔ کیوں؟

مفتی صاحب۔ اس لئے کہ حوادثات جو روزمرہ واقع ہو رہے ہیں وہ ایک دوسرے کو پیدا کرنے کی صلاحیت اور قابلیت نہیں رکھتے یقیناً ان ممکنات کے علاوہ کوئی قادرِ مطلق مختار خود قدیم ذات موجود ہے جس نے اس جہان کو اِس نادر عمدہ اور مستحکم اور مضبوط نہج پر سجایا اور پیدا کیا ہے۔

شیطان ۔ اس جہان میں بہت امور ہیں جو چوپاؤں اور جانوروں اور نباتات سے ان کی بے شعوری اور ناواقفیت کے باوجود سرزد ہوتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ یہ مقتضائے طبیعت ہیں جیسا کہ مکڑی کس قدر

خوب صورتی اور عمدگی کے ساتھ اپنے گھر کے گوشوں کو بناتی ہے۔ باوجودیکہ اس کو قدرت و شعور کچھ بھی نہیں اسی طرح عالم کے تمام حوادث اور عجائب مقتضائے طبیعت کے موافق ظاہر ہوتے اور مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔

مفتی صاحب۔ اول تو ہم کسی چیز اور کام کو غیر خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے جو کچھ ہوتا ہے وہ وہی کرتا ہے، اور جو کچھ تم نے کہا یہ گمراہ فلسفیوں کا باطل خیال ہے۔ دوسرے یہ کہ طبیعت کے لئے بھی خالق کا ہونا ضروری ہے جس نے طبیعت کو یہ استعداد اور صلاحیت دی کہ وہ عجیب و غریب شکلیں اختیار کر سکے۔ باوجودیکہ وہ بالکل بے شعور اور بے وقوف ہے۔ جیسا درخت نیچے سے اگتا ہے اور کس عجیب و غریب انداز سے آسمان کی جانب جاتا ہے۔ اگر یہ فرض محال یہ طبیعت ہی کا تقاضا ہے تو طبیعت کو یہ صلاحیت اور استعداد کس نے دی۔ وہ بھی تو منجملہ دیگر اشیاء کے ایک شے ہے جو اپنے وجود میں سراسر محتاج ہے۔ پھر ان سب امور سے قطع نظر ہمارا اعتقاد حق تعالےٰ کی وحدانیت اور خالقیت پر ایسا مستحکم اور مضبوط ہے جو تیرے شک میں ڈالنے سے کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا، خواہ مخواہ تو اپنا وقت کیوں ضائع کرتا ہے

شیطان۔ اس لئے تاکہ اعتقاد خوب راسخ ہو جائے۔

مفتی صاحب۔ خدا کے دشمن تو جھوٹ بکتا ہے۔

شیطان۔ تمہارا علم تقلیدی، تمہارے علم استدلالی سے بہت کم ہے۔

مفتی صاحب۔ نہیں بلکہ میں ایسے صادق و مصدوق ؐ کا مقلد اور پیرو ہوں، جہاں خلاف کی گنجائش ہی نہیں اور استدلال میں ہمیشہ غلطی کا احتمال رہتا ہے جیسا کہ اکثر فلاسفہ کو پیش آتا ہے۔

شیطان۔ سائل کو مطمئن کرنا علماء محمدی کے لئے ضروری ہے تمہیں بھی مجھے

مطمئن کرنا چاہئے۔
مفتی صاحب۔ میں تجھے کس طرح مطمئن کر سکتا ہوں۔ میری پیدائش مٹی سے ہے اور تو آگ سے بنایا گیا ہے خود ابھی تو نے اقرار کیا ہے کہ خدا تعالےٰ نے میرا اور تیرا اور سب کا خالق ہے۔
شیطان۔ یہ تو میرے پر تہمت اور افترا ہے۔
مفتی صاحب۔ (غصہ کے ساتھ) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ کہنا تھا کہ شیطان موم کی طرح نرم ہو کر بھاگنے لگا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کیوں بھاگتا ہے اگر یہ کلام مجید افترا ہے تو کلمہ لاحول نے تجھے کس طرح بھاگنے پر مجبور کیا مگر شیطان گھبرا کر بھاگ گیا۔

کاندھلہ کا قیام | حضرت مفتی صاحبؒ نے بھوپال کو چھوڑ کر اپنے وطن کاندھلہ میں مستقل سکونت اختیار فرمالی۔ وطن کے علاوہ حضرت کا مستقل قیام صرف دہلی اور بھوپال رہا۔ البتہ بریلی، خورجہ، سہارنپور، خانپور، تھانہ بھون، امیر نگر وغیرہ مقامات پر بھی تشریف لے جانا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے کاندھلہ کے قیام میں مخلوق خدا کی خدمت کے چند شعبے اپنے ذمے لے لئے۔ شعبہ[۱] درس و تدریس۔ وعظ[۲] و تذکیر۔ فتاوی[۳] کے جوابات۔ مطب[۴] حاجتمندوں[۵] کو تعویذ و عملیات۔ تصنیف[۶] و تالیف جس میں آخر تک مشغول اور منہمک رہے۔
حضرت مفتی صاحبؒ نے کاندھلہ ہی کے قیام میں ۱۳۰۲ھ میں حضرت کعب صحابی رضی اللہ عنہ کے مشہور قصیدہ بانت سعاد کی شرح بھی لکھی ہے۔
یہ شرح حضرت مفتی صاحب کا ایک علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ اول حضرت کعبؓ کے شعر کا فارسی ترجمہ کیا ہے پھر اس کی عربی میں شرح کی ہے پھر اسی بحر میں فارسی اور اردو اور عربی شعر میں ترجمہ کیا ہے پھر شعر کی تشریح کر کے ان دونوں شعروں سے کوئی معرفت و حقیقت کا نکتہ اور دقیقہ نکالا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف پہلا شعر درج کرتا ہوں۔

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الیَومَ مَبتُول
مُتَیَّمٌ اِثرَھَا لَمْ یُفْدَ مَکبُول — کعب رض

(حضرت مفتی صاحب)

ترجمہ فارسی ؎ جدا سعاد ز من گشت و شد دلم بیمار
ذلیل در پئے او بے فدا مقید و زار

ترجمہ اردو ؎ فراق یار سے ہے آج دل مرا بیمار
نہیں امید خلاص اس کی قید سے زنہار

ترجمہ عربی ؎ نَاَتْ سعاد فبالی الآنَ مَجْزُول
مُتَیَّمٌ خَلْفَهَا لَمْ یُنْجَ مَحْبُولُ

والفقہ فیہا ان سعاد ھی الحقیقۃ الوجودیۃ المطلقۃ التی ھی منتہی السعادات و منبع الخیرات فان الوجود خیر و سعادۃ کلہ والمعنی احتجبت الانوار الحقۃ فی ظلمۃ الامکان وتلاشت الوحدۃ فی الکثرۃ وتطور الوجود الوجدانی الوجوبی باطوار مختلفۃ امکانیۃ فمن اختفاء الوحدۃ واحتجابہا تحت الشئون المتکثرۃ قلب الصوفی الصافی والعاشق الصادق سقیم مقطوع طالب للوصول الی اصلہ الذی ھاجر عنہ وھارب عن قید نشأۃ التعلق والتکثر ولکن لا یمکن الاستخلاص عن ھذا القید الا بعد الخروج عن جلباب البدن بمجاھدات تتعب ناقۃ البدن وتھزلہا وبالسیر والسہر لیلاً ونہاراً۔ وھذا اصل تاصلنا ہ لک لیتمکن بہ من الوصول الی رمز الامر وکنہ السر

اس شرح کو میں نے ۱۳۵۳ھ میں چھپوا دیا ہے جو اب کم یاب ہے حضرت مفتی صاحب نے بالکل اسی طرز پر قصیدہ بردہ کی شرح اور ترجمہ بھی کیا ہے جو

میری نظر سے نہیں گذرا۔

درس وتدریس حضرت مفتی صاحب کو علوم تفسیر، علوم حدیث، علم فقہ، علم سیر، علم تاریخ، علم کلام۔ علم اخلاق وتصوف۔ علم معانی بیان وبدیع علم عروض وقوافی، علم منطق وفلسفہ علم ریاضی، ہیئت، علم طب وحکمت، علم رمل وجفر، غرض تمام علوم میں پوری مہارت اور دسترس حاصل تھی اور آپ جملہ علوم وفنون کے مشکلات اور مغلقات کو بسہولت وآسانی حل فرما دیتے تھے۔ اس لئے ہر علم وفن کے طالبوں کا آپ کے یہاں اجتماع رہتا تھا اور آپ ہر فن کا درس دیتے تھے لیکن زہد وتقوے کے باعث میلان طبع دینیات کی طرف زیادہ تھا اور از خود کسی کو دیگر علوم کی ترغیب نہ دیتے تھے، از خود اگر کوئی طالب ہوتا تو آپ اس کو جواب دے کر محروم بھی نہ کرتے تھے۔ البتہ علم اخلاق وتصوف اور علم طب آپ کے یہاں داخل نصاب تھا اور ہر ایک طالب علم کو ان دونوں کی تعلیم ضرور دی جاتی تھی، تاکہ علم اخلاق سے اس کی عادت کی درستی ہو اور انسانیت رونما ہو جائے اور علم طب کے ذریعے حلال روزی کمائے اور گداگری اور پیشہ وری اور علم فروشی سے محفوظ رہے، علم اخلاق وتصوف میں فصوص الحکم اور مثنوی مولانا روم؎ کا درس ہوتا تھا اور علم طب کی ہر ایک کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے موافق تعلیم دیتے تھے اور فراغت کے بعد ہر ایک کی استعداد کے موافق اس کو مطب کا ایک دستور العمل لکھ کر دیتے تھے جس میں پوری ہدایات درج ہوتی تھیں تاکہ اُن سے تجاوز نہ کیا جائے

باقی علوم کی تعلیم میں آپ اپنے استاد حضرت شاہ عبد العزیز کے طرز تعلیم کی پیروی کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی تقریرات از بر یاد تھیں پہلے ان کو بیان فرماتے تھے اور ضرورت پڑنے پر مزید تشریح وتوضیح فرماتے تھے۔ طرز تعلیم وتفہیم اس قدر شیریں اور دل نشین ہوتا تھا کہ جو بھی ایک مرتبہ حلقہ درس میں داخل ہو جاتا تھا وہ بغیر تکمیل کئے نہ جاتا تھا۔ اگر کوئی جاہل اور ناواقف شخص بھی درس میں آکر بیٹھ جاتا تھا تو اس کا اختتام درس سے پہلے اُٹھنے کو جی نہ چاہتا تھا، اور اخیر تک

بیٹھا سنتا رہتا تھا۔

طلباء کی استعداد اور لیاقت کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور اس کی کوشش فرماتے کہ ہر طالب علم کو اس کی استعداد کے موافق ہر علم و فن سے حصہ وافر عطا ہو جائے اور کہیں خلا نظر نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگرد ہر علم و فن کے ماہر اور ممتاز نظر آتے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ بیان فرماتے ہیں کہ مفتی الٰہی بخش صاحب حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے۔ طلباء ان کے گرد بیٹھے تھے اور خود تخت یا پلنگ پر لیٹے تھے، اسی حالت میں درس حدیث ہو رہا تھا کہ حضرت دادا پیر صاحبؒ (غالباً حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ مراد ہیں) سبق سننے کے لئے تشریف لے گئے اور حلقہ درس میں بیٹھ گئے۔ مفتی صاحب گھبرا کر بیٹھ گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ جب حضرت کو دیکھا تو فرمانے لگے کہ شاہ صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ یہ انوار و برکات آپ کی تشریف آوری کی بدولت پیدا ہوئے ہیں۔ (شمائم امدادیہ صفحہ۱۳) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت مفتی صاحب کا حلقہ درس وسیع اور بے تکلف ہوتا تھا۔

وعظ و تذکیر | حضرت مفتی صاحبؒ وعظ بھی بیان فرماتے تھے اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ وعظ کہتے تھے کہ ہر عالم و عامی اپنی فہم و استعداد کے موافق فوائد حاصل کرتا تھا۔ اثنائے وعظ میں قصے اور حکایتیں بالکل نہ ہوتی تھیں۔ لیکن خوش بیانی اور باطن کی ترجمانی کے باعث قلوب کو متاثر اور مسخر کرتا تھا اور دل کی دنیا کی کایا پلٹ کر دیتا تھا ع

"ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد"

فتوےٰ نویسی | حضرت مفتی صاحب کا اہم اور ممتاز ترین مشغلہ ان استفسارات کے جوابات تھے جو اطراف و جوانب سے آپ کی خدمت میں آتے تھے اور یہ حضرت مفتی صاحب کا وہ علمی اور دینی کارنامہ تھا جس نے آپ کو عالم میں مشہور اور نمایاں بنا رکھا تھا۔ یہ استفسارات محض فقہی مسائل کے متعلق نہ ہوتے بلکہ تمام علوم و فنون

کے مشکلات اور مغلقات کو آپ سے حل کیا جاتا تھا اور علماء اور فضلاء زمانہ کے آخری مرجع شمار ہوتے تھے۔ اگر ان سب فتاوے اور جوابات کو یکجا جمع کیا جاتا تو یقیناً کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جاتیں اور ایک جامع العلوم کتاب مخلوق کے ہاتھ آجاتی مگر افسوس اس علمی ذخیرہ کی قدر نہ ہوئی اور بیشتر حصہ ضائع اور منتشر ہو گیا۔ جو کچھ باقی رہ گیا اگر اس کو بھی کوئی باہمت جمع کر دے تو ایک ایسا علمی خزانہ ہاتھ آجائے جس میں ہر علم و فن کی مشکلات اور مغلقات کا حل موجود ہے کہیں فقہی مسائل ہیں، کہیں تفسیر و حدیث کے مشکلات ہیں۔ کہیں معرفت و حقیقت کی تحقیقات ہیں اور کہیں معقولات کی تنقیحات ہیں۔ چونکہ بیشتر سوالات اور اشکالات علماء اور فضلاء کی جانب سے ہوتے تھے اس لئے جوابات بھی نہایت تحقیق اور تفتیش کے ساتھ لکھے جاتے تھے اور قوتِ حافظہ اور مہارت تامہ کی وجہ سے برجستہ اور قلم برداشتہ لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ دہلی میں علماء میں بعض مسائل پر گفتگو ہوئی اور باہم طے نہ ہو سکے۔ بادشاہ دہلی نے ان کو قلم بند کرا کر ایک شتر سوار کے ہاتھ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھیجا اور جواب طلب کیا۔ شتر سوار صبح کو دہلی سے چل کر معروزہ مغرب کے وقت کاندھلہ پہنچا اور لفافہ شاہی حضرت مفتی صاحب کے حوالے کیا جس میں متعدد مشکل سوالات تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے اسی وقت اس کا جواب مع کتابوں کے حوالوں کے تحریر فرمایا اور طلباء کے حوالہ کیا تاکہ ان کتابوں کے حوالوں کو اصل کتابوں سے منطبق کریں، مبادا کوئی کمی بیشی ہو گئی ہو اور خود کھانا کھانے گھر تشریف لے گئے۔ کھانے سے فراغت کے بعد آکر جب دیکھا کہ سب حوالے ٹھیک اور درست ہیں تو جوابات کو لفافے میں بند کر کے اسی وقت شتر سوار کے حوالے کر دیا۔ شتر سوار نے کہا کہ میرے لئے فرمان شاہی یہ ہے کہ جواب ملنے پر فوراً روانہ ہو جاؤں اور مجھ میں اس وقت سفر کی ہمت و طاقت بالکل نہیں عین مہربانی ہو گی۔ اگر رات گذارنے کے بعد صبح کو لفافہ عطا کیا جائے۔ چنانچہ

رات گذارنے کے بعد علی الصباح لفافہ شتر سوار کے حوالے کر دیا گیا اور اس نے شام تک دہلی پہنچ کر دربار شاہی میں پیش کر دیا۔ جب ان جوابات کو علماء کرام کے سامنے رکھا گیا تو سب نے ان کی صحت کو تسلیم کیا اور حیران رہ گئے کہ ایسے مغلق مسائل کا اتنا مدلل جواب اس تھوڑے سے وقت میں کس طرح لکھا گیا۔

مطب حضرت مفتی صاحبؒ کا مطب مرجع خلائق تھا، اور خداوند عالم نے آپ کے ہاتھ میں شفا عطا فرمائی تھی جس سے مقصد کسب زر اور تحصیل مال و دولت نہ تھا بلکہ مخلوق خدا کی خدمت گذاری اور ہمدردی و خیر خواہی تھی۔ اسی لئے ہمیشہ مختصر اور کم قیمت نسخے استعمال کرتے۔ جن کو اگر مریض کوشش کرے تو بلا قیمت بھی حاصل کر سکے۔ کبھی نسخے کی قیمت پائیوں سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ اجزاء ایسے انتخاب فرماتے تھے جو سریع التاثیر اور بے ضرر ہوں اور اسی کی آپ اپنے شاگردوں کو تاکید فرماتے تھے اپنی حیات میں آپ نے اپنے بعض شاگردوں کے نسخوں کو گراں سمجھا تو فوراً ان کو بلا کر تنبیہہ کی اور بعض سے سند ضبط کر کے ان کو آئندہ مطب کرنے کی ممانعت فرما دی۔ اسی غرض کے لئے آپ نے ایک رسالہ "مفت العلاج" تصنیف فرمایا جس میں تمام امراض کی تشریح اور مرض کا کم قیمت دواؤں کے ساتھ علاج مذکور ہے جو گویا آپ کے شاگردوں کے لئے مستقل دستور مطب تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی بیاضیں بھی لاتعداد مجرب نسخوں سے بھری ہوئی ہیں۔ حکیم رضی الحسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب کے نسخوں میں عجیب بات ہے بظاہر کچھ نہیں اور تاثیر میں سب کچھ ہیں۔ خدا جزائے خیر دے حکیم صاحب موصوف کو انہوں نے حضرت مفتی صاحبؒ کے بیشتر نسخوں کو یکجا جمع کر کے محفوظ کر دیا جو بڑے سائز کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ پھر عزیزی حکیم محمد قمر الحسن نے اس کی فہرست مرتب کر کے اس سے استفادہ کو سہل کر دیا۔

طب میں حذاقت اور ذکاوت کی ایک نادر مثال

اس وقت تو میری نظروں میں نہیں لیکن کسی زمانے میں حضرت مفتی صاحب کی کسی بیاض میں دیکھا تھا لکھا تھا کہ میں نے ایک مرتبہ انسانی اجزار اور ان کی ہیئت و ترکیب پر غور کیا۔ پھر ان اجزار کو جمع کر کے مصنوعی آدمی بنایا۔ خدا کے فضل سے آدمی بن گیا۔ لیکن وہ بولتا نہ تھا۔ میں نے پھر اس میں غور کر کے بعض اجزار کا اضافہ کیا اور وہ خدا کی قدرت سے بولنے بھی لگا لیکن بات صاف سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بڑبڑ کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کے بعد مزید کوشش میں نے نہیں کی اور اس خبط کو چھوڑ دیا۔

حضرت مفتی صاحب نے وہ تمام اجزار بھی لکھے تھے جن سے انہوں نے انسانی ترکیب قائم کی تھی اور انسانی پتلا بنایا تھا لیکن پھر اجزار میں سے بعض اجزار کاٹ کر اور بالکل محو کر کے اوپر یہ نوٹ لکھ دیا تھا کہ ان اجزار کو اس لئے کاٹ دیا گیا ہے تاکہ میرے بعد کوئی دوسرا شخص اس خبط میں مبتلا ہو کر اوقات ضائع نہ کرے

میں نے اس قصہ کو اس لئے نقل کر دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت مفتی صاحب محض سیدھے سادھے درویش اور بھولے بھالے ولی اللہ ہی نہ تھے بلکہ قدرت نے ان کو وہ دماغ عطا فرمایا تھا جس کی پرواز تک رسائی دشوار تھی۔ آج سائنس کی اتنی ترقی کے باوجود وہ اس حد تک نہیں پہنچی، جہاں اب سے سو سوا سو سال پہلے حضرت مفتی صاحب کا اعلیٰ دماغ پرواز کر چکا ہے

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُعْطِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔

روحانی علاج

حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں ظاہری علاج و معالجہ کے ساتھ ساتھ روحانی علاج و معالجہ کا فیضان بھی جاری تھا اور عملیات کے ذریعے امراض اور بلایا اور مشکلات کو دفع کیا جاتا تھا جس میں خاص مقبولیت اور شہرت حاصل تھی۔ اوراد و وظائف اور اعمال و تعویذات میں دست گاہ کامل حاصل تھی کاملین زمانہ سے ان کو حاصل کیا تھا، اور ان کی زکوٰۃ دی تھی اور ہر عمل اور تعویذ فائدہ اور نفع سے خالی نہ تھا۔ اور انتہائی زود اثر تھا۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں عمل اور تعویذ تھے۔ ایک مستقل عملیات کی بیاض تھی اور اس فن میں بھی ایک ملکہ راسخہ قدرت نے عطا فرمایا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ان میں سے بہت ذخیرہ ضائع ہوگیا جو کچھ بچایا ہے خدا کرے کہ وہ بھی کسی طرح ضائع ہوجائے۔

اگرچہ ان اعمال کے ذریعے مخلوق خدا کی اچھی خدمت کی جاسکتی ہے اور خاندان کے بعض افراد اس کام کو کر بھی رہے ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہیں مگر بعض ناپسند عملیات جیسے دشمن کو ہلاک کرنا۔ باہم تفریق ڈالنا کسی کو دکھ تکلیف میں مبتلا کرنا وغیرہ وغیرہ سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ ہرچند کہ حضرت مفتی صاحب نے جگہ جگہ اس کی تاکید کی ہے کہ بلا اجازت شرعی اور ضرورت واقعی ان کو کام میں نہ لایا جائے مگر ہوا و ہوس کے دلدادے اور اغراض و خواہشات کے پجاری اس کی کب پرواہ کرتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالےٰ

شعر و شاعری حضرت مفتی صاحب کو اس لطیف فن میں بھی مہارت تام حاصل تھی اور انتہائی فصیح و بلیغ برجستہ سادہ اشعار کہتے تھے، اور فارسی اشعار میں بیشتر مولانا جلال الدین رومی کی تقلید اور پیروی کرتے تھے۔ نشاط تخلص تھا۔ کتاب گلشن بے خار میں آپ کو ممتاز شعرا میں شمار کیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب ابتدا میں صرف نعتیہ کلام کہتے تھے۔ غزل گوئی کی عادت نہ تھی۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں " در اول عمر غیر از توحید و نعت سرورِ عالم در فارسی و عربی اشعارے نہ گفتہ ام اتفاقاً دو بیت شوقیہ گفتہ شد "

لیکن آخر میں سوزش باطنی از تپش اندرونی اور غایت بے قراری اور بے تابی میں بے ساختہ عشقیہ اشعار زبان پر آگئے، اور ایک مستقل دیوان تیار ہوگیا اور اچھی خاصی " بزم نشاط " قائم اور یادگار ہوگئی۔

حضرت مفتی صاحب عربی فارسی اردو تینوں زبان میں شعر کہتے تھے اس لئے تینوں زبانوں کا نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے :-

"اشعار عربی"

باشق العینین اسنی[1] البولوع ۔ ۱؎ اے اشرف الاصل ۱۲

قد داخ[1] طیراً کان احب الجوجوع[2] ۔ ۱؎ اے قہر ۲؎ اے ناسع الصدر ۱۲

واصطاد بالانمل خطف البولوع

من فتح صدغ مظلم کالدودع[1] ۔ ۱؎ اے اللیلۃ المظلمۃ ۱۲

فتشت میدان القوافی جملۃً

لم الق[1] قافیۃً[2] بغیر الدولوع ۔ ۱؎ دام ۱۲ ۲؎ زلف ۱۲

القصیدۃ فی مدح الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

یا شَفِیعَ الْعِبَادِ خُذْ بِیَدِی ۔ اَنْتَ فِی الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِی

لَیْسَ لِی مَلْجَاءٌ سِوَاکَ اَغِثْ ۔ مَسَّنِی الضُّرُّ سَیِّدِی سَنَدِی

غَشَّنِی الدَّهْرُ یَا ابْنَ عَبْدِ اللّٰہِ ۔ کُنْ مُغِیْثاً فَاَنْتَ لِی مَدَدِی

لَیْسَ لِی طَاعَۃٌ وَلَا عَمَل ۔ بَیْدَ حُبِّکَ فَھُوَ لِی عُدَدِی

یَا رَسُوْلَ الْاِلٰہِ بَابُکَ لِی ۔ مِنْ غَمَامِ الْغُمُوْمِ مُلْتَحَدِی

جُدْ بِلُقْیَاکَ فِی الْمَنَامِ وَکُنْ ۔ سَاتِرًا لِلذُّنُوْبِ وَالْعُقَدِی

اَنْتَ غَافِ اَبَرُّ خَلْقِ اللّٰہِ ۔ وَمُقِیْلُ الْعِثَارِ وَالْکُدَدِی

رَحْمَۃٌ لِلْعِبَادِ قَاطِبَۃً ۔ بَلْ خُصُوْصاً لِکُلِّ ذِی اُوَدِ

لَیْتَنِی کُنْتُ تُرْبَ طَیْبَتِکُمْ ۔ فَاَلْتَثَمْتُ النِّعَالَ ذَالِکَ فَدِی

فَاُصَلِّیْ عَلَیْکَ بِالتَّسْلِیْمِ ۔ مُتْحِفًا عِنْدَ حَضْرَۃِ الصَّمَدِ

بِعِدَادِ الزَّمَانِ وَالْاَنْفَاسِ ۔ وَالنَّبَاتِ الْکَثِیْرِ مُتَّضِدِی

وَعَلَی الْاٰلِ کُلِّھِمْ اَبَداً

بَالِغاً عِنْدَ مُنْتَھَی الْاَمَدِ

وکم علمته نظم القوافی — فلما قال قافیة هجانی
اعلمه الفتوة کل یوم — فلما طر شاربه جفانی

حمد باری نشاط

ملکا سوئے تو آیم که شه ارض و سمائی — بدرت ناصیه سایم که تو بخشنده خدائی
احدا راه تو جویم ز گنه عذر تو گویم — بسر این راه بپویم که بخود راه نمائی
صمدا بجرم تو کردم ره صد ظلم نوردم — شکستم توبه چه هر دم بده از قفس رهائی
شب روزم همه عطلت گزرد عمر بغفلت — شده ام راجی فضلت که در لطف بکشائی
دو جهان هست نمودی دل و جاں مست نمودی — در توحید کشودی تو خداوند عطائی
بری از وہم و گمانی تو مقدس ز مکانی — سبب کون و مکانی ملک تخت بقائی
همه کس خاک در تو همه را سر بسر تو — همه محتاج زر تو چه شهنشاه علائی
چه کنم آه ز حیرت که دلم سوخته عبرت — چه توان کرد ز حسرت که تو در فهم نیائی
همه موہائے تن من که زبان گشت چو سوسن — چه کند مدح تو روشن که شد حمد و ثنائی
تو شهنشاه خبیری خبر بنده تو بگیری — بری از مثل و نظیری و منزه ز فنائی
تو منزه ز مکانی تو مبرا ز زمانی — ز رهت نیست نشانے ز که پرسم تو کجائی
دل من شوق تو دارد همه شب اشک ببارد — بدرت سجده بیارد ز ره عجز و گدائی
به شبیه هجر سویدا بنود غیر تو پیدا — ز تو در قبر هویدا شود آں نور ضیائی
دل مجروح بقبرم ز تو جوید همه مرہم — تو انیس دل پر غم تو بہر درد دوائی
چه بلا شد بتو مفتی که همه خوردی و خفتی — تو گہے توبه نگفتی ز ره نصح و صفائی

در توحید که سفتم شده ام توشه عقبی
به شفیع همه عالم دهدم دست رسائی

از عشقِ تو سینہ داغ داغ است مرا — در سیر گل و لالہ فراغ است مرا
در عشقِ تو گم شدم چوں ذرہ ہر دم — در پیروی خویش سراغ است مرا

یارب چہ کنم شکر تو چوں سازم ادا — ہر لحظہ ز تو لطف و ز من جرم و خطا
نے نے غلطم پیش تو من ایں چہ حساب — چوں سایہ ام از عکس وجودت پیدا

اے آنکہ دلم بے تو بدرد است ہمہ — ور با تو بود عیش نورد است ہمہ
داری نظر لطف تو چو با ما آید دست — ہر رنج و بلا کہ ہست گرد ہست ہمہ

در دل ہوس حشمت و مال است ترا — میلے بخط و خال و جمال است ترا
از غیر خدا دل چو منزہ نکنی — عرفان و شہود حق محال است ترا

گرد دل طوافے کن کعبہ صفا این است — چشم عبرتی وا کن سعی در صفا این است

اے عقدہ کشائے جملہ مشکل مددے — وائے دادرس بے کس و بے دل مددے
دریا عمیق حائل و ساحل نے — دیں مرکب لنگ مادہ در گل مددے

آنم کہ گنہگار تر از من کسے نیست — آوارہ بدکار تر از من کسے نیست
یا رحمت عامی کہ تو داری یارب — دانم کہ سزاوار تر از من کسے نیست

در فکر معاشش چند باشم ربّی — تا کے بہ پیش جگر خراشم ربّی
خواہم بنا کساں نباشم محتاج — باشد ز خزینات معاشم ربّی

عالم چو گرہ ہائے مرتخ است ہمہ
چوں زلفِ بتاں پیچ بہ پیچ است ہمہ
حقا کہ دریں دیر پر آشوب و فتن
جز یاد تو ہرچہ ہست ہیچ است ہمہ

نعت

عاجز از حرص و ہوایم یا محمد مصطفٰےؐ
بر دو نفس بد ز جایم یا محمد مصطفٰےؐ
گر نمی گیری تو دستم از رہ لطف و کرم
از رہت لغزیدہ پایم یا محمد مصطفٰےؐ
راہ حق بس دور و من بے راہ ناپیدا دلیل
چوں کنم تا سوئیت آیم یا محمد مصطفٰےؐ
در حریم وصل خود یک شب بدہ راہِ مرا
تا بپایت جبہ سایم یا محمد مصطفٰےؐ
دیدہ بر رویت کشادہ باکمالِ اشتیاق
عرض حالِ خود نمایم یا محمد مصطفٰےؐ
کرد بیماریِ عصیاں حالتِ دل را تباہ
از درِ خود کن دوایم یا محمد مصطفٰےؐ
ماندہ ام در چاہ ظلمانی جسم خود پرست
دست اگر گیری برایم یا محمد مصطفٰےؐ
روز در فسق و فجور و شب بفکر توبہ ام
چند زیں غم لب بخایم یا محمد مصطفٰےؐ
گرچہ جائے عذر پیشِ تو نماند از معصیت
غرق دریائے حیایم یا محمد مصطفٰےؐ

روسیہ ناکارہ عاصی کمترین اُمتاں
خاسرِ بیع و شرائیم یا محمد مصطفےٰ

کار نیکو غیر ازیاں سر نزد گکہے زمن
دہ بالا اللہ شفائیم یا محمد مصطفےٰ

اے رسول انس و جاں وے شافع جرم نشاط
ہست دردین شما داری مگر شرمِ نشاط

سر بسر غرقِ گناہم یا محمد مصطفےٰ — مو سپید و دل سیاہم یا محمد مصطفےٰ
جز تو در دنیا و دیں پشت و پناہم نیست کس — بنگر ایں حالِ تباہم یا محمد مصطفےٰ
مشکلاتِ دین و دنیا حل شود از لطف تو — ہست کافی یک نگاہم یا محمد مصطفےٰ
شرِ نفس و حرص دنیا در کمیں دلیور جہیم — می زند ایں ہر راہم یا محمد مصطفےٰ
روز قبر و روز حشر و بر صراط المستقیم — یاری از لطف تو خواہم یا محمد مصطفےٰ
نعل پایت گر شود تاج سرم سلطاں شوم — بس بود ایں عز و جاہم یا محمد مصطفےٰ
توبہ کردم با ندامت از گناہ عمر ہا — عفو من خواہ از خداہم یا محمد مصطفےٰ
ہر زمانم سوئے جُرمم نفس سرکش می کشد — تیرہ شد ارض و سماہم یا محمد مصطفےٰ

توبہ و زہد و عبادت نامہ از من ہیچ گاہ
آدم نالاں بسوئیت عذرِ من از حق بخواہ

حمد و ثنا

پکڑے جو بال اس کی ثنا کی کمند کا — قابو کہاں کسی کے خرد کی کمند کا
شیریں مذاق خامہ ہو کر اس کے نام سے — چوں نیشکر تمام نیستانِ قند کا
مجھ مشت خس کو برق تجلی سے کیا حساب — شعلہ سے دو بدو ہو کیا مونہ سپند کا

عالم سے تو نے ہم کو کیا اول انتخاب
اب پاس ہے ضرور اس اپنی پسند کا
افسوس اس جہاں میں گذارا ہو کس طرح
ہرگز نہیں کسی کو اثر وعظ و پند کا
جانے دے اے نشاط تجھے فکر خلق کیا
کچھ فکر کر صلاح دلِ دردمند کا

شکر خدا کہ شکر خدا میں ادا کیا
ہر مو نے سرنگونی سے سجدہ جدا کیا
آگے نہ بڑھ سکا ترے عفو عظیم سے
ہر چند میں گناہ بڑے سے بڑا کیا
میں آپ عذر خواہ ہوں درگاہ میں تری
کیا مجھ سے پوچھتے ہو برا یا بھلا کیا
توفیق ہے تجھ سے ہدایت سو سب تیری
بالفرض کار نیک ہے تو ہم نے کیا کیا
ہر چند تھا نشاط سراپا گنہ ولے
تکیہ ترے رسول کے در پہ آب آگیا

ٹک ٹوٹ جائے یارب بند اس کی بکتری کا
ناصح پہ تا ہو واضح مضموں ستمبری کا

ریختہ نشاط

آتش عشق ٹک امداد کہ جل جائے یہ دل
گرمیٔ اشک سے چوں شمع پگھل جائے یہ دل
ایک ساعت بھی تپش سے مجھے آرام نہیں
نکلے کانٹا سا جو پہلو سے نکل جائے یہ دل
جز عدم کبھی نہ اٹھے نقش قدم کے مانند
اس کے کوچہ میں اگر اب کے مچل جائے یہ دل

سانس لینے کی بھی طاقت نہیں جا اس سے کہو
ٹک عیادت کو بھی آ جائے سنبھل جائے یہ دل

ہم نشیں اس کے گر آنے کا کوئی طور نہیں
اس کی کوئی بات ہی کہئے کہ بہل جائے یہ دل

آزمائش کے لئے یار نے کئے حور و قصور
دیکھ صورت کسی کی نہ مچل جائے یہ دل

عالم کون میں خوش وضع بہت ہیں گے نشاط
نہ ہو ایسا کہ کہیں تیرا پھسل جائے یہ دل

نہ تقصیر تیری نہ خنجر کے تیری   اجل اپنی یوں تھی بہانے بہت ہیں

چشم و ابرو کا اگر کچھ اشارہ ہو جائے   نام ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

کب کہہ سکے گا اس سے مرا دردِ اشتیاق
لکھ دو پیامبر کو کوئی فرد اشتیاق

بخشندہ کوئی تجھ سا نہیں اے مرے کریم   مجھ سا نہیں جہاں میں گنہ گار دوسرا
دیتا نہ دل کبھی تجھے اے بد معاملہ   پر کیا کروں ملا نہ خریدار دوسرا

عارض کے گرد خط تھا کہ مہ پر ہالہ تھا
دندان لبوں سے چمکیں تھیں یا گل پہ لالہ تھا
مخفی ہے زیر برگ مگر گل گلاب کا
اس گل بدن کے سبز جو سر پہ دو شالہ تھا

ٹھہرے برات زلفِ پریشاں پسانِ لون
برہم سدا اسے لشکرِ دل کا رسالہ تھا
غصہ سے تھا عرق تیرے گلگوں غدار پر
شبنم میں تر بتر کہ گل سرخ لالہ تھا

ہے رزقِ مقتدر کا طلب ہم کو خدا سے
برسے تو بلا سے جو نہ برسے تو بلا سے
پہنچا نہ مرا مشتِ غبار اُس کے قدم تک
اتنی بھی تو حرکت نہ ہوئی بادِ صبا سے
ٹک دے تو مجھے شربتِ عناب لبوں کا
گذرا ہے تپِ عشق کا کام اب تو دوا سے

آج تو آپ کے آنے کا کچھ امکان نہیں
کل تلک زیست کا اپنے کوئی عنوان نہیں
دروازہ پر تلاش کے ہرگز یہ جان نہیں
اتنے بے پست ہمت افتادگان نہیں
ملنے کا قصد ہے تو کوئے عدم میں آ
ورنہ جہان میں معین اپنا مکان نہیں
کج فہمی اپنی ہے جو دور سمجھے ہیں روز حشر
جب اپنی آنکھ مُند گئی سارا جہان نہیں
کم فہمی اپنی ہے کہ اسے ڈھونڈتے ہیں ہم
ٹک غور سے تو دیکھ وہ جلوہ کہاں نہیں
جاتا ہے یار کچھ تو نشاط اپنا حال کہہ
اے بے زبان کیا ترے منہ میں زبان نہیں

شکوہ لکھوں تیرا کہ میں دل کا گلا لکھوں
حیرت میں ہوں کون سا اب مدعا لکھوں
اہلِ وفا میں یا کہ تمہیں بے وفا لکھوں
خط کا جواب جو نہ لکھے اس کو کیا لکھوں

بے درد بے مروت و بے مہر و بے وفا
القاب کون سا میں تجھے دلربا لکھوں
دوری سے دوستوں کی جو گذرے نشاط پر
کاغذ میں کب سمائے جو وہ ماجرا لکھوں

ایک پل نہیں تھمتا میری آنکھوں سے جو آنسو
جاتا ہے یہ کس سمت کو لشکر نہیں معلوم
رہتا ہے کہاں وہ بُت خود کام بتا دو
یارو بخدا اس کا مجھے گھر نہیں معلوم

مجھے شعر و سخن سے کوئی بھی مناسبت نہیں۔ اکثر شعر پڑھتا بھی غلط ہوں اور لکھتا بھی غلط ہوں، پس اس سلسلہ کی ہر غلطی اور بدنمائی کو میری لغزشِ قلم تصور کیجیے۔

حضرت مفتی صاحب نے اس شعر و سخن کے ملکۂ خداداد کو بھی ضائع اور بے کار نہیں بلکہ مخلوقِ خدا کی خدمت اور دینِ برحق کی حمایت اور علوم دین کی اشاعت کا کام اس سے لیا۔ چنانچہ مثنوی مولانا روم کا ساتواں دفتر آپ کا مشہور و معروف علمی اور دینی شاہکار ہے جس کے ظہور کا وقت برسوں انتظار کے بعد اب آیا تھا اور آپ کے ہاتھوں اس کارنامہ کو انجام پانا تھا۔ آخر عمر میں پوری مثنوی کو اردو نظم میں منتقل کرنے کا ارادہ فرمایا مگر وہ پورا نہ

ہوسکا۔ صرف ایک ہزار شعر کا ترجمہ ہوا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ نیز فارسی نظم
میں "رسالہ جہادیہ" تصنیف فرمایا جس میں نفس و شیطان کے ساتھ جہاد
کی اہمیت اور ضرورت کو نمایاں کیا۔

ایک رسالہ فارسی نظم میں علم عقائد میں تحریر فرمایا جس میں تمام ضروری
عقیدوں کا صاف اور واضح اور دل نشیں بیان ہے۔

ایک رسالہ نظم فارسی کبیرہ گناہوں کی تفصیل و تحقیق میں تصنیف
فرمایا۔ عقائد امالی عربی نظم کا فارسی نظم میں ترجمہ فرمایا جس کی ابتدا یہ ہے

الٰہی بخش بعد از حمد باری ❊ بیان کن از عقائد انچہ داری
کہ تا شاید مسلمانے کند یاد ❊ شود از بند کفر و جہل آزاد
بیاں کرد انچہ اُستاد امالی ❊ ہمہ را نظم کن ہم چوں لآلی

ایک رسالہ علم اصول حدیث میں فارسی نظم میں تحریر فرمایا جو نہایت جامع ہے
اور اصول حدیث کے تمام اہم مسائل پر مشتمل ہے جس سے علم اصول حدیث
سے کافی واقفیت اور مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک فارسی نظم قرار سبعہ کے حالات اور درجات میں تحریر فرمائی۔ اردو
نظم میں علم قرأت کے تمام اصول و فروع تحریر فرمائے۔ ایک اردو منظوم رسالہ
رسالہ میں نماز کے تمام فرائض اور واجبات اور سنن و مستحبات کو بیان فرمایا۔

ایک فارسی نظم میں بھی نماز کے تمام ارکان اور شرائط و فرائض کو بیان
فرمایا۔ نیز رسالہ نبض اور رسالہ قارورہ فارسی نظم میں تحریر فرمائے۔

عربی کی مشہور نظم "ارجوزہ اصمعی" کا فارسی نظم میں ترجمہ فرمایا۔ عربی
کی مشہور نظم سقانی الحب الخ اور انا المطلوب الخ کا فارسی نظم میں
ترجمہ فرمایا۔

عربی، فارسی اور اردو میں حمد و ثنا اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
میں قصائد اور اشعار ہیں، جو توحید و رسالت کی حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں

اللہ اور رسول کے ساتھ جذبۂ تعلق کو برانگیختہ کرتے ہیں۔

غزلیات بھی جس قدر میری نظر سے گذری بیشتر اشعار عبرت و نصیحت پر مشتمل ہیں۔ اگر کہیں عشق و محبت کی کہانی ہے تو وہ بھی سوز درونی کی ترجمانی ہے اور اندرونی بے تابی اور بے قراری کا اظہار ہے جو بے ساختہ لبوں پر آگیا۔ اور اسی رنگ کے اشعار دوسرے شعراء کے بھی بحضرت اپنی بیاض میں نقل فرمائے ہیں ؎

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے
کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

عُلوم باطنی کی تکمیل و تلقین

حضرت مفتی صاحب نے تکمیل علوم ظاہری کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور ایک زمانۂ دراز تک حضرت شاہ صاحب موصوف کی خدمت میں کمالاتِ باطنی کے حصول میں مشغول اور منہمک رہے اور بارگاہِ عزیزی سے خلافت و اجازت کی خلعت گراں مایہ عطا ہوئی اور معرفت و حقیقت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ (حالات بر اختتام)

حضرت مفتی صاحب نے حضرت شاہ صاحب کی حیات میں نہ کسی سے رجوع کیا اور نہ کسی سے فیض ظاہری و باطنی حاصل کیا جس در کے ہو گئے تھے اسی آستانے کے غلام رہے۔ البتہ اس دوران میں صحابہ کرام اور اولیائے عظام کے روحانی فیض آپ کو حاصل ہوتے رہے اور آپ کی روحانی تربیت اور ترقی کا سلسلہ روز افزوں رہا۔

حضرت حافظ محمود شاہ صاحب سے ملاقات اس زمانے میں حضرت حافظ محمود شاہ صاحب کوئی بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب ۱۲۰۵ھ میں ان کی ملاقات

کے لئے گئے اور ان کی چند باتوں کو قلم بند بھی فرمایا ہے۔

تحریر فرماتے ہیں کہ حافظ صاحب موصوف نے فرمایا کہ ہر وقت اور ہر دور میں اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کا ظہور اور تسلط ہوتا ہے۔ اس وقت اسی اسم مبارک کے مقتضا کے موافق تمام امور سرزد ہوتے ہیں، چنانچہ آجکل اسم مضل جل جلالہٗ کے ظہور کا دور ہے۔ اسی لئے اس زمانے کے بیشتر اہل کمال بھی اسی نام مبارک کی تجلی کے اثرات کے باعث بعض خفی منکرات اور مناہی سے خالی نہیں" حافظ صاحب کے اس ارشاد سے بہت سے اشکالات کا حل ہو جاتا ہے اور بہت شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

تحریر فرماتے ہیں کہ انہیں ایام میں رمضان المبارک ۱۳۰۵ھ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا حضرت رب العزت ایک خاص صورت میں جلوہ فرما ہیں۔ میں بھی حاضر ہوں اور شیطان بھی موجود ہے، اور میں اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شکل و صورت میں ہوں۔ حضرت باری عزاسمہٗ کا شیطان کو حکم تکوینی صادر ہوتا ہے کہ مجھے گمراہ کرے اور مجھے حکم تشریعی صادر ہوا کہ اس کی ہرگز پیروی نہ کرنا۔ پھر جب مجھے شیطان نے بہکانا چاہا تو میں نے انتہائی خفگی کے ساتھ اس کو جھڑک دیا۔ یہ خواب میں نے حافظ صاحب موصوف سے ذکر کیا فرمایا کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ تمہاری ولایت حضرت موسیٰؑ کے زیر قدم ہے۔ تمام اولیاء اللہ کی ولایت کسی نہ کسی نبی کے زیر قدم اور ماتحت ہوتی ہے کسی کی حضرت ابراہیمؑ کے اور کسی کی حضرت عیسیٰؑ کے اور کسی کی حضرت موسیٰؑ کے اور کسی کی حضرت محمد علیہم السلام کے زیر قدم ہوتی ہے اور اعلیٰ ولایت وہی ہے جو قدم محمدی کے زیر اثر ہے۔ حضرت مخدوم علی احمد صابر چشتی رحمۃ اللہ کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم اور زیر اثر تھی۔ اسی لئے ان پر جلال کا غلبہ بہت زیادہ تھا۔ انتہی۔ شاید یہی وجہ ہے حضرت مخدوم علی احمد صابر چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مفتی صاحب کو خصوصی فیض پہنچا اور خاص طور پر حضرت مفتی صاحب کی تربیت کی گئی جس کی تفصیل

آئیندہ آئے گی۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے فیضانِ روحانی

حضرت مفتی صاحبؒ کو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالےٰ روح پرنور سے بھی بے شمار فیوض وکمالات حاصل ہوئے ہیں اور آپ کو حضرت مولانا معنوی رومی کی بارگاہ میں حضور دائمی کا مرتبہ حاصل تھا جس کی کیفیت کو خود حضرت مفتی صاحبؒ نے اختتام مثنوی کے اختتام پر اس طرح رقم فرمایا ہے ؎

ساقیم آں بادہ اندر جام کرد — کہ زما و من برآورد دست گرد
ریخت در جامم مئی از کاف و نون — لیس فیہا غول ولا ہم ینزفون
بے خودم زاں بادہ و اکنوں مرا — نیست فرق از جان و تن وز سر زپا
ریخت در کامم جلالےؒ جرعہ — می زنم بر لوح وحدت قرعہ
رشحۂ بحر جلالش بر دلم — آمد و بر بود ازیں آب و گلم
شورشی بحر حسامی آمدست — زیں صدف ایں در کہ نامی آمدست
فیض مولانا جلال و ہم حسام — نخل جاں را داد سیرابی تمام
نور مہر و مہ بطور دل بتافت — سنگ من زاں تاب یاقوتی بیافت
بر ادیم تافت چوں نجم یمن — عنبریں شد جملہ چوں مشک ختن

پیش زیں خلق ز انفاسِ خوشش — مقتبس از نور عرفاں گشت وخوش
صد ہزاراں یافتند از مثنوی — ارتقاء سوئے صراطِ مستوی
من ہم از فیضان انفاس جلال — در رسیدم تا جلیل ذوالجلال
نیست دور از لطف اخوان الصفا — در رسید ایں بندہ ہم سوئے خدا
چہ عجب شمس ارنوازد ذرہ را — ابر خوش سیراب سازد و ترہ را
رد بحق آر د بکن ختم کتاب — دم مزن واللہ اعلم بالصواب

؎ مولانا جلال الدین جلالی ۱۲

اسی باطنی تعلق اور روحانی مناسبت کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں مثنوی معنوی کی تکمیل ہوئی، اور یہ سربستہ راز کھلا۔

مثنوی دفتر ہفتم کی تصنیف | ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب نے حضرت مولانا روم رح کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مثنوی معنوی کے اختتام کا وعدہ کب پورا ہوگا؟

حضرت مولانا روم نے فرمایا کہ اس وعدے کو پورا کرنے والے تم ہی ہو، اور تمہارے ہی ہاتھوں یہ مبارک کام سرانجام پائے گا۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنی عدم قابلیت اور بے استعدادی کا عذر کیا جو مسموع نہ ہوا اور بار بار حضرت مولانا روم رح کی جانب سے تقاضا اور مفتی صاحب کی طرف سے معذرت ہوتی رہی، (حالات برا اختتام)

میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ آخر میں ایک خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی زیارت ہوئی مولانا روم بھی حاضر بارگاہ تھے۔ حضرت مولانا روم نے بارگاہ نبوت میں مفتی صاحب کی شکایت کی کہ یہ مثنوی کو پورا نہیں کرتے۔ ارشاد نبوی ہوا کہ پورا کرو۔ پھر مفتی صاحب نے مثنوی کے اختتام کا ارادہ فرمایا۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں لکھا کہ میرا ارادہ مثنوی معنوی کے اختتام کو پورا کرنے کا ہے جو قصہ مولانا روم نے ناتمام چھوڑ دیا ہے، اگر وہ سنا ہو یا کہیں نظر سے گذرا ہو تو مطلع فرمائیں۔ حضرت شاہ صاحب نے جواب میں دو آیت کریمہ لکھ کر بھیجیں کہ ان کو رات کو پڑھ کر خود حضرت مولانا روم سے دریافت کر لو۔ چنانچہ مولانا روم کی زیارت ہوئی اور ارشاد ہوا کہ دوات قلم لے کر عصر و مغرب کے درمیان حجرے میں بیٹھا کرو۔ باقی ماندہ قصہ خود بخود قلم سے لکھا جائے گا۔ اس طرح دفتر ہفتم پورا ہوا (تذکرہ عزیزیہ ص ۲۷)

آخر ۱۲۱۶ھ میں آپ نے دفتر ہفتم شروع کیا قلم برداشتہ لکھتے جاتے تھے، اور الہام ربانی اور فیض رومی کی بدولت صفحات در صفحات قلم بند ہوتے جاتے تھے جس کو خود حضرت مفتی صاحب نے اختتام کے آغاز میں اس طرح ذکر کیا ہے ؎

جذب و شوق مولانا حسام	می کشد ما را بسوئے اختتام
اختتام مثنویِ معنوی	می کشد جاں را براہِ مستوی
می تراود خود بخود از لب سخن	آنچہ خواہی اے ضیاء الدین بکن
چوں زمامِ عقلِ من در دست تست	ہر کجا خواہی بکش جاں مست تست
پرتوِ خور چوں در آبے اوفتاد	آب داد آفتابے را بداد
روح مولانا جلال الدین روم	مہر برجِ معرفت بحرِ علوم
پرتوِ نود چونکہ بر طوز دلم	گشت نورانی تن آب و گلم
ہر زمانم آں مہ چرخ بریں	می زند چشمک بپیام دل کہ ہیں
اختتام مثنوی آغاز کن	نامہ سربستہ ام را باز کن

حضرت مفتی صاحب کو مثنوی معنوی کے ساتھ وابستگی اور شیفتگی عشق کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ تمام مثنوی برزبان یاد تھی اور بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس کا درس دیتے تھے۔ پھر یہ سلسلہ اتنا مقبول اور عام ہوا کہ اس کے سامنے مثنوی معنوی کے باقی سلسلے گویا معدوم ہو گئے۔ معتمد اور مستند بھی تھا اور مختصر بھی، اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب کو براہ راست حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے بطریق اویسیت درس مثنوی کی اجازت حاصل تھی۔

حضرت مفتی صاحب نے اخیر زمانہ میں مثنوی معنوی کا اُردو نظم میں ترجمہ بھی شروع کیا تھا۔ جب ایک ہزار شعر کا ترجمہ ہو چکا تو آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحب زادہ مولانا ابوالحسن صاحب نے اور ایک ہزار شعر کا ترجمہ کیا تھا۔ اس طرح دفتر اول کا اردو ترجمہ تیار ہو گیا (سوانح احمدی صفحہ ۱۴۱)

یہ دفتر اول طبع بھی ہو چکا ہے مگر اب نایاب ہے۔

حضرت مخدوم علی احمد صابر چشتی رحؒ | حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ
سے روحانی فیض اور تعلیم و تربیت | ۷ صفر ۱۲۲۸ھ شب سہ شنبہ آدھی رات

کے بعد بمقام سہارنپور حضرت مخدوم علی احمد صابر چشتی کو خواب میں دیکھا۔ یہ خواب نہیں بلکہ عینی مشاہدہ تھا گندم گون مائل بہ کمونت رنگ ہے اور دو تین انگشت کی بقدر داڑھی سفید ہے۔ بعض بال سیاہ ہیں۔ سر پر ٹوپی جس پر دو تین ہاتھ لمبے رنگین کپڑے، عمامہ بندھا ہوا۔ قد میانہ مائل بہ قصر اور جسم مبارک موٹا تازہ ہے۔ مجھے بعض بشارتیں دیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں پیران کلیر زیارت کے لئے حاضر ہوں؟ فرمایا ہاں ضرور اگر کوئی حرج اور تکلیف نہ ہو پھر فرمایا، اپنے انفاس کو ہمیشہ خدا کی یاد میں صرف کرو، اور کبھی ذکر اللہ کو نہ چھوڑو میں نے عرض کیا کہ نفی و اثبات یا محض اسم ذات فرمایا اسم ذات۔ میں نے اسی وقت آپ کی موجودگی میں ذکر اسم ذات دو ضربی شروع کیا اور دیر تک کرتا رہا اس وقت مجھ پر گریہ کا سخت غلبہ ہوا۔ ایک شخص نے اسی حالت میں مجھ سے دریافت کیا "کیوں رو رہے ہو؟" میں نے کہا مگر خون کے فراق میں میری چشم تر کا حال نہ پوچھ، پانی سر سے گذر چکا۔ اب میری سرگذشت مت پوچھ۔

اس کے بعد میں حضرت صابر صاحب سے قدمبوسی کی درخواست کی، اور انھوں نے اپنا مبارک ہاتھ میری طرف بڑھایا، میں نے اس کو آنکھوں سے لگایا، اور بوسہ دینا چاہا مگر انگوٹھے کے سوا اور کہیں نہ چومنے دیا۔ اس کے بعد سے میرا ذکر قلبی تیز ہو گیا۔ علوم ظاہری کے درس و تدریس کی مشغولی کی وجہ سے جو نسبت میں کثرت ظاہر ہو گئی تھی رفتہ رفتہ وہ کم ہو گئی فالحمد للہ رب العالمین۔

پھر یہ صابری فیض و تربیت کا سلسلہ روز افزوں ترقی کرتا رہا جس کو ایک رباعی میں حضرت مفتی صاحب نے اس طرح بیان فرمایا ہے ؎

اے شاہ علی احمد صابر چشتی ۭ تختے کہ ز معرفت بجا تم کشتی
آبے وہ از و برگ سبے پیدا کن ۭ تا محو شود ز نفس کافر زشتی

حضرت شاہ کمال الدین سے رجوع حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے وصال کے بعد جو ۱۲۳۹ھ ہجری میں ہوا۔ اگرچہ مفتی صاحب ہر نوع کے کمالات ظاہری اور باطنی سے آراستہ تھے، خود رہنما تھے کسی کی رہنمائی کی حاجت نہ تھی، خود مقتدا تھے کسی کے اقتدا اور پیروی کی ضرورت نہ تھی مگر ان کا ذوق طلب اور شوق سفر ان کو کسی ایک منزل پر نہ ٹھیرنے دیتا تھا اور سلوک وسفر کے کسی ایک مقام پر قناعت گوارا نہ تھی برابر چلتے رہنا بڑھتے رہنا چاہتے تھے اور اس راہ کی کوئی انتہا نہیں ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کہ بروے می رسی بروے مایست

اور کمال احتیاط اور فرزانگی ودانائی کے باعث بغیر کامل رہبر کی رہنمائی کے آپ آگے قدم بڑھانا نہ چاہتے تھے اسی لئے کسی کامل عارف کی جستجو شروع ہوئی اس تلاش میں عرصہ تک سرگرداں وحیراں پھرے اور دور دراز سفر اختیار کئے مگر نہ کوئی شاہ عبدالعزیز صاحب جیسا ملتا تھا اور نہ نگاہوں میں سماتا تھا۔ بالآخر بھوپال کے ایک سفر میں ایک عارف کامل درویش صادق سے ملاقات ہوئی اور اس نے آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا شاہ کمال الدین صاحب[1] کی جانب آپ کی رہنمائی۔ آپ کا ذوق وشوق ایسا کمزور نہ تھا جو بہ خوردی مانع آتی اور آپ فوراً حضرت شاہ کمال الدین صاحب کو صحیح رہنما جان کر ان کے ہاتھ پر سلسلہ قادریہ میں بعیت ہو گئے اور اپنے سفر سلوک کو برابر جاری رکھا۔

حضرت سید احمد بریلوی شہیدؒ کی طرف رجوع حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ کی خصوصی سعی اور اصل خواہش یہ تھی کہ تمام اہل علم اور اہل کمال اُن سے وابستہ ہو جائیں۔ تاکہ ان کے مجاہدانہ کارناموں میں ان کے

---

[1] ان کا مفصل تذکرہ پہلے صفحہ پر گذر چکا ۱۲ منہ

بہترین معین و مددگار ثابت ہوں اور ان کی تحریک جہاد ہمیشہ صراط مستقیم پر قائم رہے اور حدود شریعت سے یک سر تجاوز نہ ہو، اس لئے حضرت سید صاحب کاندھلہ مفتی صاحب سے ملنے آئے اور ان کو ہمیشہ کے لئے اپنا حلقہ بگوش اور گرویدہ بنا کر واپس تشریف لے گئے۔ اس جذب و شوق احمدی کی داستان کو خود حضرت مفتی صاحب نے اس طرح ارقام فرمایا ہے۔

"ناگاہ از مدد غیبی باعانت سعادت ازلی صیت کمالات و قرب تکمیل و طنطنہ ارشادات و سرعۃ تاثیر جزیل و جمیل سید احمد حسنی مقتفی آثار و قدم بر قدم محمد مدنی جاں بخش گوش ہوش و دنواز سامعہ حقیقت بنوش گردید و لنشہ اشتیاق درک صحبت سرامد اولیاء آفاق چنداں دو بالا گشت کہ طائر صبر از آشیانہ دل برید واز بے قراری جامہ آرام برتن درید" چنانکہ دراں ایام نالہ چندکہ بکسوت نظم محلی شدہ سر برزد برائے تذکار می نویسد۔

غزل

دوست ہر لحظہ بما شد پئے غم خواری ما ۔۔۔ از چہ رہ روز فزوں است دل افگاری ما
ہست نزدیک تر از جاں بمن خستہ حبیب ۔۔۔ از کجا خاست ندانم طپش و زاری ما
یار اندر بغل و حسرت دیدار ہماں ۔۔۔ آہ ازیں وصل کہ افزود طلب گاری ما
یا رب احوال دل خستہ ندانم چہ شود ۔۔۔ میر احمد نرسد گر بمدد گاری ما
اے نشاط ارچہ ضعیفی طلب ہمت کن ۔۔۔ از در سید بر حق کہ کند یاری ما

ایضاً

جناب سید احمد کہ باشد فیض ربانی ۔۔۔ بساں مہر انور می کند ہر ذرہ نورانی
مجدد الف ثانی شد جناب احمد اول ۔۔۔ مجدد مائۃ ثالث را جناب احمد ثانی

بخلق احمدی کامل بنور ایزدی واصل | نمود اندر رضائے حق رضائے خویش را فانی
طریقت کاروبار او شریعت پیشکار او | حقیقت ہست یار او ہمیں لطف سبحانی
نیارد خطرہ در دل بجز تائید دین حق | نیاید در خیال او مگر مشروع حقانی
بہ پائے سعی خود تا منزل مقصد رسیدن را | بسے دشواری بینم بفرما ہمت ارزانی
بعید از ہمتت نبود کہ چوں من بے پر و پائے | بیان زور بازو یت رسد تا قرب یزدانی

پس اے خورشید راہ دیں بہ بیشت عرض میدارد
غریبے بے سر و ساماں نشاط انہ فرط حیرانی

غرض حضرت مفتی صاحب ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ میں حضرت سید صاحب علیہ الرحمۃ کی بارگاہ عالی میں فائز ہوئے اور مزید انوار ایزدی اور کمالات سرمدی سے سرفراز ہوئے۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ مفتی صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بیعت تھے، اخلاص و للّٰہیت کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ شیخ وقت ہونے کے باوجود ۶۰، ۶۵ برس کی عمر میں اپنے شیخ کے جوان سال خلیفہ حضرت سید احمد شہید سے بیعت ہوئے، جو مفتی صاحب سے تقریباً ۳۸ سال چھوٹے تھے اور اس سن و سال اور بزرگی اور شہرت کے باوجود آپ سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کیا۔ مفتی صاحب نے سید صاحب کے طریقہ اذکار میں ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "ملہمات احمدیہ" ہے (ص ۳۵)

ملہمات احمدیہ کی تصنیف | حضرت سید صاحب کی بارگاہ سے تکمیل و اجازت کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اسی ۱۲۳۵ھ میں سید صاحبؒ کے طریقہ اذکار اور تعلیم و تربیت سلوک معرفت میں کتاب "ملہمات احمدیہ" تصنیف فرمائی، جو

---

۱ یہ تخمینہ غلط لکھا گیا، اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر ۷۱ سال سے متجاوز تھی۔ (اختتام)

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رح کی کتاب "صراط مستقیم" کا ایجاز و اختصار اور اصلی جوہر اور لب لباب ہے۔ پھر اس جوہر کا جوہر نکال کر میں نے رسالہ اسلامی زندگی اردو میں لکھا جو مختصر ہونے کے باوجود شریعت و طریقت کا اصل مقصود اور لطیف جوہر ہے۔ ع

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

اور بارہا ہزاروں کی تعداد میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

سنہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح پر بعض خدام کا اصرار ہوا کہ شجرۂ نسب باطنی شائع کیا جائے۔ حضرت موصوف نے اس ناچیز کو حکم فرمایا کہ شجرہ کے ساتھ مختصر طریق معرفت و شریعت بھی لکھو، میں نے اپنی عدم صلاحیت اور ناقابلیت کا عذر کیا اور عرض کیا آپ خود لکھوا دیں یا حضرت شیخ الحدیث صاحب سے لکھوائیں۔ مگر اُدھر سے اصرار اور ادھر سے انکار ہوتا رہا اور ناراضگی کی حد تک نوبت پہنچ گئی، مجبور لاچار کتاب صراط مستقیم کو بغور پڑھا تو اس کو طریقت و شریعت کا جامع ذخیرہ پایا۔ پھر ملہمات احمدیہ کو بغور دیکھا تو اصل کتاب کا خالص جوہر اور لب لباب پایا، اسی کو میں نے خلاصہ اور مختصر کر کے قلم بند کر دیا۔

نسبت باطنی کی کیفیت | حضرت مفتی صاحب رح کی نسبت باطنی نہایت قوی اور نہایت زود اثر تھی جس پر ذرا بھی توجہ فرماتے تھے فوراً اس کی حالت بدل جاتی تھی، اور دیر تک طبیعت متاثر اور محظوظ رہتی تھی۔ جو بھی آپ کے حلقہ میں چند بار بیٹھ گیا پھر اس ذوقِ حلاوت کو عمر بھر نہ بھولا ۔ حالات بر اختتام اب بھی ارباب باطن مزارِ مبارک سے اس ذوق حلاوت کو محسوس کرتے ہیں اور شاداں و فرحاں فائز و کامیاب ہو کر لوٹتے ہیں۔

استغراق کی حالت | حضرت مفتی صاحب رح بلبشترا استغراق اور محویت کے عالم میں رہتے تھے اور یہ کیفیت اس قدر ترقی کئے ہوئے تھی کہ اکثر اپنے محسوسات

اور مشاہدات تک سے بھی بے خبر ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ گھر میں فرمایا، جو کی روٹی پکانا سنت نبوی کی پیروی کریں گے چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی اور جو کی روٹی پکائی گئی۔ دو تین روز کے بعد فرمایا جو کی روٹی کیوں نہیں پکائی گئی؟ گھر والوں نے عرض کیا کہ اترسوں پکائی تو گئی تھی۔ یہ سن کر فرمایا مجھے اس دن خبر کیوں نہ کی کہ یہ جو کی روٹی ہے تاکہ سنت سمجھ کر شوق و ذوق کے ساتھ اس کو کھاتا اور اس کے انوار و برکات حاصل کرتا (حالات برا اختتام)

بعض وقعہ فرط و استغراق میں بے ہوشی جیسی حالت طاری ہو جاتی تھی اور آپ بالکل ماسوا اللہ سے غافل اور بے خبر ہو جاتے تھے۔ اس وقت آپ کے پاس اذان کہی جاتی تو ایک دم چونک کر نماز کی تیاری کے لئے امادہ ہو جاتے تھے اور ہوشیار ہو جاتے تھے ؎

دراہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجان شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

محبت خداوندی کا عمل حضرت مفتی صاحب رح نے ایک آزمودہ تجربہ کردہ عمل تحریر فرمایا ہے جس سے اللہ رب العزت کی محبت کی چاشنی پیدا ہو جاتی ہے اور معرفت خداوندی کی تخم ریزی ہو جاتی ہے۔ مخلوق خدا کے نفع کی خاطر اس کو درج کیا جاتا ہے۔ شروع ماہ میں پہلے جمعہ سے شروع کرے اور روزانہ بلاناغہ اس طرح پڑھے۔

جمعہ کے دن یا اللہ، یا ھو ہزار مرتبہ۔ شنبہ کے دن یا رحمٰن یا رحیم ہزار مرتبہ، یک شنبہ کے دن یا واحد یا احد ہزار مرتبہ۔ دو شنبہ کے دن، یا صمد یا اعزّ ہزار مرتبہ سہ شنبہ کے دن یا حی یا قیوم ہزار مرتبہ۔ چہار شنبہ کے دن یا حنان یا منان ہزار مرتبہ۔ پنجشنبہ کے دن یا ذا الجلال والاکرام ہزار مرتبہ پھر جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ هٰذِهِ الْاَسْمَاءِ الْعَظِیْمَةِ الشَّرِیْفَةِ الْكَرِیْمَةِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَنْ تَجْعَلَنِیْ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ لَدَیْكَ وَالْوَاصِلِیْنَ

إِلَيْكَ وَأَنْ تَرْزُقَنِي إِيمَانًا وَأَمَانًا وَعَافِيَةً مِنْ أَمْرَاضِ الدُّنْيَا وَعُقُوبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَنْ تَحْبِسَ عَنِّي أَبْصَارَ الظَّلَمَةِ وَالْمُرِيدِينَ لِيَ السُّوْءَ وَأَنْ تَصْرِفَ قُلُوبَهُمْ عَنْ شَرِّ مَا يُضْمِرُونَهُ إِلَى خَيْرٍ مَا لَا يَمْلِكُهُ غَيْرُكَ اللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ مِنِّي وَمِنْكَ الْإِجَابَةُ وَهٰذَا الْجُهْدُ مِنِّي وَعَلَيْكَ التُّكْلَانُ

قضاءِ حوائج اور دفع بلایا کے لئے بھی یہ عمل مجرّب ہے۔

سلوک و معرفت کا مختصر دستور العمل

حضرت مفتی صاحبؒ نے سلوک و معرفت اور راہ طریقت کا ایک نہایت جامع اور مختصر دستور العمل بھی تحریر فرمایا ہے جس کو درج کرتا ہوں، شاید کسی اللہ کے بندے کے کام آجائے اور اس کے ذریعے مقصود حقیقی تک پہنچ جائے، اور یہی میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

باسمہٖ تبارک و تعالیٰ

اصل شئے شریعت ہے یعنی احکام دین کی اس طرح پابندی جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں پس تمام فرائض اور واجبات اور سنن و مستحبات اور آداب دین کو بجالائے اور حرام اور مشتبہ امور سے پرہیز کرے اور معاصی اور منکرات سے اپنے جوارح اور اعضاء کو بچائے یہ سب "شریعت" ہے۔ اس کے بعد "طریقت" ہے یعنی اپنے باطن کو اخلاقِ ذمیمہ حب دنیا حسد کینہ، حرص، بغض، بخل، حب جاہ، حب شہوات وغیرہ سے صاف کرے اور اخلاقِ حمیدہ صدق و صفا، حلم و سخا، مروت و وفا، احسان حسن خلق، صدق

معاملہ وغیرہ سے معاملہ کرے۔ اسی کو تبدیلِ اخلاق کہتے ہیں جو اصل مہم ہے لیکن اس کے بغیر دین حاصل نہیں ہو سکتا اور بے دین کو "راہِ حق" نہیں مل سکتا۔ اس کے بعد "حقیقت و معرفت" ہے اور یہ وہ دولتِ عظمیٰ ہے جو عارفوں کے سینوں میں ہویدا ہے اور شریعت و طریقت کا اصل مقصود ہے ؎

حقیقت راہِ حق سرِ نہان است
درون جان و بیرون از جہان است

راہِ حق دل کے ساتھ طے کی جاتی ہے اور دل ایک ہے ؎

نہ جانے دو دارم نہ یارے دگر
خیالِ تو دارم نہ کارے دگر

اسی لئے کہتے ہیں کہ حقیقت و معرفت میں بعض حلال چیزوں کا ترک ایسا ہی فرض ہے جیسا شریعت میں طلب حلال ؎

اے دل بیروں کنم غم دنیا و آخرت
یا خانہ جائے رخصت بود یا خیال دوست

دل کے امراض تین ہیں جب تک وہ موجود ہیں غیر حق کے ساتھ مشغول ہے اور حق تعالےٰ سے دُور ہے۔

اوّل حدیث نفس۔ جو ارادہ اور اختیار کے ساتھ دل میں خیال گذرے خواہ برملا ہو یا پوشیدہ، خواہ نماز میں ہو یا بیرون نماز ہو۔

دوسرے خطرۂ دل۔ وہ خیالات جو دل میں بلاقصد و ارادہ آتے جاتے ہیں۔

تیسرے نظرِ دل۔ ماسوا اللہ کی جانب توجہ اور اشیاء کا علم و ادراک۔

ان تینوں مرضوں کی وجہ سے دل خراب و خستہ اور محض ویرانہ ہے جو خدا سے دور پڑا رہے۔ طالبِ صادق کو جب بھی توفیق الٰہی نصیب ہو فوراً کسی مرشد کامل سے وابستہ ہو جائے پھر اصل کام باطن کو مشغول کرنا ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ اسم اعظم یعنی اسم ذات کو حدیث نفس کی جگہ جمائے، اور یہ

ایسی کمند ہے جو ایک دم عالم سفلی سے عالم علوی پر پہنچا دیتی ہے اور اسمائے صفات جیسے علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام وغیرہ کو خطرۂ دل کے مقام پر بٹھائے۔ یہ وہ آگ ہے جو غیر اللہ کے سوا تمام خس و خاشاک کو جلا کر خاکستر کردیتی ہے اور محبت خداوندی کی آگ کو بھڑکا دیتی ہے اور نظر دل کو ہمیشہ مرشد کے جمال پر رکھے تاکہ مرشد کے جمال کے ذریعے جو مشاہد و محسوس ہے، حق تعالیٰ کے جمال تک رسائی ہو جو آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور ادراک و شعور سے بالاتر ہے۔

جب طالب صادق مرشد کامل کی ہدایت کے موافق اس طور پر ذکر میں مشغول ہوگا تو خداوند کریم کی مدد و اعانت سے ابتدا ہی میں وہ امور حاصل ہو جائیں جو برسوں میں نصیب ہوتے ہیں

طریق ذکر۔ مرشد کامل کی تلقین کے بعد ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ تنگ و تاریک حجرے میں چوزانو ہو کر بیٹھے۔ چوزانو بیٹھنا اگرچہ بدعت ہے اور کوئی پیغمبر چوزانو نہیں بیٹھا ہے مگر چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چوزانوں بیٹھنا ثابت ہے۔ اس لئے اس کی اجازت ہے اور بضرورت اس میں کوئی کراہت نہیں جیساکہ فقہا کی تصریحات ہیں۔ مشائخ طریقت بعض ضروری فوائد کی وجہ سے مریدوں کو ذکر میں چوزانوں بیٹھنے کی ہدایت کرتے ہیں پس چوزانوں بیٹھ کر پشت کو سیدھا رکھے کہ ذرا خم نہ آئے اور آنکھوں کو بند کرے دونوں ہاتھ زانوں پر رکھے اور داہنے پیر کے انگوٹھے اور اس کی متصل انگلی سے بائیں پیر کی رگ کیماس کو مضبوط پکڑے۔ رگ کیماس کا تعلق براہ راست قلب کے اندرون سے ہے جب اس پر زور پڑے گا تو قلب میں حرارت اور نظافت پیدا ہوگی اور جلد متاثر ہوگا۔ پھر بیست و یک زبان کے ساتھ ذکر خفی یا جہری میں قوت کے ساتھ مشغول ہو تاکہ عادت، عبادت بن جائے اس لئے کہ عادت اور عبادت میں صرف قصد و قوت کا فرق ہے جو کام قصد و قوت کے

ساتھ ہے وہ عبادت ہے۔ ورنہ محض عادت ہے۔

بست ویک زبان سے مراد یہ ہے کہ ایک زبان اور ہاتھ پیر کی بیس انگلیاں ہیں۔ ان سب اعضاء کو قوت کے ساتھ ایسی طرح ذکر میں مشغول کرے، کہ خشوع و خضوع کا اثر تمام اعضاء اور مغز اور رگ و پوست میں پیوست ہو جائے اور ذکر اللہ اندرون میں جڑ پکڑ جائے اور مکاشفاتِ ربانی کے ثمرات نمودار ہو جائیں جیساکہ ارشاد ربانی ہے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَاءِ

ذکر نفی و اثبات ۔ کلمہ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ کے ذکر کو ذکر نفی و اثبات کہتے ہیں۔ جو مشائخ طریقت کے یہاں ضروری اور پسندیدہ ہے جیساکہ حکم ربانی ہے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۔ محض زبان کے ساتھ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا بھی بڑی عظیم الشان تاثیر رکھتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔ من قال لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خالصاً مخلصاً دخل الجنۃ ۔ یہ ایک ایسا اعلیٰ کلمہ طیبہ ہے کہ جب بھی زبان سے نکلتا ہے دل میں ایک نیا نور اور نئی صفائی و پاکیزگی پیدا کرتا ہے اور اس کو ایک بار کہنے سے سو سالہ بت پرست بھی مسلمان ہو جاتا ہے اور عمر بھر کا کفر و شرک ملیامیٹ ہو جاتا ہے اور ذکر دو ضربی و مادم خوب کرے اتنا کہ سراسر ذکر میں مستغرق اور محو ہو جائے۔

ذکر دو ضربی یہ ہے کہ ایک ضرب لَا اِلٰہَ کی اور دوسری اِلَّا اللّٰہُ کی جائے اور تیسری یا پانچویں یا ساتویں یا دسویں بار مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ بھی کہنا چاہیئے تاکہ پورے کلمہ طیبہ کا ذکر ہو جائے اور اس کے تینوں رکن مضبوط قائم ہو جائیں۔ اس لئے کہ ذکر کے یہی تین رکن ہیں اوّل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو زبان سے ادا کرنا دوسرے اس کے معنی کا استحضار اور دھیان یعنی اس ذات وحدہٗ لاشریک لہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی مقصود ہے اور نہ کوئی مطلوب ہے اور نہ کوئی موجود ہے جو کچھ ہے وہی وہ ہے اور بس

تیسرے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا مستحکم اور مضبوط واسطہ جس کے ساتھ وابستگی بغیر سب کچھ بے سود ہے۔

خطرات یہ ہیں۔ اول خطرہ شیطانی جو سراسر معصیت ہے، دوسرے خطرہ نفسانی یعنی لذات و خواہشات کی رغبت۔ تیسرے خطرہ ملکی یعنی عبادات اور طاعات کی رغبت۔ چوتھے خطرہ رحمانی یعنی حق سبحانہٗ کی ذات کا عرفان و محبت اور درد و طلب، یہ اجمال ہے ورنہ خطرات کے ادراک کی تفصیل صرف عارف ربانی جان سکتا ہے۔

ذکر سہ پایہ۔ اس ذکر کے تین ارکان ہیں۔ ایک اسم ذات مقام حدیث نفس میں۔ دوسرے ملاحظہ صفات امہات یعنی سمیع و بصیر و علیم خطرہ میں۔ تیسرے مرکز اور واسطہ کا استحضار مقام نظر دل میں۔ اس ذکر کو سہ پایہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک رکن بھی فوت اور ضائع ہو جائے تو اس ذکر کی حقیقت فوت ہو جاتی ہے اور اصلی منافع مرتب نہیں ہوتے یہی معنی رکن کے ہیں۔ پھر نہایت شد و مد اور ذوق و شوق اور حلاوت و طراوت کے ساتھ ایسا ذکر میں مشغول ہو کہ اپنے وجود سے بھی بے خبر ہو جائے یہی معنی فنا فی اللہ کے ہیں۔

ذکر پاس انفاس۔ پاسِ انفاس کا طریقہ یہ ہے کہ کلمہ لَا اِلٰہ کو سانس کے ساتھ نیچے لے جائے اور کلمہ اِلَّا اللّٰہُ کو سانس کے ساتھ اوپر لائے اور دمبدم ذکر میں مشغول ہو۔ سانس کو نیچے لے جاتے اور اُوپر لانے میں نظر ناف پر رکھے اور وہیں سے ذاکر ہوئے منہ کو بند کر کے بلا زبان کو حرکت دئے محض سانس سے ذکر کرے اور اس قدر کرے کہ ذکر میں محو اور مستغرق ہو جائے اور ذکر اصل زندگی بن جائے اور سوتے جاگتے ہر حال میں پاس انفاس جاری رہے۔

دوسرا طریق پاس انفاس کا یہ ہے کہ لفظ اللہ کے ساتھ سانس نیچے

لے جائے اور لفظ ھو کے ساتھ اوپر لائے اور ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول اور مستغرق رہے۔ مبتدی کو پاسِ انفاس کی کثرت سے دوام ذکر کی دولت و سعادت جلد حاصل ہو جاتی ہے اور چونکہ سانس کو دل کے ساتھ قریبی رابطہ اور واسطہ ہے اس لیئے دل بہت جلد ذاکر ہو جاتا ہے۔

روز قیامت ہر شخص سے سوال ہو گا کہ اپنے سانس کس کام اور مشغلہ میں صرف کیئے۔ ع

انفاس پاس دار اگر مرد عارفی

مراقبہ۔ مراقبے چند ہیں۔

مراقبہ صفا۔ مراقبہ فنا۔ مراقبہ توحید۔ مراقبہ ہوا

ذکر خفی کے وقت دونوں آنکھیں بند رکھے اور دل پر دھیان رکھے اور حق تعالےٰ کو حاضر و ناظر جانے اس کو مراقبہ صفا کہتے ہیں۔ اگر اسی حال فنا اور محویت تام حاصل ہو جاتے تو یہ مراقبہ فنا ہے۔ پھر یہ محویت اپنے وجود سے بالکل بے خبر بنا دے تو یہی مراقبہ توحید ہے۔ پھر عشق و محبت کی آگ اندرون سے اٹھتی ہے اور سراپا عشق بنا دیتی ہے یہی مراقبہ ھوا ہے۔ یہ چند ضروری باتیں شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کی کتاب ارشاد الطالبین سے جمع کی گئیں تاکہ وقت ضرورت کام آئیں۔

کشف و کرامات

کشف و کرامت کوئی مطلوب اور مقصود شے نہیں اور نہ خلوص و للّٰہیت اور ولایت و مقبولیت کا صحیح معیار ہے۔ بسا اوقات خرق عادت امور نامقبول اور غیر معقول شخصیتوں سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جن کو صوفیا ر

کی اصطلاح میں استدراج کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ ناواقف اور نافہم لوگ بیشتر ان امور کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس لئے محض تفریح طبع کے لئے چند واقعات لکھے جاتے ہیں

(۱) بزرگوں سے سنا ہے کہ جس زمانے میں حضرت مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ محلہ مولویان کی موجودہ مسجد کو تعمیر کرا رہے تھے تو مکان سے آتے اور جاتے وقت راستہ میں ایک کوڑی پڑتی تھی وہاں بغور کچھ دیکھتے تھے پھر ایک دن فرمایا اس کوڑی کو اٹھا کر دیکھو یہاں سے ایک نور کی شعاع نکلتی ہے اور آسمان تک پہنچتی ہے چنانچہ اس کوڑی کو اٹھایا گیا اور جس جگہ حضرت مفتی صاحب نے بتایا وہاں کھودا گیا تو ایک گول پتھر نکلا جس پر لفظ اللہ لکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا یہ نور اسی نام پاک کا تھا اور اس پتھر کو صاف کرا کر مسجد مذکور کی محراب کے وسط میں نصب کرا دیا۔ محلہ مولویان کی موجودہ مسجد حضرت مفتی صاحب ہی کی یادگار ہے جس کی تعمیر ۱۲۴۰ھ میں تمام ہوئی۔ اس مسجد کی تعمیر میں بعض انگریزی ملازمین نے روپیہ دینا چاہا تو حضرت مفتی صاحب نے یہ کہہ کر واپس کر دیا تمہاری تنخواہ کا روپیہ مال حرام ہے اس کو مسجد میں نہیں لگایا جا سکتا۔

(۲) حضرت مفتی صاحبؒ کی صاحب زادی کا نکاح تھا۔ ایک دم نہایت شدت کی بارش شروع ہو گئی۔ حضرت مفتی صاحب بارش میں کھڑے ہوئے اور عرض کیا خداوندا اس کار خیر کو پورا ہونے اور بارات کے رخصت ہونے تک بارش کو موقوف فرما۔ چنانچہ فوراً بارش بند ہو گئی اور تمام کاموں سے فراغت تک موقوف رہی

(۳) اسی طرح ایک دفعہ ایک سفر میں سخت بارش شروع ہو گئی جس سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی جو طلبا اس وقت حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ تھے سخت پریشان ہو گئے اور اس تکلیف کو برداشت نہ کر سکے۔ حضرت مفتی صاحب نے طلبا کے اس اضطراب کو دیکھ کر جو اضطرار کی حد تک پہنچ گیا تھا ایک عمل پڑھنے کے لئے تلقین فرمایا اس عمل کو شروع کرتے ہی ایک دم ان پر بارش برسنی موقوف ہو گئی

دائیں اور بائیں پانی خوب برس رہا تھا جو ہر شخص کو دکھائی دیتا تھا۔ لیکن ان پر ایک قطرہ بھی نہ پڑتا تھا۔ (حالات بر اختتام)

(۴) خود حضرت مفتی صاحب ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ کثرتِ عبادت اور ریاضت کی بدولت مجھ سے درمیانی حجابات رفع ہو گئے تھے اور ہر دور و نزدیک کی چیز یکساں دکھائی دیتی تھی۔ چنانچہ جب میں نے اپنے ایک دوست سے اس کا تذکرہ کیا تو اس نے امتحان کے طور پر مجھے بہت ہی غایب چیزوں کے متعلق سوالات کئے جب میں نے اس کو صحیح صحیح جوابات بتلائے تو وہ حیران رہ گیا اور میری بات کی صداقت کا یقین آگیا۔

ظاہری اوصاف

توکّل و قناعت حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں خلوص وللّٰہیت عام مقبولیت شہرت اور عزت وحرمت سب کچھ تھا مگر ظاہری شان وشوکت اور دولت وثروت بالکل نہ تھی۔ متوکلانہ اور درویشانہ صبر و قناعت کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی اور جو معمولی جائداد مولانا محمد مدرس صاحب سے ملی تھی۔ ان میں سب بھائیوں کا گذر ہوتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب سکندر والے مکان میں رہتے تھے۔ اسی مکان میں مولینا شیخ الاسلام صاحب کا قیام رہا۔ چھوٹا سا مکان تھا۔ یہی آپ کی درسگاہ تھی۔ اور یہی آپکی خانقاہ تھی اور یہی آپ کی نشست گاہ تھی اور یہی دارالافتا تھا۔ اسی چھوٹے سے مکان میں سب کچھ ہوتا تھا۔ حضرت سید صاحب بریلویؒ بھی اسی میں رونق افروز ہوئے اور دیگر کاملین و عارفین بھی اسی میں جلوہ افروز ہوئے جس کی برکات اور اثرات اس گھر میں رہنے والے آج تک محسوس کرتے ہیں۔ یہ مکان بہت چھوٹا تھا اور حضرت مفتی صاحبؒ کا کنبہ ماشاء اللہ زائد تھا۔ بیٹے بیٹیاں

پوتے نواسے غرض عدم گنجائش کی وجہ سے اوپر نیچے چارپائیاں بچھی تھیں اور ایک چارپائی پر دو دو سوتے تھے تب گذر ہوتا تھا۔ مگر حضرت مفتی صاحب نے کبھی اس تنگی کو تنگی محسوس نہ کیا اور نہ کبھی اس کو دور کرنے کی طرف توجہ کی چنانچہ جب آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم صاحب نے گھبرا کر ملازمت کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کو بہت منع کیا اور ہر چند سمجھایا مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے اور اپنی ضد پر قائم رہے تو مجبوراً لاچار حضرت مفتی صاحب نے ان کو ایک سفارشی خط کسی حاکم کے نام لکھ کر دیا جس کے الفاظ صرف یہ تھے :۔

"ابوالقاسم تمہارے ساتھ جہنم میں ٹھکانا چاہتا ہے"

ان الفاظ مبارک کا بھی ان پر اس قدر اثر ہوا کہ مولوی ابوالقاسم کی تھانہ داری کا پروانہ لے کر خود حاضر خدمت ہوا۔ چنانچہ مولوی ابوالقاسم صاحب تھانہ دار ہو گئے اور بڑی مال و دولت جمع کی مگر حضرت مفتی صاحب اسی طرح متوکلانہ اور درویشانہ زندگی بسر فرماتے رہے۔ ان کے پیسہ سے ان کو کوئی سروکار اور واسطہ نہ تھا۔ مفتی صاحب کے دو بھائی مولانا خدابخش صاحبؒ اور مولانا امام الدین صاحبؒ کا بیری والے مکان میں قیام تھا۔ اسی مکان میں آخر تک مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا قیام رہا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ تیسرے بھائی شاہ کمال الدین صاحبؒ حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس رہتے تھے یا باقی دونوں بھائیوں کے ساتھ یا علیحدہ کسی مکان میں سکونت تھی۔

غرض خاندانی بزرگوں کی اصل خلوت گاہ اور جلوت گاہ وہی چھوٹی عمارت تھی۔ یہ عالی شان محل جس میں آج کل ہم مقیم ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ نے اپنی آخر عمر میں اپنے صاحبزادے مولانا نور الحسن صاحب کی آمدنی ملازمت سے تعمیر کرایا جس کی تعمیر ۱۲۶۳ھ میں حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے

انیس ۲۵ سال بعد ہوئی۔ حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ صرف ۴۔۵ سال اس مکان میں قیام فرماسکے اور ہمیشہ افسوس کیا کرتے تھے کہ آخیر عمر میں اس تعمیر کا بوجھ سر پر لیے جا رہا ہوں۔ خداوند قدوس کی بارگاہ میں کیا عذر پیش کروں گا۔

جہاد و ریاضت حضرت مفتی صاحبؒ کو ابتدا ہی سے ریاضت و عبادت کا ذوق و شوق تھا اور اسی میں لذت و حلاوت محسوس فرماتے تھے۔ چنانچہ خود ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں " درایام جوانی چناں معاملہ داشتم کہ شبہا تخفیفے و مداومت صلوٰۃ تہجد کردے چنانکہ حجب مانع روایت از میاں برید " ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں از ابتدا ر عنفوان طفولیت الیٰ ایں متانذاکر سن کہولت و سن انتہائے صدی دوازدھم است رغبت خاطر اکثر بطرف طاعت واوراد ماندہ . . . . واکثر اوقات داعیہ ترک لباس بالجزم می شود۔ لیکن بدو وجہ در توقیم یکے ادائے حقوق واجبہ عباد اللہ و دیگر فقدان شخصے کہ ہادی راہ باشد "۔

یہ ابتدائی جذبات اور حالات تھے جو خود مفتی صاحبؒ ہی کے قلم کے لکھے ہوئے مل گئے اور آخر عمر میں تو ذوق عبادت اور شوق ریاضت اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ متواتر تین تین روز تک کوئی چیز نہ کھاتے تھے اور تمام حوائج ضروریہ سے بے نیاز رہتے اور عبادت و طاعت میں مشغول رہتے تھے۔ جب کبھی دہلی وغیرہ کا سفر ہوتا تھا ایک روز پہلے سے غذا ترک فرماتے تھے اور درمیانِ سفر میں بالکل نہ غذا استعمال فرماتے تھے اور نہ قضائے حاجت کی ضرورت لاحق ہوتی تھی اور یہ ایسی عادتِ مستمرہ ہوگئی تھی جس میں آپ کو کبھی کوئی دشواری محسوس نہ ہوتی تھی اور کئی کئی دن متواتر اسی طرح بغیر کھائے بے تکلف گذار دیتے تھے۔

تقویٰ و پرہیزگاری حضرت مفتی صاحبؒ کے تقویٰ و پرہیزگاری کے دو واقعہ ضمناً پہلے آچکے۔ اول یہ کہ انھوں نے اپنے صاحبزادہ مولوی ابوالقاسم کی سرکاری ملازمت کی طلب کو دخولِ جہنم کی خواہش سے تعبیر فرمایا۔ اور پھر ان کے

اس ذریعہ معاش کو حرام قرار دے کر ان کی آمدنی سے ہمیشہ پرہیز فرمایا۔ دوسرے یہ کہ سرکاری ملازمت کے پیسہ کو تعمیر مسجد میں خرچ کرنا بھی احتیاط اور تقوے کے خلاف سمجھا اور رد فرما دیا۔ ان دونوں واقعوں سے حضرت مفتی صاحبؒ کی شانِ تقویٰ بخوبی نمایاں ہوتی ہے۔ خود حضرت مفتی صاحبؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

در اکل و ملبس اجتناب از حرام بر نفس خود لازم گردانیدم و تساہل نورزم اگرچہ محل اتقار شبہات شوق این زمانہ نیست لیکن از حرام صریح پرہیز باید ورزید۔	کھانے اور پہننے میں حرام سے پرہیز میں نے اپنے پر لازم کر رکھا ہے۔ اور اس میں کبھی تساہل نہیں کرتا اگرچہ شبہات سے بچنے کا یہ زمانہ نہیں لیکن حرام صریح سے پرہیز ضرور رکھنا چاہیے

شاید اسی زہد و تقوےٰ کے باعث حضرت مفتی صاحبؒ نے نواب ضابطہ خاں مرحوم کے خاندان سے ملازمت کا تعلق قطع فرمایا۔ اور ریاست بھوپال کے منصب افتا کو چھوڑا۔ اسی اندرونی جذبے کو حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک رباعی میں اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

در فکر معاش چند باشم ربّی تا کے بہ پیش جگر خراشم ربّی
خواہم بنا کساں نباشم محتاج باشد ز خزینہ اشک معاشم ربّی

تواضع و انکساری | حضرت مفتی صاحبؒ کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں تواضع اور انکساری حد سے زیادہ تھی۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب باوجودیکہ ہم سبق ساتھی، لیکن جہاں کہیں ان کی کوئی بات نقل کرتے ہیں ایسے القاب اور آداب کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ اُستاد اور شیخ ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے چھوٹے بھائی مولانا امام الدین صاحب کی تحقیقاتِ علمیہ کو اس انداز سے نقل کرتے ہیں کہ چھوٹے ہونے کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ یہی تواضع اور انکساری کا غلبہ تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنے

چھوٹوں سے کسب کمال اور استفاضہ میں کبھی تامل نہیں ہوا جس کے واقعات پہلے درج ہو چکے ہیں کی آخری کڑی سید احمد شہید کی طرف رجوع ہے۔
حضرت مفتی صاحب کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ بھائیو ساٹھ برس سے آج تک جو ہم نے پیسا تھا وہ سب دلیا تھا۔ اب سید صاحب کی بدولت میدہ ہو گیا۔ مفتی صاحبؒ ایسے بڑے عالم متبحر تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ مگر سید صاحب کی نعلین برداری کو اپنا فخر دارین جانتے تھے۔
(سوانح احمدی)

نیز حضرت مفتی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری مثال اس صندوق کی سی ہے جو جواہرات سے پُر ہو مگر وہ صندوق ان جواہرات کی قدر و قیمت نہیں پہچانتا بلکہ جوہری پرکھ کر ہر ایک کی قیمت بتلاتا ہے۔ اسی طرح ہم نے سب کچھ پڑھا مگر جو سید صاحب نے سمجھا وہ ہم نے نہ سمجھا تو سید صاحب جوہری ہیں اور ہم صندوق ہیں۔

حقوق العباد کی نگرانی | حضرت مفتی صاحب کے یہاں حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کا بھی بہت زیادہ اہتمام تھا۔ جابجا اپنی بیاض میں اپنے والد بزرگوار اور اکابرین سے حقوق کی معافی اور تلافی کا تذکرہ فرمایا ہے اور اگر کسی کی معمولی شے بھی پاس آگئی تو بار بار اس کو اپنی یادداشت میں قلم بند فرمایا ہے اور اس کی واپسی کا پورا انتظام فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر حقوق العباد کی ادائیگی ضروری نہ ہوتی اور اہل و عیال کی خبر گیری ذمہ نہ ہوتی تو دنیا سے یک سر تعلق منقطع کر لیتا۔

خوف و خشیہ خداوندی | حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں خوف و خشیہ الٰہی کا بھی بہت زیادہ غلبہ تھا۔ اسی لئے بار بار جگہ جگہ اپنی توبہ و ندامت اور بے چارگی و شرمندگی کا تذکرہ ہے۔ اشعار میں بھی یہ جذبہ نمایاں ہے چنانچہ ایک رباعی میں فرماتے ہیں:۔

آنم کہ گنہگار تراز من کسے نیست — آوارہ بدکار تراز من کسے نیست
بار حمت عاصی کہ تو داری یارب — ذانم کہ سزاوار تراز من کسے نیست

اسی غلبہ خوف وخشیہ میں ایک جگہ مفصل توبہ نامہ درج کیا ہے جو اگرچہ غلبۂ حال ہے لیکن اس سے اندرونی جذبات کا بخوبی پتہ چلتا ہے اسی لئے درج کیا جاتا ہے۔

اظہار شرمساری کل ابن آدم خطاء وخیر الخطائین التوابون (حدیث) (ہر بنی آدم خطاکار ہے اور بہترین خطارکار توبہ کرنے والے ہیں۔) زمانہ بچپن کی ابتدا رسے آج کے دن تک کہ بڑھاپے کا زمانہ ہے اور بارھویں صدی کا منتہی ہے۔ دل کا میلان بیشتر طاعت وعبادت کی جانب رہا ہے۔ اس کے باوجود چونکہ اپنا وجود ہی سراپا خطار اور گنہگار ہے۔ اس لئے خطاوں کے بعد بہت توبہ و استغفار اظہار ندامت کرتا ہوں اور اکثر اوقات ترک دنیا کا جذبہ پختہ ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر دو وجہ سے رک جاتا ہوں۔ اول حقوق العباد کی ادائیگی دوسرے ایسے شخص کا فقدان جو صحیح رہنمائی کرے کہ الرفیق ثم الطریق (پہلے رفیق سفر تلاش کرے پھر سفر اختیار کرے) بہت لوگ مجھے اپنی طرف کھینچتے ہیں لیکن میں اپنے جوہر کی ناقابلیت کو بخوبی جانتا ہوں۔ بلا کسی قوی تاثیر آدمی کے میرا سخت دل نرم نہیں ہو سکتا بہرحال یہ سب نفس و شیطان کا مکر و فریب ہے جو اس کار خیر میں حائل ہے۔ اللہ رب العزت اپنا عشق و محبت عطا فرمائے اور صلحار و شہدار کی موت نصیب فرمائے۔ اب کہ ۱۱۹۹ھ ذی الحجہ کا مہینہ ہے اور اس محرم الحرام سے بارھویں ہجری شروع ہو گی۔ صدق دل کے ساتھ تمام سالقہ صغائر اور کبائر حقوق اللہ اور حقوق العباد سے توبۂ نصوح کرتا ہوں اور دل کے اندرون سے عہد کرتا ہوں کہ کبھی کسی گناہ کا مرتکب نہ ہوں گا۔ حق تعالےٰ شانہ قبول فرمائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے اگر اپنے گناہوں کو شمار کروں اور گناہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے استغفار

کروں تو اس میں اپنی روسیاہی ہے اور دوستوں کے سامنے شرمندگی ہے۔ اس کا امیدوار ہوں کہ جس ستار العیوب نے دنیا میں پردہ پوشی فرمائی ہے۔ وہ آخرت میں بھی پردہ پوشی فرمائے گا۔ پھر بھی چند گناہ جو بار بار سرزد ہوئے بہ تفصیل نہایت پختگی کے ساتھ ان سے توبہ کرتا ہوں اور قوت و مدد الٰہی سے آئندہ کبھی ان کا مرتکب نہ ہوں گا۔ جن میں سب سے بڑا میری نگاہ میں غیر اللہ کے ساتھ دل بستگی ہے جو شے بھی اللہ کے غیر میں مشغول کر دے وہی بت اور صنم ہے اس ذات کے ساتھ کیوں نہ دل بستگی ہو جس کو ہرگز فنا نہیں۔ سارا عشق و محبت اس حیّ و قیوم کے ساتھ ہونا چاہیے کہ لا الٰہ الا ھو ولا محبوب الا ھو ولا مطلوب الا ھو جو توجیہات میں اور مجھ جیسے کرتے ہیں کہ یہ محبوب حقیقی کا ظہور ہے محض نفس مکّار کا مکر و فریب ہے ظاہر کو مظہر حقیقی سے کیا سروکار کاملین کا مقام دوسرا ہے اور ہم ہوا پرستوں کا مقام دوسرا ہے ؎

توبہ بر لب سبحہ بر کف دل پر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید زِ استغفار ما

؎ در دل ہوسِ گناہ و بر لب توبہ — زیں توبہ نادرست یارب توبہ

کسی نے کیا خوب کہا ہے ہمارے استغفار کے لئے بھی بہت استغفاروں کی ضرورت ہے۔ غرض خداوند تعالیٰ میری اس توبہ کو قائم رکھے۔

دوسرے مزامیر وغیرہ کا سننا جن سے بارہا توبہ کی اور پھر توڑ دی اس اپنی توبہ سے سخت شرمندہ ہوں ؎

من بیاد لب او توبہ شکستم دگرے — بر در میکدہ سرمست نشستم دگرے
پیش ازیں صوفی سجادہ نشیں من بودم — ایں زماں دردکشِ بادہ پرستم دگرے

دوسرے کھانے اور پہننے میں حرام سے پرہیز اپنے پر لازم کرتا ہوں کبھی اس میں تساہل نہ برتوں گا۔ اگرچہ شبہات سے بچنے کا یہ زمانہ نہیں ہے لیکن صریح حرام سے پرہیز رکھنا ضروری ہے۔ نیز بعض کتابیں لوگوں کی میرے پاس ہیں ان میں

جو زندہ ہیں۔ انشاء اللہ ان تک پہنچاؤں گا یا اُن سے بری الذمہ ہوں گا اور جو لاپتہ ہیں اُن کے لئے استغفار کرتا ہوں اللھم ارض خصوصی منی باعطاء النعیم فی الجنان ولا تکلھم الی۔ نیز جھوٹ، غیبت، چغل خوری جہاں کہیں بھی اور جس قدر بھی ہوں گے خصوصاً واقعات اور قصوں اور احباب کی باتوں کی نقل میں اگرچہ یہ امور بھی کم تر ہیں لیکن زہر تھوڑا بھی بہت ہے۔ بندہ اگرچہ سراپا تقصیر ہے لیکن مذکورہ امور سے پرہیز ازبس ضروری ہے۔ اپنی طرف سے ان کی پابندی کا پورا عہد کرتا ہوں اور اپنی باگ ڈور اپنے مالک کے حوالہ کرتا ہوں ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

دجال کے خروج کا زمانہ قریب آگیا اور فتنے بارش کے قطروں کی طرح برس رہے ہیں اور موت ہر وقت گھات میں پس چند روز کے لئے کیوں گناہوں کا بوجھ کمزور کاندھوں پر رکھوں لیکن عجب مشکل یہ آپڑی کہ ہمارے قلوب اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر چاہے پھیر دے۔ ہوائے نفسانی اور ضلالت شیطانی ہر وقت ہمراہ ہے اور توفیق و ہدایت سب قادر جہاں کی طرف سے ہے سخت حیران کہ کس جال میں پھنسا ہوں۔ نواب عبداللہ مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

مجال دم زدن نیست بہ مجبوری
زرخصت ادب اظہار اختیار کنم

کسی نے کیا خوب کہا ہے "بندہ اپنے افعال میں مختار ہے اور اپنے اختیار میں مجبور ہے" خیر جو کچھ بھی سالک کے لئے پیش آئے سب خیر ہی خیر ہے۔ شاید یہی وجود دنیوی ہمارے حق میں بہتر ہوئے یہ کیا کم نعمت ہے کہ کلمہ گو ہوں محمدی ہوں اور مسجود حقیقی کو سجدہ کرتا ہوں اگر ایک سجدہ بھی مقبول بارگاہ ہو جائے تو نجات کے لئے کافی ہے الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً۔

حضرت مفتی صاحب پر ابتدا میں چشتی رنگ غالب تھا اور قوالی سنتے تھے۔ لیکن تیرھویں صدی کے آغاز سے پہلے اس کو غلاتِ سنت اور شریعت ہونے کی وجہ سے اس کو بالکل ترک فرما دیا تھا جیسا کہ اس اظہاری شرمساری میں ذکر ہے۔ نیز تحریر فرماتے ہیں

در حینے از احیان بتقریب معالجہ محمد فاضل خاں در امیر نگر وارد شدم قلندرے قوال بدیں ابیات بسیار وقت مارا خوش کرد ولیکن بدوں مزامیر بود کہ ایں قصہ شنیدن بعد از توبہ است	ایک دفعہ محمد فاضل خاں کے معالجہ کے سلسلہ میں امیر نگر جاتا ہوا ایک قلندر قوال نے ان اشعار کے ساتھ خوش وقت کیا لیکن مزامیر کے بغیر تھے اس لئے کہ یہ اشعار سننے کا واقعہ توبہ کے بعد کا ہے۔

اظہار شرمساری کے دیگر معاصی بھی بظاہر انکساری اور انکساری پر مبنی ہیں یہ اور حسنات الابرار سئیات المقربین کے قبیل سے ہیں۔ مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب بغرض معالجہ باہر بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اس توبہ نامہ کے درج کرنے کی حاجت نہ تھی محض دوسروں کی عبرت اور نصیحت کے لئے نقل کر دیا گیا ہے۔

مرض و وفات | حضرت مفتی صاحبؒ نے بیاسی[۸۲] سال اس خاکستان میں بسر فرمائے اور ساری عمر یاد الٰہی اور مخلوق کی خدمت گذاری میں صرف فرمائی۔

زہد و ریاضت اور کثرت عبادت و طاعت کے باعث آخر زمانے میں ضعف و نقاہت بہت زیادہ بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے رات کو سوتے وقت کو مرکب دوا استعمال فرمایا کرتے تھے اور یہ دوا کھلانے کی خدمت میں ایک طالبعلم کے سپرد تھی۔ حسبِ معمول ایک رات کو وہ دوا طلب فرمائی اس وقت وہ طالب علم موجود نہ تھا۔ کسی دوسرے شخص نے کوئی اور دوا لا کر دے دی اس کو کھانے کے تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی صاحب پر غشی طاری ہو گئی اور

ہوش وحواس معطل ہوگئے ایک شب وروز اسی حالت میں گذرا اور اسی حال میں بروز یک شنبہ ۱۵ر جمادی الاخری ۱۲۷۷ھ کو بوقت مغرب سفر آخرت اختیار فرمایا۔ اللھم اغفرہ اگلے دن بروز دوشنبہ اس گنجینۂ معرفت کو قبرستان متصل عیدگاہ میں باقی تینوں بھائیوں کی آغوش میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

مزار مقدس | ایک شخص کو حضرت مفتی صاحب سے بہت عقیدت ومحبت تھی تقدیر الٰہی سے اس کی بینائی جاتی رہی وہ کسی کو ساتھ لے کر کاندھلے کے اطراف سے چلا یہاں پہنچا تو آپ کا وصال ہوچکا تھا۔ تجہیز وتکفین میں شریک ہوا۔ پھر مزار پر بیٹھ کر دعا کی خدایا اگر میری بینائی واپس آجائے تو مزار کو پختہ بنواؤں اور اس پر چراغاں کروں۔ خدا کی قدرت کاملہ سے فوراً اس کی بینائی واپس آگئی اور دونوں آنکھیں اس قدر روشن ہوگئیں کہ خود بخود بلا کسی کی اعانت کے گھر واپس لوٹا۔ پھر اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے چاروں بھائیوں کی قبروں کو جو یکجا برابر تھیں پختہ بنوایا اور چراغاں کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے خواب میں کسی خاندانی بزرگ کو اس پر تنبیہہ فرمائی۔ چنانچہ ان پختہ قبروں کو توڑ کر پھر خام کیا گیا بیچ کا حصہ خام ہے اور چاروں طرف کی پختہ تعمیر باقی رہ گئی تھی۔ سو اب بھی وہ نشانات باقی ہیں۔ ان قبروں کے چبوترے کے متصل داہنی جانب بڑے صاحبزادے حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کا مزار ہے اور اس کے پائیں ان کے صاحبزادے حضرت مولانا نورالحسن صاحب آرام فرما ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب جب کاندھلہ تشریف لاتے تو قبرستان بھی تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس قبرستان کے بزرگ اب بھی مخلوق خدا کی وہ خدمت انجام دے رہے ہیں جو موجودہ زندہ بزرگوں سے بھی نہیں ہو رہی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے اہم کارنامے

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ چودہ سال کی عمر میں ۱۲۰۰ھ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی بارگاہ میں پہنچے۔ تین سال بغرض تعلیم گذارے اور پھر اخیر تک اس آستانۂ عزیزی کے ساتھ وابستہ رہے۔ چنانچہ اختتام مثنوی پر جو حالات آپ کے درج ہیں ان میں تحریر ہے:

"حضرت ایشاں اولا بحضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ در سلسلہ قادریہ بعد تکمیل علوم ظاہری بیعت نمودند و تا مدت دراز حاضر خدمت شاہ صاحب ماندہ کسب کمالات باطنی بکمالی فرمودہ خلعت خلافت واجازت یافتند و در حیات جناب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ در ہیچ علم بہیچ کس رجوع نہ فرمودند و نہ از دیگر کسے ارادہ کسب فیض ظاہری و باطنی نمودند"

اس طویل رفاقت اور شدید تعلق کا لازمی اور بدیہی نتیجہ اور لابدی ثمرہ یہ تھا کہ جو امور حضرت شاہ صاحب کے مقاصد زندگی تھے۔ انہی میں حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی انہماک اور اشتغال تھا اور ان کی تکمیل مقصدِ حیات تھا۔ اور درحقیقت یہی امور حضرت مفتی صاحبؒ کے اعلیٰ کارنامے ہیں جو چند ہیں

(۱) "بدعات و رسومات کی تردید"

جو خلاف شرع رسوم اور بدعات رائج ہو گئی ہیں ان کے خلاف جدوجہد

اور اُن کے ازالہ کی کوشش ہمیشہ سے علمائے حق کا مقصدِ حیات رہا ہے جس کی وجہ سے دین اور بے دینی کی باتیں ہر دور میں نمایاں رہیں۔ اس آخری دور میں چونکہ بے دینی امور کا زیادہ غلبہ تھا اس لئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور ان کے تمام متوسلین کو اس طرف خصوصی توجہ کرنی پڑی، اور تمام خلاف شرع امور کو واضح طور پر نمایاں کرنا پڑا۔ چنانچہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے بھی جو اس وقت مرکز دین سمجھے جاتے تھے ان خلاف شرع رسومات اور بدعات کی تردید میں پوری جدوجہد فرمائی اور ان کے خلاف فتاوے لکھ کر عام کیے جن میں سے چند مختصر فتاویٰ ان کے حالات کے آخر میں درج کیے جائیں گے۔

(۲) رفض کی تردید اور روافض کی تکفیر

اس آخری دور میں بعض وزرار سلطنت کے غالی اور متعصب ہونے کی وجہ سے ہندوستان میں روافض کا غلبہ اور رفض کا زور ہو گیا تھا جس کے خلاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث کو قلمی جہاد کرنا پڑا اور متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ پھر شاہ عبدالعزیز صاحب نے حالات کی ناسازگاری کے باوجود اس کے خلاف صدائے حق بلند فرمائی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے بھی اس کے خلاف زور قلم خرچ کیا۔ مختلف اور متعدد فتاوے روافض کے خلاف صادر فرمائے۔ ایک رسالے کے شروع میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ آیات و احادیث اور اقوال ائمہ سے روافض کی تکفیر ثابت کی۔ اور ائمہ کے ان اقوال کی توضیح کی جن سے روافض کی تکفیر میں تامل ہوتا تھا اور ایک مستقل رسالہ "تلخیص الصواعق فی رد الروافض" تصنیف فرمایا جس میں رافضیوں کے تمام باطل معتقدات کی تردید اور ابطال ہے۔

---

(۳) دین کی حمایت اور عمومی اشاعت

دین کی اہم اور ضروری باتوں کو اُردو اور فارسی زبان میں منظوم کر کے عام فہم اور دل نشین بنانا تاکہ لوگوں میں دینداری رواج پائے اور دینی باتیں عموم پائیں ان مختلف مثنویوں اور منظومات کا مختصر تذکرہ پہلے "شعر و شاعری کے ضمن میں گذر چکا۔ آپ نے ایک طویل قصیدہ لکھ کر بادشاہ دہلی کو بھی بھیجا جس میں دین کی پابندی اور پاسداری کی ترغیب دی۔

(۴) برطانوی اقتدار کی مخالفت

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے منظور نظر تھے اور مجاہد ہند حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی سے بھی ۱۲۳۵ھ میں وابستہ ہو گئے تھے۔ یہ بالکل ناممکن اور محال ہے کہ پھر بھی آپ برطانوی اقتدار سے متنفر اور بیزار نہ ہوں اور برطانوی اقتدار کے خلاف جذبہ جہاد سے یکسر خالی ہوں۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی بیاض میں جہاد کے متعلق فتاوے پائے جاتے ہیں اور مفتی صاحب کے دو نواسے مولانا محمد صابر صاحب، اور مولانا محمد مصطفےٰ صاحب جو مفتی صاحب کے شاگرد رشید اور زیر تربیت بھی تھے۔ حضرت سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے اور مولینا محمد مصطفےٰ صاحب نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جیسا کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب حیرت کتاب سفینہ رحمانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت حافظ محمد مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ یکے از احفادان گرامی حضرت مفتی الٰہی بخش بودند در سن ایک ہزار دو صد چہل و سہ (۱۲۴۳ھ)

حضرت حافظ محمد مصطفےٰ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے نواسوں میں سے تھے ۱۲۴۳ھ میں جناب سید احمد

همراہ قافلہ جناب سید احمد مرحوم در ہنگامہ سکھاں ساغر خوش گوار شہادت فی سبیل اللہ چشیدند۔

مرحوم کے قافلہ کے ہمراہ سکھوں کے ہنگامہ میں شہادت فی سبیل اللہ کا خوش گوار ساغر چکھا۔

اُن کے دوسرے بھائی مولانا محمد صابر صاحب معرکۂ جہاد سے زندہ واپس تشریف لائے آگئے اور تا آخر اسی جد و جہد میں مشغول رہے۔ چنانچہ مولانا حیرت ان کے حالات میں لکھتے ہیں:

ہمہ عمر در سر براہی و امداد و اعانت قافلہ میر سید احمد مرحوم گزرانید

تمام عمر میر سید احمد مرحوم کے قافلہ کی ہم نوائی اور امداد و اعانت میں گذاری۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے تیسرے نواسے مولانا شاہ عبدالرزاق صاحبؒ تھے جو آپ کے شاگرد رشید اور خلیفہ و مجاز طریقت بھی تھے۔ ان کے متعلق مولانا سلیمان صاحبؒ اپنی قلمی تحریر میں لکھتے ہیں کہ ان تینوں صاحبوں نے سہارنپور میں فن سپہ گری کی تعلیم کے لئے اکھاڑہ قائم کر رکھا تھا اور اس میں باقاعدہ فوجی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ حضرت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ نے کاندھلہ میں بھی فن سپہ گری کی تعلیم کے لئے باقاعدہ اکھاڑہ قائم کر رکھا تھا جوان کے بعد بھی عرصہ تک قائم رہا۔ اب ظاہر ہے کہ ان حضرات کی جہاد میں شرکت اور یہ ساری سرگرمیاں حضرت مفتی صاحبؒ کے حکم اور ایما کے بغیر نہیں ہو سکتی جب کہ ان کی وابستگی اخیر تک اولاد کی طرح رہی اور حضرت مفتی صاحبؒ ہی کی وجہ سے اپنے وطن جھنجھانہ کو چھوڑ کر کاندھلہ میں سکونت اختیار کی۔

ان کے علاوہ حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا ابوالحسن صاحب خود بھی حضرت سید احمد شہیدؒ سے غایت درجہ محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت سید صاحب کی شان میں اور مناقب میں ایک طویل

قصیدہ بھی کہا ہے جس کو مولانا غلام رسول مہر نے حضرت سید صاحبؒ کی سوانح میں نقل کیا ہے۔ اس محبت و عقیدت کے ہوتے ہوئے بہت بعید ہے کہ آپ بھی حضرت سید صاحبؒ کی تحریک جہاد سے کنارہ کش رہے ہوں، حضرت مفتی صاحبؒ کے دوسرے صاحب زادہ مولانا ابوالقاسم صاحب بھی حضرت سید احمد صاحبؒ سے بیعت تھے اور عقیدت و محبت رکھتے تھے معتبر لوگوں سے یہ سنا ہے کہ خاندان میں اس وقت جذبۂ جہاد اس قدر عام تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کی زبان پر ہر وقت یہ فقرہ رہتا تھا " بندوق لاؤں جہاد کروں گا " اور حضرت سید صاحبؒ کے حالات اور واقعات کا ہر وقت خاندان میں چرچا اور تذکرہ رہتا تھا، جو عرصہ تک زبانوں پر رہا۔ چنانچہ جب مولانا ابوالحسن علی صاحب نے حضرت سید صاحبؒ کی سوانح لکھ کر حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی تو اس کو دیکھ کر حضرت موصوف نے فرمایا کہ "مولانا آپ کی اس کتاب نے میرے معلومات میں کچھ بھی اضافہ نہیں کیا" اس لئے کہ حضرت سید صاحبؒ کے یہ تمام حالات اور واقعات حضرت موصوف کے خاندانی بزرگوں کی زبانی سُنے ہوئے تھے اور پہلے سے معلوم تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح میں مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :-

"اس وقت گھر کے باہر اور اندر کی مجلسیں اور صحبتیں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے قصوں اور چرچوں سے گرم تھیں ان بزرگوں کے واقعات مردوں ▪ اور عورتوں کی زبانوں پر تھے۔ مائیں اور گھر کی بی بیاں بچوں سے طوطے مینا کے قصوں کے بجائے یہی رُوح پرور واقعات سنائیں اور یہ کچھ بہت زیادہ پرانی باتیں نہ تھیں۔ مولانا مظفر حسین صاحب کی آنکھوں دیکھی

باتیں اور ان کی صاحب زادی اور عزیزوں کی کانوں سنی حکایات تھیں سننے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کل کی باتیں ہیں۔

پھر حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں :

مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ سید صاحبؒ کے حالات کا علم نہ ہوگا۔ آپ کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ سے میری معلومات میں اضافہ نہیں ہوا۔

(سیرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص۱۲)

ان حالات اور واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ اور ان کے خاندان نے حضرت سید صاحب کی تحریک جہاد میں پورا پورا حصہ لیا اور ہر طرح اعانت و امداد کی۔ چنانچہ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ اور حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبؒ جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ جانے لگے تو انہوں نے اس تحریک جہاد کو ہندوستان میں جاری رکھنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی جس کے صدر حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ تھے اور اس کے ایک اہم رکن حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کاندھلوی تھے۔ اس کمیٹی نے ہندوستان میں اس تحریکِ جہاد کو قائم اور جاری رکھا۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"الصدر الحمید (مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ) مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب صاحبؒ دہلوی کو اپنے ساتھ لے گئے اور دہلی میں مولانا مملوک علیؒ کی صدارت سے مولانا قطب الدین دہلوی۔ مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ۔ مولانا عبد الغنی دہلویؒ کو ملا کر ایک بورڈ بنا دیا جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے گا۔ یہی جماعت آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے۔"

(حزب امام ولی اللہ دہلوی کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ ص۱۸)

باقیات صالحات

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی چند نوع کی یادگاریں چھوڑیں۔ جن کی حسنات ہمیشہ ان کی روح مطہر کو معطر بناتی رہیں گی۔ انشاء اللہ تعالےٰ (۱) تلامذہ (۲) خلفاء مجازین (۳) تصانیف (۴) اولاد و احفاد۔ ہر ایک کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تلامیذ

حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں سلسلۂ درس و تدریس سترہ سال کی عمر سے شروع ہوکر بیاسیؔ سال کی عمر تک متواتر ۶۵ سال جاری رہا۔ اس دوران میں سینکڑوں نے علوم و فیوض حاصل کئے جن کا احاطہ دشوار ہے۔ صرف بعض مشہور شاگردوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کے حالات اختتامِ مثنوی کے آخر میں مذکور ہیں۔

(۱) مولوی سیّد محمد قلندر صاحبؒ ساکن جلال آباد ضلع مظفر نگر۔ علوم ظاہری و باطنی کو جامع تھے۔ معرفت و طریقت میں نمایاں شان رکھتے تھے۔ بیشتر محویت اور استغراق میں رہتے تھے۔ درسِ حدیث کا بہت شوق تھا اور فرطِ تعلق کی بنا پر حالت بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے۔ اُن کی صاحبزادی کا عقد تھا تاریخ اور دن مقرر ہوچکا تھا۔ چند روز قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا "ہمارے پاس آؤ" یہ خواب دیکھتے ہی نکاح کا متولی دوسرے شخص کو بنایا

اور خود مدینہ طیبہ کو روانہ ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد بھی اکثر کاندھلہ تشریف لاتے تھے اور پاسِ ادب کی خاطر حدود قصبہ میں برہنہ پا رہتے تھے معمول تھا کہ آتے ہی اول سیدھے قبرستان جاتے اور دیر تک مزار پر مراقب رہتے پھر قصبہ میں آکر تمام متعلقین سے ملاقات کرتے اور ہر ایک کا انتہائی اعزاز و احترام کرتے تھے۔ پھر دورانِ قیام میں صبح و شام قبرستان حاضری دیتے تھے سنہ ۱۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۲) مولوی محمد حسن ساکن رامپور ضلع سہارنپور۔ علوم معقول و منقول میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ متقی و پرہیزگار صوفی منش بزرگ تھے۔

(۳) حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری۔ ابتداءً حضرت مفتی صاحب سے تعلیم حاصل کی پھر حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں علوم حدیث کی تکمیل کی اور درسِ حدیث کے سلسلہ کو جاری فرمایا۔

(۴) حکیم عزیز اللہ ساکن کاندھلہ۔ علم طب میں نمایاں شان رکھتے تھے اور عام مقبولیت اور شہرت حاصل تھی۔ نبض شناسی کے ماہر شمار ہوتے تھے۔

(۵) حکیم محمد خورشید ساکن پانی پت۔ تمام علوم و فنون پر دسترس حاصل تھی۔ فن طب میں ممتاز اور نمایاں تھے۔ متقی پرہیزگار بزرگ تھے۔

(۶) حضرت مولانا ابوالحسن صاحب (۷) مولانا ابوالقاسم صاحب صاحبزادگان حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۸) حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب ساکن جھنجھانہ ضلع مظفر نگر

علوم درسیہ میں مہارت تام اور دستگاہ کامل رکھتے تھے خصوصاً علم طب میں تمام اقران سے ممتاز تھے اور ساقی مطلق نے دستِ شفا عطا فرمایا تھا فنون سپہ گری میں استاد زمانہ تھے۔ اور فن بانک میں حضرت محمد امیر پنجہ کش کے شاگرد رشید اور خلیفہ و جانشین تھے۔

مثنوی مولانا روم کے عاشق زار تھے۔ ہر وقت اسی میں مستغرق رہتے تھے ساری مثنوی معنوی از بر یاد تھی اور مثنوی شریف کے درس کا خصوصی ذوق و شوق رکھتے تھے۔ مثنوی معنوی کا عام فیضان ان کی ذات گرامی سے جاری ہوا۔ شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح نے ان سے مثنوی کی تعلیم اور سند حاصل کی پھر یہ طریق سند عوام و خواص میں مقبول و مشہور ہوا۔ زیادہ مقبولیت کی وجہ یہ ہوئی کہ خود حضرت مولانا جلال الدین رومی رح نے اپنے متوسلین کو خواب میں ملک روم سے مکہ معظمہ پہنچنے اور حضرت حاجی صاحب ممدوح سے مثنوی کی سند حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چونکہ حضرت مفتی صاحب رح کو بطور اویسیت بلا واسطہ حضرت مولانا جلال الدین رومی سے مثنوی معنوی کی اجازت حاصل تھی اس لئے تمام درمیانی واسطے متروک ہو گئے اور یہ مختصر سلسلۂ سند جاری اور عام ہو گیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب از مولانا عبد الرزاق صاحب از مولانا الٰہی بخش صاحب از حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہم اللہ تعالےٰ یہ بزرگ حضرت مفتی صاحب رح کے نواسہ بھی تھے اور شاگرد اور مجاز طریقت بھی۔ بڑے شوق کے ساتھ فن سپہ گری حاصل کیا اور سہارنپور میں مجاہدین کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک اکھاڑہ قائم کیا۔ اور بیشتر یہ فن شرفا کو سکھایا۔ چنانچہ مولانا عبد الرحمن حیرت لکھتے ہیں "بیشتر ایں فن را بہ شرفا و نجبای آموخت"۔ آخیر زمانہ میں بینائی جاتی رہی تھی اور بڑھاپا طاری ہو گیا تھا اس کے باوجود افتاں و خیزاں خود ہی مسجد میں پہنچتے تھے اور کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ میں کاندھلہ میں وفات پائی۔

(۹) حکیم محمد عبد السمیع ساکن تھانہ بھون۔ علم طب میں ماہر کامل اور تشخیص امراض میں یگانہ روزگار طبیب حاذق تھے۔

(۱۰) مولانا حکیم محمد اشرف صاحب۔ حضرت مفتی صاحب کے بھائی حضرت مولانا امام الدین صاحب کے صاحبزادہ تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا۔

(۱۱) مولانا حافظ احمد علی ساکن تھانہ بھون۔ عالم باعمل اور عارف اکمل تھے۔ نور ایمانی چہرہ سے عیاں اور فیوض ظاہری و باطنی ہر طرح درخشاں حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد بارہا کاندھلہ تشریف لائے اور مزار پر حاضر ہوئے۔ قبرستان سے باہر جوتے نکال دیتے تھے اور قصبہ میں پاس ادب کی خاطر پلنگ اور تخت پر نہ سوتے تھے۔ مجاز طریقت بھی تھے۔

(۱۲) مولانا حافظ محمد یوسف شاہ۔ نواب ضابطہ خاں کے ملازمین میں سے تھے۔ شجاعت اور دلیری میں یگانہ زمانہ تھے۔ علم تفسیر میں خصوصی مہارت تھی۔ تمام تفسیر بیضاوی حفظ یاد تھی۔ صائم الدھر قائم ولی کامل عارف ربانی صاحب تصرف بزرگ تھے۔ مشہور ہے کہ ان کا گھوڑا بھی پاس انفاس کرتا تھا اور اس کے کلمہ طیبہ کا ذکر صاف سنائی دیتا تھا اور رمضان المبارک میں روزہ بھی رکھتا تھا۔

(۱۳) مولوی حکیم عبد الرحمن ساکن کیرانہ۔ علم منقول میں پوری دستگاہ تھی اور فن طب میں مشہور و معروف تھے۔

(۱۴) حافظ محمد مصطفیٰ (۱۵) حافظ محمد صابر

دونوں حقیقی بھائی کاندھلہ کے رہنے والے تھے اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں پوری واقفیت رکھتے تھے اور دونوں بھائیوں کا میلانِ طبع صوفیانہ اور وضع قطع درویشانہ تھی۔ یہ دونوں بھائی حضرت مفتی صاحب کے منظور نظر شاگرد، اور نواسے تھے اور اخیر تک مفتی صاحب کی خدمت میں رہے دونوں بھائی حضرت

سید احمد شہید کے ہمراہ شریک جہاد ہوئے۔ مولانا حافظ محمد مصطفےٰ صاحب نے معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا اور مولانا حافظ محمد صابر صاحب زندہ واپس آئے اور آخر تک تحریک جہاد کے سرگرم رکن رہے جن کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔

(۱۶) **حضرت مولانا مظفر حسین صاحب** حضرت مفتی صاحب کے بھائی حضرت مولانا محمود بخش صاحب کے صاحبزادہ تھے جن کا تذکرہ پہلے گذر چکا۔

(۱۷) **حکیم مغیث الدّین ساکن سہارنپور۔** علوم ظاہری اور باطنی میں کاملین زمانہ میں شمار ہوتا تھا۔ متقی، پرہیزگار طبیب حاذق اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔

(۱۸) **مولوی عبد الرحیم** ساکن تھانہ بھون۔ عالم باعمل جامع منقول ومعقول عابد وزاہد متقی و پرہیزگار علائق دنیوی سے بے سروکار بزرگ تھے۔

(۱۹) **مولوی محمد صادق** ساکن لوہاری۔ علم ظاہری و باطنی میں کامل اور زہد و تقوےٰ میں یگانہ تھے۔

(۲۰) **مولوی اللہ راضی** ساکن بابری۔ زہد و تقوےٰ میں خصوصی شان رکھتے تھے۔

(۲۱) **قاضی مولوی محمد امین** ساکن کیرانہ (۲۲) **مولوی عبد الرحمٰن** ساکن جلال آباد۔

(۲۳) **مولوی نجم الدین** ساکن ڈھاور ملک بلوچستان۔

(۲۴) **مولوی عبد الرحیم** ساکن نانوتہ۔ ہر ایک مشہور اور خصوصی شان رکھتا تھا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

خلفاء ومجازینِ طریقت

حضرت مفتی صاحب کے شاگردوں میں چند علماء کرام اور مشائخ طریقت نے حضرت مفتی صاحب کے سلسلۂ باطنی کو قائم رکھا اور اس سلسلہ میں مخلوق خدا کو بیعت کر کے باطنی فیض پہنچایا ان کے اسماء گرامی یہ ہیں :

(۱) حضرت مولانا سید محمد قلندر شاہ ؒ ساکن جلال آباد۔

(۲) حضرت مولانا محمد حسن صاحب ؒ ساکن رامپور۔

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق صاحب ؒ ساکن جھنجھانہ۔

(۴) حضرت مولانا حافظ احمد علی صاحب ؒ ساکن تھانہ بھون۔

(۵) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب ؒ ساکن جلال آباد۔

(۶) حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ؒ ساکن کاندھلہ۔

ان حضرات کا مختصر تعارف سابقہ اوراق میں درج ہو چکا۔

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب قدس سرہٗ کے ان خلفاء اور مجازین کے سلسلے آگے کس طرح چلے ؟ اس کی کوئی تفصیل تو معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اس قدر ضرور علم ہے کہ حضرت مولانا محمد مظفر حسین صاحب رحؒ کے خلیفہ اور مجاز حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی تھے۔ اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے خلیفہ اور مجاز حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند تھے۔ پھر آگے حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے خلیفہ قاری محمد اسحٰق صاحب ہوئے ہیں۔

تصانیف

حضرت مفتی صاحبؒ کو ہر علم و فن میں مہارت تام اور رسوخِ کامل حاصل تھا۔ اور آپ نے ہر علم و فن میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر افسوس سب ذخیرہ ناقدری کی نذر ہو گیا۔ صرف چند کتابیں طبع ہو کر مقبول اور مشہور ہوئیں جن کی بدولت آج تک حضرت مفتی صاحب کا نام نامی اور اسم گرامی روشن ہے حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد ان کی کتابیں دونوں صاحبزادوں مولینا ابوالحسن صاحب اور مولانا ابوالقاسم صاحب میں تقسیم ہوئیں۔ جو کتابیں مولانا ابوالقاسم صاحب کے حصہ میں آئیں۔ ان میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں سب ضائع ہوئیں۔ جو کتابیں مولانا ابوالحسن صاحب کے حصہ میں آئی تھیں ان کی بھی اشاعت اور حفاظت کا خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا اور بیشتر ناقابلِ استعمال حد تک پہنچ گئیں اور اب وہ ذخیرہ بھی ورثاء میں تقسیم ہو کر منتشر اور متفرق ہو گیا جس کے اب نقار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جو چند کتابیں اس ہیچمدان کی نظر سے گذری اُن کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) المطالب الجلیلہ ۔ یہ مختصر رسالہ ہے۔ کہیں عربی میں اور کہیں فارسی میں اور چار فصل پر مشتمل ہے۔ فصل اول، آیاتِ مشکلہ کا حل۔ فصل دوم احادیث مشکلہ کے بیان۔ فصل سوم۔ صوفیاء کے مشکل اقوال کے معانی فصل چہارم صوفیاء کے مشکل اشعار کے معانی۔ شروع میں روافض کی تکفیر کا بیان ہے۔

(۲) شرح القاف الاربعین ۔ القاف الاربعین جو امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب منسوب ہے۔ کی مختصر اور جامع شرح ہے۔ تھانہ بھون میں ۱۲۲۷ھ میں تصنیف ہوئی۔

(۳) رسالہ اصول حدیث۔ فارسی نظم میں مختصر اور جامع رسالہ ہے۔

(۴) رسالہ الخصائص النبوی عربی۔ شیخ امام نورالدین ابوالحسن علی بن الشیخ شہاب الدین مصری الشہیر بابن الملقن رح کی کتاب غایتہ السئول فی خصائص الرسول کا مختصر اور جامع انتخاب ہے۔

(۵) رسالہ صلوٰۃ المنام لرؤیتہ النبی علیہ السلام عربی۔ ایک درود شریف ہے دس صفحہ میں چہارشنبہ سے، چہارشنبہ تک پڑھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے مشرف ہو۔ نیز رفع عصیان، قضاء حاجات وحل مشکلات و ترقی درجات اور جمعیت خاطر کے لئے بھی مجرب اور آزمودہ تحریر فرمایا ہے۔

(۶) رسالہ اسماء بدریین عربی۔ جو صحابہؓ کرام کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کے اسماء گرامی حروف تہجی کے اعتبار سے بطور وظیفہ ورد کے لئے۔ شروع میں اصل بدر کے مناقب اور ان اسماء گرامی کے اثرات اور ثمرات کا تذکرہ ہے۔

(۷) احوال اصحاب بدر فارسی۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ بدر میں شریک ہوئے ان کے مفصل حالات اور مناقب کا بیان ہے

(۸) محافل نبویؐ فارسی۔ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جامع اور مستند کتاب ہے اور اس انداز پر لکھی گئی ہے کہ جذبۂ محبت و تعلق کو برانگیختہ کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے محب صادق کی روح کو تسکین دے آخر کتاب میں خلفاء راشدین کے حالات ہیں۔

(۹) رسالہ شیم الحبیب عربی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدۂ متبرکہ میں بہت جامع رسالہ ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس کا اردو ترجمہ کرا کر مع عربی کے اپنی کتاب نشر الطیب کا ایک جزو بنادیا ہے۔

(۱۰) منتخب حیوۃ الحیوان عربی۔ شیخ امام محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ دمیری مصری کی مشہور و مستند کتاب حیوۃ الحیوان کا ڈھائی سو صفحہ میں جامع اور مفید انتخاب ہے۔

(۱۱) رسالہ امثال العرب عربی۔ حیوۃ الحیوان کی تمام امثال کو ایک جا جمع فرمایا ہے۔

(۱۲) الخطبات عربی۔ چند خطبوں کا مجموعہ جو بے نقط الفاظ میں لکھے گئے۔

(۱۳) شرح ارجوزۃ الاصمعی عربی۔ پہلے ہر شعر کی عربی میں شرح کی گئی ہے، پھر عربی شعر کا فارسی شعر میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

(۱۴) کتاب حدّ البصائر فی عدّ الکبائر عربی۔ تمام کبیرہ گناہوں کو قرآن و حدیث سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ پونے تین سو صفحہ کی کتاب ہے۔

(۱۵) رسالہ جہادیہ نظم فارسی چھبیس ۲۶ صفحہ کی مبسوط فارسی نظم ہے جس میں عجیب دل کش اور دل نشین انداز سے نفس و شیطان کے ساتھ جہاد کی اہمیت اور ترکیب کو قصہ کے پیرائے میں بیان فرمایا ہے جس کو حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب نے ۱۳۰۱ھ میں چھپوا کر شائع بھی کیا ہے۔

(۱۶) شرح قصیدہ بانت سعاد فی مدح خیر العباد نظم فارسی اس کا تذکرہ بھی پہلے گذر چکا ہے۔

(۱۷) اختتام مثنوی مولانا روم دفتر ہفتم نظم فارسی۔ اس کا تذکرہ بھی پہلے گذر چکا ہے۔

(۱۸) ملہمات احمدیہ۔ اس کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔

(۱۹) رسالہ منتخب ارشاد الطالبین فارسی حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کی کتاب ارشاد الطالبین کا جامع انتخاب ہے۔ اس

انتخاب کا انتخاب میں پہلے "سلوک و معرفت کا مختصر دستور العمل" کے عنوان سے درج کر چکا۔

(۲۰) اَلصَّلوٰۃُ المستحان عربی۔ مشکلات اور مہمات میں پڑھنے کے لئے ایک جزء کا طویل درود شریف ہے۔

(۲۱) وظائف النبوی عربی۔ کتاب حصن حصین کا انتخاب ہے۔

(۲۲) رسالہ احوال رواۃ بخاری عربی۔

(۲۳) رسالہ احوال علماء حنفیہ عربی۔

(۲۴) شرح دلائل الخیرات۔

(۲۵) خلاصہ تواریخ عجم فارسی۔ سلاطین عجم کی تاریخ میں کئی سو صفحہ کی جامع کتاب ہے۔

(۲۶) منتخب حبیب السیر۔ جامع اور مختصر انتخاب ہے۔

(۲۷) رسالہ مہلکات۔ منتخب کیمیائے سعادت امام غزالیؒ۔

(۲۸) تلخیص الصواعق فی رد الروافض۔ رافضیوں کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید۔

(۲۹) صرف اکبر فارسی۔ علم صرف میں بہت جامع اور مبسوط کتاب ہے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ برخوردار محمد اشرف اور ابو الحسن نے جب صرف میر پڑھ لی تو ایک ایسی کتاب کی ضرورت پڑی جو صرف کے تمام مسائل کو جامع ہو اور تمام ضروریاتِ اشتقاق کو حاوی ہو اس بنا پر قلم کو اس بارہ میں جنبش دینی پڑتی ہے، اور وہ کتاب لکھی جو سہولتِ معانی اور قلت مبانی کے باوجود طالبینِ فن کے لئے عام عظیم الشان منفعت رکھتی ہے۔ چونکہ بے شمار صیغوں اور مشتقات پر مشتمل ہے اس لئے "صرف اکبر" کے ساتھ موسوم ہے۔

(۳۰) جوامع الکلم عربی۔ مختصر حدیثوں کا مجموعہ ہے۔ اول چار چہل حدیث صحیحین سے نقل فرمائی۔ پھر ایک چہل حدیث جامع ترمذی سے نقل کی، اس طرح

... احادیث کا مجموعہ ہو گیا جو ابتدائی عربی خواں کے لئے بہت مفید ہے۔

(۳۱) شرح فارسی دیوان حافظ - دیوانِ حافظ کے مشکل اشعار کی توضیح و تشریح۔

(۳۲) بیاض طب - تمام مجرب اور آزمودہ نسخوں کا بیش بہا ذخیرہ جس میں ہزاروں نسخے درج ہیں - ایک سو اسی صفحہ کی بڑے سائز کی ضخیم کتاب ہے۔

(۳۳) دیوان نشاط - حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے اردو اشعار کا مجموعہ - یہ دیوان بچپن میں میری نظر سے گذرا - چھوٹے سائز کا ضخیم تھا - پھر ضائع ہو گیا۔

(۳۴) بیاض حدیث - علوم حدیث کے مختلف معلومات اور تحقیقات کا ذخیرہ - ان کے علاوہ اور بھی عربی و فارسی منظوم اور منثور رسائل ہیں۔

درسی کتابوں کے حواشی

جن درسی کتابوں پر حضرت مفتی صاحب نے حواشی تحریر فرمائے - وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) قاضی مبارک مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحبؒ۔

(۲) حاشیہ مولانا امام الدین بر میر زاہد جلالی مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحبؒ

(۳) رسالہ توشیحیہ مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

(۴) میر زاہد امور عامہ مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب۔

(۵) حاشیہ ملا حسن مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

(۶) حاشیہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب بر میر زاہد امور عامہ مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب۔

(۷) شرح سلّم مولوی عبد العلی مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب در سنہ ۱۲۲۳ھ

(۸) شرح تہذیب جلالی و شرح عقائد جلالی مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب در ۱۱۸۹ھ

(۹) رسالہ برکت اللہ مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب در ۱۱۸۲ھ

(۱۰) صدرا مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب در ۱۱۹۰ھ

(۱۱) میبذی مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب در ۱۱۸۸ھ

(۱۲) حاشیہ مولانا نظام الدین بر صدرا مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

(۱۳) مسلم الثبوت مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

(۱۴) مقامات حریری مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

(۱۵) متن متین مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

(۱۶) فتاوے حمادیہ محشی حضرت مفتی صاحب

(۱۷) توضیح مکتوبہ و محشی حضرت مفتی صاحب

حضرت مفتی صاحب کے چند فتاویٰ

(۱) **سوال** انچہ کہ در شب برات در ہند چراغاں روشن می کنند و لہو و لعب و آتش بازی می نمایند شرعاً روا است یا نے۔

الجواب - جائز نیست بلکہ حرام مطلق است لان اللہ لا یحب المسرفین کذا قال الشیخ عبد الحق محدث دہلوی فیما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ ومنہا حضور الغناء و سماع الاوتار من الصنج والاوتار والرباب والمزامیر وغیرہا ومن ہذا القبیل حضور مجلس العرس الذی یتعارفہ متصوفۃ زماننا و مقلدوہم یسمعون فیہ الغناء و یرقصون و یتواجدون و مجلس قراۃ الاشعار التی فیہا نعت النبی ؐ وغیرہا باصوات مخصوصۃ

والحانات معینۃ سموہا مولوداً فانہا ایضاً نوع من الغنار

(۱) مسئلہ جواب مختوم مولوی ثناء اللہ سلمہٗ نیاز یکہ بر قبر اولیاء و شہداء ملوک اولیا نمی شود کہ میت موہوب کہ نمی گردد و ترکہ نمی شود تا در ورثہ ایشان موافق فرائض اللہ تقسیم یابد پس نیاز آرندہ یہر کس کہ بدہد از خادم وغیر آں ہمان کس مالک ایں نمی شود و بعد از قبض اخذ کسے دیگر را از خادمان و وارثان باوے دعوی نیست و اگر نیاز آرندہ بر قبر نہادہ بردہ از ملک آں شخص خارج نمی شود مگر وقتیکہ اباحتہ عام کردہ باشد کہ ہر کہ خواہد بگیرد و دریں صورت قابض آں مالک خواہد شد و اگر دو سہ کس را از خادمان بیک مشت بارہد آں ہبہ مشاع است صحیح نیست مگر وقتیکہ نیت صدقہ خالص باشد کہ صدقہ مشاع جائز است۔

(۲) سوال پنج روزہ ہزارہ کہ در عوام مشہور ست کہ ہر روز ثواب صوم ہزار سال دارد۔ اصل دارد یا نے؟

جواب اصل و سند آنہا در کتابے معتبر از فقہ و حدیث اصلا نیست والروایات المشہورۃ المنقولۃ عن تفسیر المدارک قرطاسیۃ وصعیفۃ۔

(۴) سوال ہفت اجناس غلہ راکہ جمع کردہ روز عاشورہ می پزندو بہ فقراء می دہند اصلی دارد یا نہ؟

جواب طبخ حبوب وغیرہ را دریں روز بخصوصہ اصل نیست لیکن در انیس الواعظین گفتہ کہ در حدیث کہ آمدہ کہ روز عاشورا توسع بر عیال کند تا تمام سال فراخی ماند پس ہر قسم دانہ می پزند کہ وسعت ہمہ جنس ماند۔

(۵) سوال افطار کردن روز عید بسوئیاں کہ مثل رشتہ می کنند در ہندوستان متعارف است از کتاب سند دارد است یا نے؟

الجواب در معتبرات حدیث وفقہ اصلش یافتہ نشدہ مگر در رسالہ امام سنجری حدیثے آمدہ است بدین مضمون کہ ہر کہ روز عید الفطر افطار کند بالاخش یعنی سوین خدائے تعالیٰ بخشد او را بہر لقمہ ہزار بدی و بنویسد ہزار نیکی و ہر کہ بخوراند دیگرے را دو چند نیکی یابد و در محک الطالبین گفتہ والافضل ان یفطر یوم الفطر بالاخش قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من افطر یوم الفطر بالاخش غفر اللہ لکل قطعۃ منہا الف سیئۃ وکتب لہ الف حسنۃ ومن یوکلہا ضعف الاجر منہ کذا فی شرح المصابیح وفی بحر الرائق یستحب ان یاکل شیئاً حلواً قبل الخروج الی صلوۃ عید الفطر وکان النبی لایخرج یوم الفطر حتی یاکل تمیرات ویاکلہن وتراً واما ما یفعل الناس فی زماننا من جمیع التمر مع اللبن وما یضع من الحواری علی اعینہم فلا اصل لہ یعتمد علیہ۔

(۶) **سوال** سیزدہ روز از ابتدائے ماہ صفر تا سیزدہم کہ عوام نحس دانند و امور عظیمہ دران چونکہ نکاح و شادی ولبس ثیاب جدید نکنند وغیرہ این را در کتب دین اصل ہست یا نے؟

جواب نے مگر در اوراد بعضے مشائخ مرقوم است کہ بلیات و آفات تمام سال درین ماہ نازل می شود و آفات تمام ماہ درین سیزدہ روز نازل می شود بنا بر آن عوام این را نحس شمردہ اند و از ارتکاب امور عظیمہ اجتناب می نمایند و از فقہ و حدیث این را اصلی نیست در باب ششم از جواہر گفتہ کہ ہیچ روز را نحس نباید گفت کذا فی فتاویٰ برہنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاعدوی ولا صفر ولا غول اخرجہ مسلم۔

(۷) **استفتاء منظوم چیستان**:

چہ می فرمایند درین معنی فقیہ اہل تعمانی   جزاہم ربہم خیراً بامعان واحسانی

اگر دہ تن زنا کردند بایک زن چو شد روشن ؛ بر اول رجم واجب شد پس آنکہ قتل بر ثانی[۲]
سوم[۳] را حد و حبس آنکہ چہارم[۴] را تیں میداں ؛ کہ تعزیر است بر پنجم[۵] باجماع مسلمانی
ششم[۶] را زن طلاق افتد بہ ہفتم[۷] نصف حد واجب ؛ بہ ہشتم[۸] مہر کامل نہم[۹] را نصف آں دانی
دہم[۱۰] بنگر عجب چیزے کہ بر نے ہیچ واجب نے ؛ علل ہر یک چو شد نیابد کس بآسانی

اولاد و احفاد

حضرت مفتی صاحبؒ نے چھ اولاد چھوڑیں۔ دو صاحبزادے حضرت مولانا ابوالحسن صاحب اور مولانا ابوالقاسم صاحب۔

اور چار صاحبزادیاں۔ بی بی امیرن جن کی شادی مولوی غلام معین الدین عرف کالا ابن خیرالدین ساکن تھانہ بھون سے ہوئی جن کی نواسی مسماۃ بی بی خیر النساء بنت شیخ الترب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی اہلیہ تھیں۔

بی بی عائشہ۔ ان کی شادی امام بخش بن شمس الدین ساکن جھنجھانہ سے ہوئی جن کے لڑکے مولانا عبدالرزاق صاحب حضرت مفتی صاحب کے شاگرد رشید بھی تھے اور مجاز طریقت خلیفہ اور جانشین بھی تھے۔

بی بی فاطمہ[۱۱]۔ ان کی شادی شیخ محمد حسن بن کریم بخش ساکن جھنجھانہ سے ہوئی اور ان کے دونوں صاحبزادے مولوی محمد مصطفےٰ صاحب اور مولوی محمد صابر صاحب

حل [۱] لانہ محصن ۱۲ [۲] وہو من انتحل الزنا ولم یثیب ۱۲ [۳] وہو غیر محصن ۱۲ [۴] ہو الذی ادعی الزنا علی المراۃ وانکرت المرارۃ ۱۲ [۵] وہو المستامن ۱۲ [۶] وہو من علق الطلاق بالزنا ۱۲ [۷] ہو العبد ۱۲ [۸] ہو الذی اشتبہ علیہ غیر عرسہ فزنا ۱۲ [۹] ہو الذی نکح امرارۃ ولم لطارہا فزنا باختہاد ۱۲ [۱۰] وہو المجنون ۱۲۔

حضرت مفتی صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے اور دونوں بھائی حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمراہ معرکۂ جہاد میں شریک ہوئے اور مولوی محمد مصطفیٰ صاحب نے معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

بی بی وزیراًؒ۔ ان کی شادی حضرت مفتی صاحب کے بھتیجے مولینا محمد اشرف بن مولانا امام الدین صاحب سے ہوئی جو حضرت مفتی صاحب کے خاص تلامیذ میں تھے۔ ان کا تذکرہ گذر چکا۔

حضرت مولانا ابو الحسن صاحب

حضرت مولانا ابو الحسن صاحب نے ہر نوع کے کمالات ظاہری اور باطنی اپنے والد بزرگ وار حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ سے حاصل کئے۔ تمام علوم منقول اور معقول میں یگانہ روزگار اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔ خصوصاً علم طب میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے عابد وزاہد عارف کامل تھے۔ بیشتر اوقات ذکر و فکر عبادت وطاعت میں بسر کرتے تھے۔ سال میں دو ماہ شروع شعبان سے آخر رمضان تک مسجد میں معتکف رہتے تھے۔ تارک دنیا خلوت نشین ہونے کے باوجود پیری مریدی کے سلسلہ کو متروک رکھا۔ اگرچہ بہت اشخاص اس کے ملتجی اور متمنی ہوتے مگر آپ قبول نہ فرماتے تھے۔ بر سر منبر وعظ بھی کبھی نہیں فرمایا۔ تعلیم علوم و فنون اور تحریر فتاوی میں ہر وقت مشغول رہتے تھے علم فرائض میں خصوصی دست گاہ حاصل تھی۔ ایک مرتبہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ نے ایک فرائض تحریر فرمائی اس کے سہامات کے استخراج میں کچھ غلطی ہوگئی۔ آپ نے اس کے صحیح طریقے سے حضرت قاضی صاحب کو مطلع کیا اور حضرت قاضی صاحب نے اس کو قبول کیا یہ استخراج اور اس کے دونوں جوابات کتاب حل الغوامض میں مذکور ہیں جو خود حضرت مولانا ابو الحسن صاحب کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب عربی میں ہے اور علم فرائض اور اس کے متعلقات پر بہترین جامع کتاب ہے۔ آخر میں

ایک نقشہ کے ذریعے تمام علم فرائض کو پیشِ نظر اور منظورِ نظر بنا دیا ہے۔ ۲۸ر رمضان المبارک سنہ ۱۲۲۰ھ میں تصنیف ہوا۔

غربا پروری، فقراء نوازی، فراخ حوصلگی، کمزوروں کی دست گیری، اقربا نوازی اور عام ہمدردی اور خیر خواہی میں بہت نمایاں شان رکھتے تھے اور فرطِ ریاضت اور کثرتِ عبادت کے باوجود دنیوی امور سے بے خبر اور ناآشنا نہ تھے تمام مہماتِ دنیوی اور امور ضروری کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور لوگوں کے تمام مشکل معاملات اور اہم واقعات کو نہایت عمدگی سے سلجھاتے تھے۔

خود مولانا موصوف کے ذاتی امور کا منتظم ان کا ایک ملازم محمد قلی نام تھا جو بالکل سیاہ سفید کا مالک اور مختار کل تھا اور انتہائی معتمد اور خیر خواہ جس کے سامنے بیٹے اور پوتوں کی بھی کچھ نہ چلتی تھی اور میاں قلی کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مولانا نور الحسن صاحبؒ جب ملازمت سے چھٹی پر مکان آتے تو سواری کا گھاس دانہ مول خریدنا پڑتا باوجودیکہ ہر چیز گھر پر بافراط موجود ہوتی تھی اور جب مکان سے رخصت ہونے تو سارا بچا ہوا سامان میاں قلی اپنے قبضہ میں کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ میرے دادا مولانا ضیاء الحسن صاحب نے یہ سامان مسجد کے سامنے جمع کر کے آگ لگا دی فوراً میاں قلی نے مولانا ابوالحسن صاحب سے شکایت کی۔ دادا صاحب کو طلب کیا گیا جب سب حقیقت حال معلوم ہوئی تو فرمایا میاں قلی جو کچھ ہے سب انہی بچوں کا ہے اور تم انہی کو روکتے ہو" مگر میاں قلی کی سمجھ میں بالکل نہ آیا۔ انہیں وجوہ سے میرے دادا صاحب سے اکثر بگاڑ رہتی تھی۔ اور حضرت مولانا نور الحسن صاحب بھی میاں قلی سے خوش نہ تھے۔ مگر حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کے وصال کے بعد جب دادا صاحب نے میاں قلی کی شکایت کی اور والد کو لکھا کہ گھر پہ یا ضیاء الحسن رہ سکتا ہے یا محمد قلی

دونوں جمع نہیں ہو سکتے تو مولانا نور الحسن صاحب نے صاف لکھ دیا کہ برخوردار محمد قلی میرے والد کا ملازم ہے اس کو تو میں علیحدہ کر نہیں سکتا۔ البتہ تمہیں اختیار ہے " یہ تھا بزرگوں کا نباہ اور وضع داری اور حقوق کی پاسداری۔ چنانچہ آخر تک میاں قلی اس طرح ہر چیز پر قابض اور مسلط رہے اور ہر ایک ان کا محتاج اور دست نگر رہتا۔ ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۷۲ھ کو حضرت مولانا ابو الحسن صاحب کے وصال کے تین سال بعد میاں محمد قلی کا انتقال ہوا۔

حضرت مولانا ابو الحسن صاحب کے سینہ مبارک میں اللہ اور رسول کی حقیقی محبت جلوہ فرما تھی اور اسی میں آپ محو اور مستغرق رہتے تھے ایک مرتبہ گھر کے دروازہ میں محویت کے ساتھ نعت پڑھ رہے تھے۔ دروازہ کے سامنے مسجد میں حضرت مولانا قلندر شاہ خلیفہ حضرت مغنی صاحب تشریف فرما تھے وہ مسجد سے آئے اور باادب دروازہ کے چبوترہ پر کھڑے ہو گئے۔ مولانا موصوف کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت قلندر شاہ صاحب بھی مسجد میں لوٹ گئے۔ حضرت مولانا نے وہی نعت پھر شروع کر دی اور قلندر صاحب پھر اسی طرح مؤدب دروازہ کے باہر آکر کھڑے ہو گئے۔ چند بار اسی طرح ہوا۔

حضرت مولانا ابو الحسن صاحب نے حضرت قلندر صاحب سے اس بار تشریف آوری اور مؤدب کھڑے ہونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جب تم نے نعت پڑھنی شروع کرتے ہو میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دروازہ کی چوکھٹ پر تشریف فرما اور جلوہ افروز پاتا ہوں۔ اس لئے بارگاہِ نبوی میں دست بستہ آکر کھڑا ہو جاتا ہوں۔

حضرت مولانا ابو الحسن صاحب کو اولاد کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت تھی اور بہت حسن و خوبی کے ساتھ ان کی تربیت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا نورالحسن صاحب گرمی کے دوپہر میں صحن میں کتابوں کو دھوپ دے رہے تھے اور خود بھی دھوپ میں بیٹھے تھے۔ حضرت مولانا ابوالحسن صاحب نے اُن سے فرمایا کہ میاں نورالحسن بہت تیز دھوپ ہے۔ سایہ میں آجاؤ مگر مولینا نورالحسن صاحب ایسے کتابوں میں مصروف تھے کہ کچھ خیال نہ کیا اور برابر دھوپ میں کام کرتے رہے۔ اس وقت ماما ان کے صاحبزادہ کو گود میں لئے ہوئی تھی۔ آپ نے اس کو فرمایا کہ جا اس کو لے کر دھوپ میں کھڑی ہو جا۔ مولانا نورالحسن سے یہ نہ دیکھا گیا اور گھبرا کر ماما سے کہا کہ بچّہ کو دھوپ میں سے ہٹا۔ تب آپ نے فرمایا برخوردار جتنی تمہیں اپنے بچّے کے دھوپ میں ہونے سے تکلیف ہوئی اتنی ہی مجھے تمہارے دھوپ میں ہونے سے ہو رہی ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ مولانا نورالحسن صاحب دروازہ کے اوپر کمرہ میں تشریف فرما تھے اور عمائدین اور طلبا و مستفیضین کا مجمع تھا۔ حضرت مولانا ابوالحسن صاحب اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہیں سے آواز دی میاں نورالحسن یہاں آؤ۔ مولانا فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا بس کچھ نہیں۔ مولانا کمرہ پر لوٹ گئے۔ اسی طرح چند بار ہوا۔ حاضرین مجلس کو سخت تعجب ہوا اور مولانا نورالحسن صاحب سے دریافت کیا یہ کیا بات ہے۔ بار بار بلاوجہ آپ کو کیوں طلب کیا جا رہا ہے؟

مولانا نورالحسن صاحب نے فرمایا تاکہ باپ اور بیٹے کا فرق معلوم ہو جائے، اور بیٹے کی تربیت اچھی طرح ہو جائے۔"

حضرت مولانا ابوالحسن صاحب نظم و نثر دونوں خوب لکھتے تھے۔ اور یگانۂ زمانہ شمار ہوتے تھے۔ شعر و سخن کا طبعی ذوق اور فطری مناسبت تھی۔ اشعار سنتہ اور فصیح و متین ہوتے تھے۔ متعدد قصیدے اور مثنوی کہیں جن میں کتاب بحر الحقیقت منظوم اُردو بہت زیادہ مقبول اور مشہور ہوئی۔ خصوصاً اس کا ایک حصہ "گلزار ابراہیم" تو اس قدر مقبول

اور عام ہوا کہ گھر گھر پڑھا جاتا تھا اور ہر چھوٹے اور بڑے اور ناسمجھ اور دانا کو درسِ معرفت اور ذوقِ حقیقت دیتا تھا اور ہر پڑھنے والا اپنی استعداد اور صلاحیت کے موافق متاثر اور مستفیض ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ فرماتے تھے مجھے طریق معرفت کا ذوق و شوق اسی مثنوی گلزار ابراہیم" سے پیدا ہوا۔ مثنوی گلزار ابراہیم یوم جمعہ ۵ شوال ۱۲۵۱ھ کو تمام ہوئی۔ یہ مثنوی حضرت مولانا مرحوم کی حیات میں طبع ہو کر شائع ہوئی، پھر سینکڑوں بار طبع ہوئی اور مثنوی مولانا روم دفتر اول منظوم اردو حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کے پاس مستعار اور زیر مطالعہ رہی۔

حضرت مولانا ابوالحسن صاحب نے تفصیل بحور اور اوزان اشعار میں ایک عجیب و غریب نقشہ بھی مرتب فرمایا تھا جس سے ایک نگاہ میں تمام علم عروض و قوافی آئینہ کی طرح سامنے آجائے اور فن عروض کا استحضار آسان ہو جائے۔

چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں:

رُباعی

شاہوں کے سے قصر گر بنائے تو کیا قاروں کے سے گنج ہاتھ آئے تو کیا
جب دل پہ یقین ہوا کہ آخر مرنا گو عمر خضر ہزار پائے تو کیا

ایک مدحیہ قصیدہ کے چند اشعار

نہ مجھ کو گردشِ گردوں سے ایک جگہ ہے قرار
لیاں جہر بہکتا پھروں ہوں لیل و نہار

سوائے خونِ جگر کچھ نہیں غذا دل کی
برنگِ غنچہ اسے پرورش کرے ہے بہار
اب آگے کج روی ہم سے نہ کر فلک بس کر
نہ رکھ تو شیشۂ ساعت کی طرح دل میں غبار
بہت یہ ہے کہ نہ دے گا تو مجھ کو بادۂ عیش
مئے سخن کا مری سرخوشی کو بس ہے خمار
میں وصف کرتا ہوں ایسے کہ جود و بخشش کا
کہ فیض لیتا ہے ہمّت کو جس سے ابرِ بہار
اگر بیان کروں میں اس کی ہمّتِ عالی
حیا سے ابرِ بہاری بے آب ہو نا چار
لکھے گا کیا قلم و زبان یہ اس کے اوصاف
ثنا میں جس کی میں عاجز ہوں با زبانِ ہزار

حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کا خصوصی ذوق اور شغف حمد و نعت تھا۔ آپ نے حضرت سید احمد شہید بریلوی کی شان میں متعدد قصیدے بھی لکھے ہیں۔ حضرت سید صاحب کی سفرِ حج سے واپسی پر ایک طویل قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس کے چند اشعار یہ ہیں:-

ہے گا اس نور سے پر گنبدِ چرخِ اخضر
جس کے لمعان سے ہے کند فرشتوں کی نظر
نہ اسے روشنیِ شمس و قمر سے نسبت
نہ ملے برق اسے اور نہ کوئی اختر
جلوۂ طور کہوں یا کہ شبِ قدر کا نور
یا ترقی پہ ہوئی روشنی تازہ سحر
کیا عجب ہے کہ اگر ہند کے نظارے کو
حورِ جنّت سے چلی آئے نکل کر باہر

تھا تہہ دل سے میں تفتیشِ سبب کے درپے
کس کے انوار سے یارب ہے زمیں رشکِ قمر

یک بیک غیب سے آئی یہ ندائے ہاتف
گوش سے پنبۂ غفلت کو ذرا کر باہر

اب تلک پہنچا نہیں مژدۂ جاں بخش تجھے
جس سے شاداں ہیں ملک خوش ہے ہر اک جن و بشر

آیا ہے قافلہ حج کر کے وہ اس ملک کے بیچ
جس میں ہر اک ہے ولی عارفِ نیکو منظر

ان کے انوار سے روشن ہے زمیں تا بہ فلک
ان کی ہمت سے ہوئی دین کو سو زینت و فر

ہے ہر اک شخص وہاں آمرِ امرِ معروف
قامع بدعت و ناہیِ اصولِ منکر

ماحیِ کفر زِ دل قاتلِ کفار زِ جاں
قاطعِ رسمِ زبوں تابعِ حکمِ داور

ان میں ہر ایک ہے فرید اور وحیدِ آوان
حافظ و عالم و عادل سخی و نیک نظر

ظاہر آراستہ کہ برکتِ بیضائے نبیؐ
باطن اس طور کا پاکیزہ جیسا گوہر

کد و کاوش نہ کسی میں نہ ریا و کینہ
نہ حسد دل میں تکبر نہ کسی کے اندر

کیا کروں قافلہ سالار کا اس کے میں بیاں
جس کے اوصاف ہیں تحریر بیاں سے باہر

عادل و عالم و عابد۔ شہ والا ہمت
اسخی و افصح و ابلغ۔ سخی و نیک ولنظر

عاقل و فاضل و راحم ۔ زکی و عالی طبیع
زاہد و متقی و صابر و زیبا منظر
ترکِ و تجرید و توکل میں فرید دوران
حلم اور خلق و دیانت میں وحید اکبر

معدنِ لطف و حیا مجمع جود و ہمت
مخزنِ عفت و الفت شرفِ نوعِ بشر
بحرِ جود و کرم و گلشنِ عرفانِ النبیؐ
مشعلِ راہِ طریقت بہ حقیقت رہبر

صدق میں ثانی اثنین رضؓ کے مانند قوی
جد اور جہد میں اسلام کے ثانی عمر رضؓ
شرم میں حضرت عثمان سا چوں بحرِ حیا
اور صفِ جنگ میں ہم طرزِ علی رضؓ صفدر

سیدِ صفدر و عالی نسب و زینت دیں
زیب اسلام و امامِ حق و عاجز پرور
سید احمد و عالی حسب و فخرِ زماں
رہبرِ راہِ شریعت و خلفِ پیغمبرؐ

جس طرف دیکھیے تعمیر مساجد ہے گی
ہے ہر اک شخص کی تحقیق مسائل پہ نظر
آتی ہر سمت سے ہے بانگ مؤذن کی صدا
جس کو سُنیے یہی کہتا ہے اللہ اکبر

اس قدر عصر میں تیرے ہوئی افراطِ نماز
لاکھوں تیار ہوئے ملک میں چھوٹے منبر
قطع بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی
ہند سے رسمیں بُری اُٹھ گئیں ساری یکسر

دیکھئے جس کو سو کرتا ہے کلام اللہ یاد
باندھی ہر شخص نے تہذیب و ہدایت پہ کمر

رُکن دین مولوی عبدالحیؒ و شہ اسماعیل
فیض سے تیرے ہوئے کاملوں کے سر دفتر

تیری صحبت نے ملائک کی کری خاصیت
گو کہ ظاہر میں نظر آتے ہیں ہم شکل بشر

حق میں کفار کے ضیغم کی طرح ہے خوں خوار
مومنوں کے لئے شفقت میں پدر سے بہتر

فخر ابنائے زماں قبلۂ ارباب صفا
کعبۂ اہل یقیں دادرسِ ہر مضطر

ذات سے تیری یتیموں کو بہت تقویت
زنِ بیوہ کے تو حق میں ہے سحاب ممطر

تھا غضب ظلم کہ بیوہ نہ کرے عقد نکاح
کھوئی یہ رسم دلوں رحمتِ حق ہو تجھ پر

جس میں راضی ہو خدا ہے وہی ان کو منظور
آبرو کا نہ انہیں خوف نہ کچھ جی کا ڈر[۱]

قطعہ فارسی

مرا در دل تمنا غیر ازیں نہ	کہ گردم ذرۂ خاک مدینہ
بگردہ روضۂ آں سید پاک	بروبیم از لب خود خار و خاشاک

[۱] مولوی غلام رسول مہر نے تواریخ عجیبہ سے یہ اشعار حضرت سید صاحب کی سوانح میں درج کئے ہیں (سوانح ج ۱ ص ۲۴۲) ۱۲ منہ

حضرت سید احمد صاحب شہید کی شہادت اور مفارقت پر تحریر فرماتے ہیں ا

یار و ہم بزم و رفیق و غم گسار | پیش قدمی کر گئے سب ایک بار
ہم ضمیر و ہم لنار و ہم کلام | باغ جنت میں کیا سب نے مقام
کر گئے جام شہادت صاف نوش | سمجھے نیشِ تیغ و خنجر کو وہ نوش
آپ تو گنج شہادت لے گئے | داغ غم دل کو ہمارے دے گئے
مرد جو چالاک تھے چلتے رہے | ہم کف افسوس ہی ملتے رہے
ناز و نعمت میں ہوئے ایسے غریق | خواب میں آنے کا بھی چھوڑا طریق
کر دیا مجھ کو جو یوں دل سے جدا | حق مجلس اور صحبت کیا ہوا
گر میں تھا نامرد، تم تو مرد تھے | کیوں نہ مجھ کو ساتھ اپنے لے گئے

برا ختتام مثنوی بحر حقیقت)

حضرت مولانا ابوالحسن صاحبؒ کی زندگی عبادت و ریاضت میں متوکلانہ اور مجاہدانہ بسر ہوتی تھی اور اپنے اسلاف کی طرح خدمتِ خلق درس و تدریس اور تعلیم و افتاء میں مشغول اور مصروف رہتے تھے۔ کسب دنیا اور حصولِ مال و دولت سے کوئی سروکار نہ تھا۔ لیکن اس وقت اس نواح کی مال گزاری، اور سرکاری روپیہ اس نواح کے لوگوں کے لیے قابو ہونے اور سرکش ہونے کی وجہ سے سرکار کو وصول نہ ہوتی تھی اور بار بار مولانا موصوف کے ذاتی اقتدار اور اثر و رسوخ کی حاجت پڑتی تھی۔ اس لئے مجبور ہو کر سرکار نے ان نواح کا ٹھیکہ حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کو دے دیا اور اس طرح گویا اس نواح پر ان کی ایک گونہ ظاہری حکومت بھی قائم ہو گئی۔ اور اس خاندان کا ظاہری عز و وقار بھی بہت زیادہ نمایاں ہو گیا حتیٰ کہ لفٹنٹ گورنر اور سکرٹری اعظم تک جب کبھی اس طرف دورہ پر آتے تو حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کے آستانہ پر ضروری حاضری دیتے تھے۔ اور حضرت مولانا موصوف کا یہ حال تھا کہ با دل ناخواستہ اس کو برداشت کرتے تھے

اور جب با تقدمجبوری میں یورپین افسر سے ملانا پڑتا تھا اس کو پہلے پاک کرتے تھے پھر کسی چیز کو ہاتھ لگاتے تھے۔ حکام اعلیٰ کا اس گھر پر آنا اسی وقت سے دستور چلا آرہا ہے۔ اگرچہ یہ خاندان حکام پرستی سے ہمیشہ دور اور محفوظ رہا۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک

بروز چہار شنبہ ۱۲ر جمادی الاول ۱۲۶۹ھ مطابق ۲ر مارچ ۱۸۵۳ء کو وصال ہوا۔

تاریخ وفات "داخل خلد" ۱۲۶۹ھ ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن صاحب کے ایک صاحبزادہ مولینا نورالحسن صاحب تھے، اور دو صاحبزادیاں ایک حمیدالنساء کی شادی متولی معین الدین صاحب سے ہوئی اور ان کی اولاد متولی محمد اسمٰعیل صاحب، اور متولی حاجی عبدالقیوم صاحب ہوئے۔

متولی محمد اسمٰعیل کی اولاد (۱) متولی محمد عقیل اور (۲) متولی محمد جلیل، (۳) متولی محمد طفیل اور

حاجی عبدالقیوم صاحب کی اولاد متولی ضیاءالاسلام ضیاء اور متولی حاجی ریاض الاسلام صاحب دوسرے زینت النساء ان کی شادی اور ان کی اولاد سے مولوی سعید احمد تھانوی ہیں جن کے فرزند مولوی جمیل احمد تھانوی اور نواسے حافظ محمد یامین تھانوی اور حافظ محمد احمد تھانوی ہیں۔ اور سب پاکستانی بن گئے۔

حضرت مولانا الحاج محمد نورالحسن صاحبؒ

۲۶ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ کو پیدا ہوئے اور قرآن مجید حفظ کیا۔ اور حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کی آغوش میں نشو ونما پایا

اول تحصیل علم اپنے والد بزرگوار اور حضرت جد امجد سے کیا پھر تکمیل تعلیم کے لئے ۱۲۷۰ھ میں دہلی کا سفر اختیار فرمایا۔ دہلی میں اس وقت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث اور مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی اور مفتی صدرالدین صاحب رونق افروز جلوہ فرما تھے اور اپنے فیوض سے مستفیضین کو فیض یاب اور کامیاب بنارہے تھے۔ حضرت مولانا نورالحسن صاحب نے انہیں حضرات سے کمالات کا اکتساب فرمایا اور جملہ علوم منقول اور معقول میں پورا کمال وجمال حاصل کیا، کہ خود اپنے اساتذہ کی نگاہوں میں بھی ہر علم وفن میں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ شمار ہوتے تھے۔ اور دیگر اکابرینِ زمانہ بعض کمالات میں اساتذہ پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ قوتِ حافظہ اس قدر غضب کا تھا کہ جو بات ایک دفعہ سُن لی یا دیکھ لی وہ ہمیشہ کے لئے دل پر نقش اور دماغ میں محفوظ ہوجاتی تھی اور پھر ذوق طلب کا یہ حال تھا کہ مفتی صدرالدین صاحب نے ابتدا میں وقت نہ ہونے کا عذر کیا، مولانا کے بہت اصرار پر کہا کہ کچہری آتے اور جاتے وقت مل سکتا ہے حضرت مولانا نے اس کو منظور فرمالیا۔ چنانچہ مفتی صدرالدین صاحب پالکی میں گھر سے کچہری جاتے تو حضرت مولانا پالکی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور سبق پڑھتے جاتے تھے، کچہری پہنچتے ہی سبق موقوف ہوجاتا تھا اور حضرت مولانا انتظار میں بیٹھ جاتے تھے۔ مفتی صاحب جب کچہری کے کام سے فارغ ہوکر پالکی میں واپس ہوتے تو واپسی میں جس قدر سبق ہوتا تھا اس کو پورا کرتے تھے۔ مہینوں یہی معمول رہا۔ پھر مفتی صاحب نے مستقل وقت دینا شروع کیا۔ حاشیہ مفتی صدرالدین صاحب بر میر زاہد اسی زمانے میں نقل کیا۔ علوم فلسفہ وحکمت میں کمال امام فن مولانا فضل حق خیرآبادی سے حاصل کیا۔ فلسفہ وحکمت کی متعدد کتابیں اسی زمانے کی نقل کی ہوئی ہیں۔ ان دونوں اساتذہ کو حضرت مولانا نورالحسن صاحب سے جو شدید تعلق تھا اس کا بخوبی اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو ان صاحبان نے مولانا موصوف کو لکھے ہیں۔ جن کو مولانا محمد سلیمان صاحب نے ایک جا کتابی شکل میں جمع کردیا ہے

اس خیرآبادی خاندان کا تعلق قدیم زمانے سے قائم تھا اور ہمیشہ مولانا فضل حق صاحب کی تشریف آوری کا ندھلہ ہوتی رہی ہے۔ ایک مرتبہ مولانا فضل الرحمن صاحب نکوڑ گئے تو حضرت مولانا نورالحسن صاحب نے ان کی خاطر و مدارات کی جس کے متعلق مولانا فضل حق صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں "جناب اخوی صاحب قبلہ مولوی حافظ محمد فضل الرحمن صاحب حال تشریف فرمائی خود بہ نکوڑ و سپاس اخلاق و تواضع آن اعز بسیار نوشتہ بودند آن اعزاز اعزاز ما مردم اند آں خود بدیع و بعید نبودہ است مگر جناب ممدوح حال سعادت نہادی و خصوصیت آں اعزمی داشتند"

حکیم رضی حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پڑھا ہے اور انہوں نے حضرت مولانا نورالحسن صاحب سے پڑھا ہے اور انہوں نے مولانا فضل حق صاحب سے پڑھا ہے اور انہوں نے حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے پڑھا ہے۔

سرکاری ملازمت | حضرت مولانا نورالحسن صاحب کی تکمیل تعلیم کے بعد خاندانی عزو وقار اور ظاہری وجاہت و ثروت کی وجہ سے سرکار کی طرف سے مولانا موصوف کی تحصیل دیوبند ضلع سہارنپور کی نائب تحصیل داری کا پروانہ ۴ر جنوری ۱۸۲۶ء کو موصول ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں:

> رفعت و عوالی مرتبت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی نورالحسن صاحب۔ بعد ملاحظہ عرضی مولوی محمد فضل عظیم تحصیل دار دیوبند کے ان کو رخصت ایک مہینہ کی حاصل ہوئی کہ وہ اس عرصہ میں معالجہ درد گردہ اپنے کا کریں گے اور آپ کو قائم مقام عہدۂ تحصیل داری دیوبند مقرر کیا گیا ....

اس عارضی تقرر کے بعد پھر عرصہ تک حضرت مولانا نورالحسن صاحب نکوڑ ضلع سہارنپور میں تحصیل دار رہے اس سرکاری ملازمت میں بعض خلافِ طبیعت امور برداشت کرنے پڑتے تھے۔ اس لئے حضرت مولانا موصوف نے اس ملازمت

سے استعفا دے دیا۔ اس ترکِ ملازمت کے اسباب کیا تھے۔ اس کی تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی۔ البتہ اس ترک ملازمت پر مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی نے جو گرامی نامہ مولانا موصوف کو تحریر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

"ازدریافت قطع کردن آں اعز سلسلۂ روزگار بحمیت دین بغایت مسرور شدم" بفضل رزاق مطلق روزی بسیار است انشاء اللہ تعالےٰ عنقریب در مظفرنگر وغیرہ اضلاع روزگار صورت می بندد نظر بر شان رازقی باید داشت "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حمیتِ دینی نے اس ملازمت کے ترک پر مجبور کیا اور ریاست کی طلب پر ریاست الور تشریف لے گئے۔ علاوہ ریاستی امور کے آپ راج کمار کے اُستاد اور مربی بھی تھے اور ریاست الور میں خصوصی وقار اور شان کے مالک تھے۔

راجہ صاحب الور کی قدر دانی اور عزت افزائی کا قدرے اندازہ مولینا فضل حق صاحب کے اس جملہ سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے، تحریر فرماتے ہیں :۔

" حال آں اعز معلوم شد از رئیس الور ایں قدر، قدر دانی مغتنم است "

پھر بھی آپ اس ریاست کے قیام کو قیام جہنم سے کم نہ سمجھتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ظاہری اعزاز و اکرام اور اقتدار و وقار کے باوجود حضرت مولانا موصوف کو بعض ایسے امور برداشت کرنے پڑتے تھے جن کو ان کی دین داری اور غیرت ایمانی برداشت نہ کر سکتی تھی۔ مثلاً ہولی، دسہرہ وغیرہ ہندوانی تہواروں کے موقع پر ریاست کے رواج کے موافق دربار میں جانا اور نذر پیش کرنا، اور نیز انعام و اعزاز سے سرفراز ہونا وغیرہ وغیرہ یہ امور حضرت مولانا کو ریاست کے قیام سے دل برداشتہ بنائے ہوئے تھے۔ چنانچہ پہلے ان کے متعلق مولانا فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب سے استصواب فرمایا۔ ان دونوں صاحبوں

نے بضرورت اس کی اجازت دیدی۔ چنانچہ مولانا فضل حق صاحب نے تحریر فرمایا۔

"وثانیاً از حال آنچہ در دسہرہ و ہولی بنظر راجاہا گزرانیدہ می شود استکشاف می کنند شفیقاً نوکری راجگان و نصاریٰ و غیرہم از کفار متضمن التزام رسوم تعظیم ظاہری آنان است کسے کہ نوکر آنان شد لاجرم رسوم تعظیم ظاہری آنان بجا خواہد آورد والا نوکر نخواہد شد و نخواہد ماند نمی شود کہ کسیکہ نوکر راجہ یا انگریز باشد۔ در روبروے او بآداب مقررہ کورنش بجا نیارد و درآوردن نذرے بنظر آنان عند اعیاد آنان از جملہ رسوم ظاہری است لزوم کفر در ارتکاب وجہے ندارد حال آں بعینہ حال نوکری است و ظاہر است کہ اہل اسلام کہ نزد آں کفار باقتضار نوکری می روند از عظمت آنہا و تذلل خود کارہ می باشد و ہم چناں از در آوردن ندرے بنظر آناں کراہت وارند و ہدایا کہ اقوام کفار در اعیاد خود ہا بتہاوی آں معتاد اند دیگراں ند تہاوی در آں اعیاد متضمن تعظیم آں اعیاد و اظہار فرح و سرور از تہ دل دران ایام است درآں بلا شبہ شعار کفر است ایں رسم را براں قیاس نتواں کرد ایں است جواب اجمالی"

مفتی صدر الدین صاحب کا جواب بہت مدلل اور مبسوط تھا جس کا خلاصہ بھی یہی تھا جو مولانا فضل حق صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ باوجودیکہ ان دونوں بزرگوں نے بضرورت ان مبتدعانہ رسوم کی اجازت اور گنجائش لکھی تھی۔ لیکن حضرت مولانا نورالحسن صاحب کی غیرت ایمانی اور جذبۂ دینی اس کو زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکا اور آپ نے ریاست کا تعلق قطع کر کے آگرہ کالج میں عربی کی پروفیسری اختیار کی۔ آگرہ کالج کے دوران قیام میں سرسید احمد بانی علی گڑھ یونیورسٹی نے حضرت مولانا موصوف سے تعلیم حاصل کی جس کو آخر تک انھوں نے

اور ان کی اولاد نے بہت حسن و خوبی کے ساتھ نبھایا اور اس تعلق کو آخر تک قائم اور برقرار رکھا سر سید احمد نے سیرت میں ایک اردو رسالہ لکھ کر حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب کے پاس اصلاح کے لئے بھیجا جو میرے پاس موجود ہے اور سر سید کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ حضرت مولانا نور الحسن صاحب آگرہ کالج میں بھی زیادہ مدت قیام نہ فرما سکے۔ مولانا ظہر کے وقت ظہر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ سکرٹری کالج نے تعصب کی بنا پر روکنا چاہا جس کو مولانا فضل حق صاحب ایک مکتوب میں اس طرح نقل کرتے ہیں :۔

"بوصول ملاطفہ مورخہ ۱۱ شوال سنہ حال حال مصداق ارایت الذی ینھی عبداً اذا صلّی دریافتہ سخت متعجب و متحیر شدم کہ آیا ایں نہی سرکاری است یا طبع زاد سکرتری اگر طبع زاد سکرتری است لغو است و اگر سرکاری است ازچہ روا است درمدرسہ کلکتہ امام و موذن از سرکار مقرر است و باز ماندن از نماز در ہیچ نوکری معنی ندارد حال با ل عرضی کہ در کمیٹی دادہ اند بزودی نگارش فرمایند"

بالآخر اس جھگڑے کا انجام یہ ہوا کہ حضرت مولانا موصوف نے کالج کی پروفیسری کو چھوڑ دیا اور اپنے وطن کاندھلہ تشریف لے آئے۔ اب تک کاندھلہ قیام نہ کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں علمی مشغلہ اور درس و تدریس کا کوئی معقول سلسلہ نہ تھا جس کو مولانا فضل حق صاحب نے ایک مکتوب میں اس طرح نقل فرمایا ہے :۔

"تاسفے کہ بر بے شغلی علوم نوشتہ اند بجا است آں علوم کہ بمشقت حاصل کردہ بودند آں محنت را رائیگاں کردن گوارا نمی شود، چہ کردہ آید ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امراً"

یہ بھی اصل وجہ جس نے مولانا موصوف کو گھر سے بے گھر بنا رکھا تھا پھر مجبور ہو کر حضرت مولانا نے خود اپنے گھر ہی کو دار العلوم بنایا اور اپنے گھر پہ درس و تدریس

کا سلسلہ قائم فرمایا۔ دروازے کے اوپر کا کمرہ حضرت مولانا نور الحسن صاحب کی نشست گاہ اور درس گاہ اور دار العلوم تھا اور جو بیرونی طلباء پڑھتے تھے ان کے تمام مصارف خود حضرت مولانا برداشت کرتے تھے۔ سب طلباء کا کھانا گھر میں سے آتا تھا اور اس افراط اور فراخدلی کے ساتھ آتا تھا کہ بعض گھر والے رہ جاتے تھے اور سارا پکا ہوا کھانا طلباء پر خرچ ہو جاتا تھا۔ آپ ہر طالب علم کو سال میں دو جوڑے کپڑے اور ایک لنگی بھی مرحمت فرماتے تھے طلباء کی تعداد پندرہ بیس تک رہتی تھی اور اس میں امیر و غریب کی بھی تخصیص نہ تھی ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ ہوتا تھا۔ حافظ یونس صاحب بیان فرماتے تھے کہ سورت کی جانب سے مولوی محمد سورتی ایک رئیس زادہ تعلیم کے لئے آئے کئی نوکر اور بہت کچھ سامان ان کی ساتھ تھا۔ نہایت شان و شوکت کے ایک عمدہ مکان کرایہ پر لے کر رہائش کا انتظام کیا اور روزانہ لباس بدل کر سبق کے لئے آتے۔ ملازم کتاب لئے ساتھ ہوتا تھا۔ اسی طرح چند روز گزرتے حضرت مولانا نور الحسن صاحب نے جب ان کو ذکی اور ہونہار پایا تو ایک دن فرمایا کہ صاحبزادے باپ کی دولت کو اس طرح ضائع نہ کرو۔ اگر علم حاصل کرنا ہے تو یہ کپڑے اور یہ پیالہ لو اور مسجد میں دیگر طلباء کے ساتھ رہو۔ کھانا دونوں وقت گھر سے مل جایا کرے گا اگر یہ نہیں ہو سکتا تو بے کار وقت اور دولت خراب نہ کرو۔ اس شان و شوکت کے ساتھ علم دین کی دولت ہاتھ نہیں آسکتی۔ انہوں نے پیالہ اور کپڑے ہاتھ میں لئے اور مسجد میں جا کر لباس کو تبدیل کیا۔ اور ملازمین اور تمام سامان کو گھر واپس کر دیا۔ پھر چند سال رہ کر تکمیل تعلیم کی۔ حضرت مولانا موصوف کے درس میں بعض جنات بھی شریک ہوتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے بعد مغرب ایک طالب علم کمرہ پر بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ چراغ گل ہو گیا حضرت مولانا نے فرمایا جاؤ اس کو مسجد کے چراغ سے جلا لاؤ۔ اس نے چراغ ہاتھ میں لیا اور وہیں کمرہ سے ہاتھ بڑھا کر مسجد کے چراغ کو روشن کیا۔ حضرت مولانا نے اس کو خوب سرزنش کی اور فرمایا اگر کوئی دوسرا اس حرکت کو دیکھ کر ڈر جاتا" اور آئندہ اس

قسم کی حرکت سے منع فرمایا۔ حضرت مولانا موصوف کے شاگردوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوسکی، جن چند شاگردوں کا پتہ چلا اُن کے اسمار گرامی یہ ہیں۔ آپ کے چاروں صاحب زادے اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب، مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی، مولانا احمد حسن صاحب مرادآبادی، مولانا محمد سورتی۔

حضرت مولانا نورالحسن صاحب کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی، کہ وہ بیک وقت کئی کام کرتے تھے۔ شاگرد سامنے سبق پڑھتے تھے اور داہنے ہاتھ سے کتاب نقل کرتے رہتے تھے اور بائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھتے رہتے تھے۔ ذکراللہ زبانِ مبارک پر اس قدر جاری تھا کہ زبان کو روکنے کی قدرت نہ تھی۔ چنانچہ جب بیت الخلار تشریف لے جاتے تو زبان کو انگلیوں سے پکڑ کر بیٹھتے تھے تاکہ خلاف شرع وادب وہاں ذکر اللہ نہ ہو۔ کتابت اور نقل میں اس قدر خوش خط اور مشاق تھے کہ سینکڑوں کتابیں ہر علم وفن کی اپنے دستِ مبارک سے لکھیں اور پورا قلمی ذخیرہ تنہا جمع کر دیا۔ پڑھانے کا طرز اتنا دل نشین اور تقریر دل پسند اور اعلیٰ ہوتی تھی کہ علمی مسائل اور مشکل دقائق کو عام فہم انداز میں ذہن نشین فرما دیتے تھے۔ جس کی بنار پر بعض معاصرین ان کے اساتذہ پر بھی اُن کو ترجیح دیتے تھے۔ باوجودیکہ آپ کو فلسفہ وحکمت میں پورا رسوخ تھا، اور ایک تمام فن سے اس کو حاصل کیا تھا۔ لیکن کمال دینداری اور تقویٰ وپرہیزگاری کے باعث اِدھر توجہ بالکل نہ تھی اور میلانِ خاطر اور سارا انہماک صرف دینیات کی درس وتدریس کی جانب تھا۔ مولانا فضل حق صاحب کے بہت اصرار پر صرف اپنے ایک صاحب زادہ مولانا محمد اکبر صاحب کو منطق وفلسفہ کی تعلیم دی اور وہ بھی خود نہیں دی بلکہ ان کو اس فن کے حاصل کرنے کے لئے مولانا فضل حق صاحب کے حوالے کر دیا۔ البتہ بقدر ضرورت آپ ہر فن کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت مولانا کو تمام علوم منقول اور معقول میں مہارت تام اور کمالِ رسوخ حاصل تھا۔ بالخصوص ادبی ذوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اساتذہ تک اس کے قدردان

تھے۔ مولانا فضل حق صاحب جب بھی کوئی قصیدہ کہتے اہتمام کے ساتھ اس کو
نقل کراکر مولانا نور الحسن صاحب کے پاس بھیجتے تھے ایک مکتوب میں تحریر
فرماتے ہیں :۔ قصیدہ در نعت منظوم شد یک صد زدہ ۔ ایک قصیدہ نعت میں
منظوم ہوا۔ بیت وارد ۔۔۔۔۔۔ جس کے ایک سو دو شعر ہیں۔

ہمہ ابیاتش شنیدنی وارد اگر ناقل صحیح
نویسے بہم می رسد نزد آں اعز خواہم
فرستاد در ایں جا کسے نیست، کہ
صلاح ایں داشتہ باشد کہ براو خواندہ
باشد۔

تمام اشعار سننے کے قابل ہیں۔ اگر
کوئی صحیح نقل کرنے والا بہم پہنچ گیا تو
اُن اعز کے پاس بھیجوں گا۔ اس جگہ
کوئی ایسا شخص نہیں۔ جس میں یہ صلاحیت
ہو کہ اس کو سنا جائے

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :

نقل قصیدہ تائیہ مرسل است بقدر
ضرورت معانی و مرجع ضمائر نوشتہ
شدہ است شاید حالا در کشف معنی
ہیچک بیت تکلف نہ شود ترصد کہ بعد
مطالعہ ابیات آں حال آں بزرگ نگارند
کہ آیا ایں زبان با عربیت مناسبتے دارد
یا از قبیل کلمات غلام علی آزاد است
کہ حروف آں عربی است و در حقیقت
آں زبان دیگر است۔ بدانست بندہ
در ہندوستان کم تر کسے بوجود آمدہ کہ
زبان او در نظم و نثر عربی
درست باشد۔ زبان شاہ ولی اللہ
صاحب درست است۔ مگر در کتب

قصیدہ تائیہ کی نقل ارسال ہے بقدر
ضرورت مشکل الفاظ کے معانی اور
ضمیروں کے مرجع بھی لکھ دیئے گئے تاکہ
کسی شعر کے سمجھنے میں تکلیف نہ ہو۔
امید ہے کہ ان ابیات کے مطالعہ
کے بعد اُن کے متعلق اپنی رائے ضرور
لکھیں گے کہ آیا اُن کی زبان عربیت سے
کوئی مناسبت رکھتی ہے یا غلام علی
آزاد جیسی تحریر ہے کہ الفاظ عربی اور
زبان دوسری۔ بندہ کے علم میں ہندستان
میں بہت کم لوگ ایسے ہوئے کہ جن کی
زبان عربی نظم و نثر میں درست ہو
شاہ ولی اللہ صاحب کی زبان درست

نظم و نثر شان بجز یک دو قصیدہ
و دو چہار سطر نثر بنظر نرسیدہ است
قصائد نعتیہ کہ در لکھنو بنظم آمدند
بسیار اند ناقل بہم نمی رسد و الا
نقول آں می فرستاد۔

ہے مگر کتابوں میں ان کی نظم و نثر
کے ایک دو قصیدے اور دو چار
سطر نثر کے علاوہ نظر سے نہیں گزرا
جو نعتیہ قصائد لکھنؤ میں منظوم ہوئے
بہت ہیں۔ صحیح نقل کرنے والا نہیں
ملا ورنہ ان کی نقول ضرور بھیجی جاتیں۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکی بانی مدرسہ صولتیہ
کا ایک خط حضرت مولانا نور الحسن صاحب کے نام پیش نظر ہے جس سے
جانبین کے تعلقات اور کمالات پر کافی روشنی پڑتی ہے اس لئے مختصراً نقل
کیا جاتا ہے۔

کشاف دقائق مشکلہ حلال عقد
نکات معضلہ مقدام المتاخرین
تذکرہ علماء المتقدمین ثالث شیخین
بل ثالث معلّمین آیتے از آیات رب
ذوالمنن مولانا و امجدنا مولوی محمد
نور الحسن صاحب لا زال شموس فضلہ
بازغۃ الی یوم القیام ولا یرح مستفیدہ
رضی البال و مقتضی المرام از
اظہار شوق ملازمت کثیر
الافادت کہ لحاظ کثرت اغماض
را از ان خواستگار د اظہار آں
گو موافق نفس الامر باشد منہی از
ارتکاب روبیہ ظاہر پرستان خرد

مشکل دقیقوں کو واضح کرنے والے
اور دشوار نکات کی گرہ کو کھولنے والے
متاخرین کے پیش رو اور علماء
متقدمین کی یادگار شیخین کے تیسرے
بلکہ معلمین کے تیسرے پروردگار
ذوالمنن کی نشانیوں میں سے ایک
نشانی مولانا و امجدنا مولوی محمد
نور الحسن صاحب ان کے فیض کے
آفتاب قیامت تک ہمیشہ درخشاں
رہیں اور فارغ البالی اور مقصد ری
سے مستفید رہیں۔ اس ذات کثیر
الافادہ خدمت گذاری کے شوق کے
اظہار سے کہ اس کی زیادتی کا لحاظ

اہل روزگار است علی الکشح نمودہ
مکلف خدمت بندگان والا
می گرداند کہ سمع خبر پائے فرزکشیدن
آں جناب بدولت خانہ اگرچہ
دل نحیف را براں می آرد، کہ
دراں جا رسیدہ رفع تعطش
شوق بآب زلال قدمبوسی اشرف
گرداند مگر تقاضائے بخت
دندان خامی بعکس اں بظہور
می گراید و آں اینکہ از پنج
وشش روز بواسطہ عارضہ بخار
و بثور فاقد نقد صحت می باشد
بعد حصول آں اگر خواستہ خدا
است اغلب کہ دست یابی برین
مراد شود۔ و خدام جناب حضرت
مولانا مملوک علی صاحب بذریعہ
عنایت نامہ و ہم بوساطت زبانی
آیندگان آں صوب "رسالہ ازالۃ
الاوہام" راکہ از تالیفات کمترین
خلائق است بارادہ طبع او
طلب می فرمایند و خشک جانی
زبے جوہری احقر را اگرچہ
بعض اولی الابصار بخوبی

اس سے چشم پوشی کا مقتضی ہے، اور
اس سے درگذر کرنا اگرچہ واقعہ کے
مطابق ہو اہلِ زمانہ کے نزدیک ظاہر
پرستوں کے رویہ کا بے جا ارتکاب
ہے۔ پہلوتہی کر کے بندگانِ عالی کی
خدمت میں معروض کرتا ہے کہ آنجناب
کے دولت خانہ میں پاؤں پھسل کر
گرنے کی خبر کا سننا اگرچہ دل نحیف
کو اس پر برانگیختہ کرتا ہے کہ وہاں
پہنچ کر شوق کی پیاس کو قدمبوسی
اقدس کے آب زلال سے رفع کرے
مگر بخت ناسازگار کا تقاضا اس کے
برعکس ظاہر ہو رہا ہے۔ پانچ چھ روز
سے بخار وغیرہ عوارض کی وجہ سے صحت
کی پونجی سے محروم ہوں صحت حاصل ہونے
کے بعد اگر خدا نے چاہا تو اغلب گمان
ہے کہ اس مراد پر کامیابی ہوگی جناب
کے خادم حضرت مولانا مملوک علی صاحب
بذریعہ عنایت نامہ اور اس طرف سے آنے والوں کی
زبانی پیام سے بھی "رسالہ ازالۃ الاوہام"
کو جو اس کمترین خلائق کی تالیفات سے
ہے طباعت کے لئے طلب فرما رہے
ہیں اور احقر کی خشک جانی، اور

واقف اند لیکن بندگان مولینا
مفخم بہ سبب ایں کہ ایں بے نصیب
گاہی در محفل فیض مشاکل شان
استفادہ نہ برداشتہ و عرف کلا ینبغی
از کم استعدادی ایں ہیچ میرز ندارند
ازیں جہت ازار سال آں توقفے
بکار رفت کہ مبادا جناب مولینا
پس ملاحظہ اش خیال طلب کردہ
وسجیہ رضیہ بزرگاں را کار فرمودہ
خطاہا را پوشیدہ بقالب طبع
درآرند و لبعدش زلات و خطایا
ایں سراپا خطا دست آویز مخالف
عنید گردد و از اکثر اشخاص مراد سیلہ
چشم پیش داشتن شود ایں کار
خوردن بہر حال شیوہ محمود و علاوہ
ازیں چند متنصران را مثل ماسٹر
رام چندر وغیرہ را ارادہ
رد آں بعد دستیابی نسخہ اش
در دل موجود۔ زیادہ تر احتیاط
بکار بردن را واجب می سازد
و دریں ضلع سوائے ذات مصدر
حسنات دیگر کدامے نیست کہ
دریں باب از ذاتش استصلاحاً

بے جوہری سے اگرچہ بعض اہل بصیرت
بخوبی واقف ہیں۔ لیکن مولانا مفخم
کی عالی ذات (چونکہ اس بے نصیب کو
کبھی ان فیض مآب مجلس میں استفادہ
کا موقع نہیں ملا) پورے طور پر اس
انجان کی کم استعدادی سے واقفیت
نہیں اس وجہ سے اس رسالہ کو بھیجنے
میں توقف ہو رہا ہے کہ مبادا حضرت
مولانا اس کو ملاحظہ کے بعد محض اپنی
طلب کی بنا پر بزرگوں کی پسندیدہ
عادت کے موافق خطاؤں کو نظر انداز
فرما کر طبع کرا دیں اور بعد میں اس سراپا
خطا کی خطائیں اور لغزشیں مخالف
دشمن کے لئے دست آویز بن جائیں
اور بیشتر لوگوں سے مجھے نگاہ نیچی کرنے
کا ذریعہ بنے۔ یہ ذلت اٹھانا بھی ہر حال
میں پسندیدہ شیوہ ہے۔ لیکن اس
کے علاوہ چند نصرانی ماسٹر رام چندر
وغیرہ اس کے نسخہ کی دستیابی کے
بعد اس کی تردید کا ارادہ دل میں رکھتے
ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ احتیاط
برتنا انتہائی ضروری ہے۔ اس ضلع
میں سوائے ذات مصدر حسنات کے

استفسارے دریں باب نعمیل
آید لہذا اکثر اجزا ایش کہ
بمقابلہ و نظر ثانی در آمدہ اند
روانہ خدمت والامی شوند بشرط
فرصت للہ و لرسولہ نظرے
برآں فرمایند و جائیکہ بجہت
کوتہی استعدادم خطائے سرزد
شدہ اصلاح نمایند و
اگر شومی طالع ام کل قابل محو باشد
و بہ فحوائے لن یصلح العطار ما
افسدۃ الدھر اصلاحش بغایت
شاق بر ذات مقدس باشد تاہم
شرف اطلاعی رود کہ آں چناں
اورا گم کنم کہ مانند عنقا احدے
بعدش جز نامش نشنود، واز
پوستین کردن خلائق اینتی بدست
آید - وخدا و رسول شاہد است
کہ ہر قدر اصلاحی و تکمیلی کہ
از بندگانِ حضرت رو خواہد داد،
برائے مستہام ہماں قدر چارگامۂ
عشرت خواہد گشت - اگرچہ جاہلاں
بہت بل عالمان ایں زماں ہم ازیں
امر رنجیدہ می شوند مگر مانہ

دوسرا شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کی
ذات سے اصلاح طلب کی جائے
اور اس بارے میں استفسار کیا
جائے۔ لہذا کتاب کا جس قدر حصہ
مقابلہ اور نظر ثانی ہو چکا ہے خدمت
والا میں روانہ کیا جاتا ہے بشرط فرصت
اللہ اور رسول کے لئے اس کو
ملاحظہ فرماویں اور جہاں میری
کم استعدادی کی وجہ سے کوئی خطا
سرزد ہو گئی ہو اصلاح فرماویں۔
اور اگر میری بدبختی سے سب قابل محو ہو
اور موافق لن یصلح العطار ما افسدۃ الدھر
کے اس کی اصلاح ذات مقدس کے
لئے انتہائی دشوار ہو تب بھی مجھے اطلاع
سے مشرف فرماویں تاکہ پھر اس کو ایسی
طرح غائب کروں کہ عنقا کی طرح
کوئی اس کے بعد اس کے نام کے علاوہ
نہ سنے اور مخلوق کی چیرہ دستی سے نجات
ملے اور خدا اور رسول گواہ ہے کہ جس قدر بھی
اصلاح و ترمیم حضرت عالی کی جانب سے
ظاہر ہو گی مجھ پریشان حال مشتاق کے لئے
وہی سامان نشاط و عشرت ہو گی اگرچہ جہلاء
محض بلکہ اس زمانے کے علماء بھی اس بات

از زمرہ علمار ایں زمانم و بحمد اللہ نہ جاہل بقدر مسطور بلکہ خود را بمنزلہ کمترین مستفید آں از مستفیداں حضرت می دانم گو در ظاہر تا الآں ازیں دولت مشرف نگشتہ۔	میں رنجیدہ خاطر ہوں مگر میرے مکرم نہ میں اس زمانے کے گروہ علمار میں ہوں۔ اور بحمد اللہ نہ جاہل محض ہوں بلکہ اپنے کو آنحضرت کے شاگردوں میں سے ادنیٰ شاگرد کی برابر جانتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر اب تک اس دولت سے مشرف نہیں ہوا ہوں

حضرت مولانا نور الحسن صاحب کی رئیسانہ شان تھی اور درویشانہ ادائیں ظاہری وجاہت وثروت کے باوجود زہد وتقوے اور عبادت وریاضت میں بھی بے نظیر تھے۔ چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن حیرت ان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

از فرط تقویٰ بہ پیکر ملکی گرائیدہ بودند واز دلق لوث دنیا برآمدہ کسوت عرشیاں پوشیدہ۔ در گروہ انسانان کسے را مثل شان چشم ظاہر بین نہ دیدہ و نہ گوشے مانند آں دیگرے شنیدہ۔ بہ ہمہ اوصاف صوری و معنوی موصوف و در جملہ حسن و خوبی در آفاق معروف بودند	فرطِ تقوے کے باعث فرشتوں کی شکل اختیار کیئے ہوئے اور دنیا آلودہ گدڑی کو پھینک کر عرشیوں کا لباس پہنے ہوئے انسانی گروہ میں کسی کو ان جیسا ظاہر بین نگاہ نے نہ دیکھا ہے اور نہ کانوں نے ان کے مانند دوسرا سنا ہے۔ تمام صوری اور معنوی اوصاف سے متصف اور ہر حسن و میں تمام جہاں میں مشہور و معروف تھے

مثنوی

ندانم ملک یا بشر بودہ اند	بہ ملک خرد یا ظفر بودہ اند
زفرجود تقریر سحبان خجل	ارسطو ز فرتاب او منفعل
درخشاں بہ چرخ خرد آفتاب	ز نورش خجل انجم و ماہتاب

وجودش گہر بود یکتا بہ علم | چو مہر منور درخشاں بہ علم
دلش مہبط نور یزدان پاک | ہمدم ز فیضان او فرحناک

۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوئے۔ حضرت مولانا نورالحسن صاحب نے ہدایہ اولین پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ اور دیوان متنبی پر مختصر اور نہایت جامع حاشیہ تحریر فرمایا مشہور کتاب مائۃ مسائل جو شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلویؒ کی طرف منسوب ہے دراصل مولانا ہی کی تصنیف ہے۔ جیسا کہ بعض پرانے کاغذات سے معلوم ہوتا ہے اور امیر شاہ صاحب نے اپنے کتاب امیر الروایات میں اس کی تصریح کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ کتاب اربعین اور مائۃ مسائل کی تصنیف کی وجہ یہ ہے کہ خان زمان خان دتاؤلی رئیس بھیکم پور نے شاہ اسحٰق صاحب سے سوالات کئے تھے، اُن کے جوابات میں تو شاہ صاحب نے اربعین لکھی ہے اور کچھ سوالات دہلی کے شاہزادوں اور بادشاہ دہلی اور حاجی قاسم اور مولوی کریم اللہ وغیرہ مخالفین نے آپس میں مشورہ کرکے اور سوالات ترتیب دے کر کئے تھے اور یہ قید بھی لگادی تھی کہ ان کے جوابات فلاں فلاں علماء کی تصریحات سے ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب شاہ صاحب نے مولوی نورالحسن صاحب کاندھلوی کے سپرد کردیا اور انہوں نے شاہ صاحب کی طرف سے ان کا جواب لکھا، اس کتاب کا نام "مائۃ مسائل" ہے اور اربعین اور مائۃ مسائل کے بعض بعض مسائل میں جو آپس میں کسی قدر اختلاف ہے۔ مثلاً ایک مسئلہ کے متعلق اربعین میں فتوے حرمت ہے تو مائۃ مسائل میں مکروہ وبخوذلک اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ اربعین کے جوابات میں شاہ صاحب آزاد تھے اس لئے انہوں نے اپنی تحقیق کے مطابق جوابات دئے ہیں اور مائۃ مسائل کے جوابات میں اصل مجیب یعنی مولوی نورالحسن صاحب اور شاہ صاحب

جن کی طرف سے وہ جوابات ہیں دونوں پابند تھے۔ اس لئے جس قدر تصریح ان علمار کے کلام میں ملی جن کی تصریح سے جواب کی درخواست کی گئی تھی اس قدر لکھ دی گئی۔ یہ منشار ہے اختلاف کا اس قصہ کو میں نے میاں جی محمدی صاحب حکیم خادم علی صاحب، شیخ فیاض علی صاحب، مولوی حسین احمد صاحب غورجوی اور دیگر حضرات سے سنا ہے (ارواح ثلثہ صنہ ۹۰)

ایک عربی بے نقط رسالہ میں ریاست الور کے حالات قلم بند فرمائے اور بھی بعض رسائل تصنیف فرمائے اور ہر علم وفن کی بے شمار کتابیں، اور رسائل نقل کئے۔ بروز سہ شنبہ بوقت شام ۱۱ر محرم الحرام ۱۲۸۵ھ کو وفات پائی اللھم اغفرہ وارحمہ ونور مرقدہٗ تاریخ وفات از مولانا محمد سلیمان صاحب

وینجو تقی من الغم

۱۲۸۵ھ

سفر حج کی تفصیل حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب کا یہ مبارک سفر حضرت مولانا محمد مظفر حسین صاحب کی ہمراہی میں ہوا۔ حضرت مولینا محمد یعقوب صاحب نانوتوی۔ حضرت حافظ عابد حسین اور مولانا محمد قاسم صاحب وغیرہ اکابر علمار، اس قافلہ میں شامل تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس سفر کا مفصل روزنامچہ لکھا ہے جو بیاض یعقوبی میں درج ہے (صنہ ۱۲۸ تا صنہ ۱۵۰)

یہ قافلہ جمادی الاول ۱۲۷۷ھ مطابق نومبر ۱۸۶۰ء کو چھکڑوں میں روانہ ہوا۔ ایک مہینہ میں فیروز پور پنجاب پہنچا۔ فیروز پور سے بادبانی کشتیاں کرائے کرکے آخر شعبان ۱۲۷۷ھ مطابق مارچ ۱۸۶۱ء کو کراچی پہنچا۔

کراچی سے شروع رمضان المبارک ۱۲۷۷ھ مطابق مارچ ۱۸۶۱ء

کو جہازوں میں سوار ہوکر ۱۴؍ ذلقعدہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۸۶۱ء کو بندرگاہ لیث پر پہنچے اور وہاں سے اونٹوں پر سوار ہوکر ۲۳؍ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۳؍ جون ۱۸۶۱ء کو چھ مہینہ ۲۳ دن میں مکہ مکرمہ پہنچے اور حرم محترم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اور حاجی امداد اللہ صاحب کے پاس ان کی رباط میں قیام پذیر ہوئے۔ بروز چہارشنبہ مطابق ۱۵؍ جون ۱۸۶۱ء کو حج کی سعادت حاصل ہوئی اور ۱۰؍ جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸؍ دسمبر ۱۸۶۱ء کو وطن واپسی ہوئی اور تیرہ ماہ دس روز اس سعادت کے حصول میں صرف ہوئے۔ آپ کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد ضیاء الحسن صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔

جہاد

۱۸۵۷ء

۱۸۵۷ء کے جہاد کے متعلق جس کو غدر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔ لیکن ان کی صحیح نوعیت کا اندازہ اس وقت ہوگا جب اس خاندان کی اس وقت کی حیثیت اور اصلی پوزیشن سامنے ہوگی۔ اس لئے تمہید کے طور پر چند باتیں لکھی جاتی ہیں۔

اس جذبۂ جہاد کی روح رواں اور اصل الاصول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کی مقدس ہستیاں تھے۔ اور اس خاندان اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کا روحانی اور ایمانی تعلق۔ قدیم سے وابستہ تھا اور خاندان کا ہر فرد ولی اللّٰہی خاندان کے ساتھ ہر طرح وابستہ تھا۔ تلمذ اور شاگردی بھی تھی اور عقیدت و وارفتگی و شیفتگی بھی۔ اس طرح دونوں خاندانوں میں پورا اتحاد اور اعتماد قائم تھا۔

پھر اس تحریکِ جہاد کو چلانے اور کامیاب بنانے والے دو گروہ تھے۔ پہلا گروہ وہ جو اس خاندان ولی اللہی سے روحانی تعلق رکھتا تھا جس کے سربراہ پیشوا شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید تھے اور ان کے سارے متوسلین منتسبین حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہم تھے۔

اس خاندان کے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح اور حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید سے روحانی اور ایمانی تعلق کے علاوہ رشتہ داری کا تعلق بھی قائم تھا۔ حضرت مفتی صاحب کی صاحب زادی کی نواسی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی اہلیہ تھیں۔ اور حضرت حافظ ضامن صاحب کی بھتیجی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی اہلیہ تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی نسلی رشتے ان بزرگواروں سے قائم تھے اور قصبہ تھانہ بھون کے جن مجاہدین نے نمایاں سرفروشی کی سب کے ساتھ رشتہ داری تھی۔ قرابت و یگانگت تھی۔ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی مہاجر مکی (جنہوں نے کیرانہ سے علم جہاد بلند کیا) سے بھی رشتہ اور قرابت کے تعلقات وابستہ تھے اور وہ اتحاد و یگانگت تھی جس کی بنا پر ایک ہی خاندان شمار ہوتا تھا۔

دوسرا گروہ جو حضرت شاہ صاحب کے خاندان سے محض شاگردی کا تعلق رکھتا تھا اس کے سربراہ مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی، اور مفتی صدر الدین صاحب تھے۔ (جنہوں نے دہلی دار السلطنت سے علم جہاد بلند کیا) ان دونوں صاحبان سے حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب کے جو خصوصی تعلقات تھے ان کا اجمالی تذکرہ پہلے گذر چکا جن کی بنا پر خاص اتحاد اور اعتماد قائم تھا۔ چنانچہ مولینا احمد اللہ شاہ صاحب نے اس وقت دہلی پہنچ کر جو مجلس مشاورت منعقد کی اس میں حضرت مولانا

نورالحسن صاحب کا اسم گرامی درج ہے۔ پھر مفتی صدر الدین صاحب کے آگرہ منتقل ہونے کے بعد جو مجالس شوریٰ ان کے یہاں منعقد ہوتی تھی ان میں حضرت مولانا نورالحسن صاحب بھی شریک رہتے تھے (دیکھو ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علمار مصنفہ مفتی انتظام اللہ (صلا ، صلا)

مولانا احمد اللہ شاہ نے تحریک جہاد کو کامیاب بنانے کے لئے جو مجلس علمار قائم کی تھی۔ مولانا نورالحسن صاحب بھی اس کے رکن تھے۔ چنانچہ مفتی انتظام اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"غرض کہ شاہ صاحب نے علمار کی مجلس، جس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے قائم کی تھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کو ختم کرنا تھا۔ اس مجلس میں مولانا غلام امام شہید۔ مفتی انعام اللہ خاں۔ مولانا محمد قاسم داناپوری۔ مولوی کریم اللہ خان بہادر صدر الصدور۔ مولوی حافظ ریاض الدین مفتی شہر مولوی امام بخش وکیل۔ مولوی منصب علی۔ مولوی اعتقاد علی مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مرزا اسعد علی بیگ مفتی عبدالوہاب گوپاموی۔ مولوی نور اللہ گوپاموی مولوی نورالحسن۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی حضرات تھے۔ اس مجلس پر حکومت ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کچھ حضرات کو ایک مقدمہ میں پھانسنا چاہا۔ مگر ناکامی رہی۔ اس واقعہ کو ولسن گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (غدر کے چند علمار ص۹۲)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی کے خاص معتمد اور معتقد تھے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی قائم کردہ مجلس جہاد کے اہم رکن اور سرگرم ممبر تھے جس کا تذکرہ پنڈت رتن لال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

شاہ ولی اللہ کے جانشین شاہ عبدالعزیز کے انقلابی پروگرام کو دیکھ کر گورنمنٹ نے انہیں دوبارہ زہر دیا ایک چھپکلی کا ابٹن ان کے بدن پر ملوا دیا۔ جس سے انہیں کوڑھ کی بیماری ہو گئی۔ ان سزاؤں کے بعد جب گورنمنٹ نے دیکھا کہ وہ برابر اپنے اصولوں کے پابند ہیں اور تحریک آزادی کو پھیلا رہے ہیں تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ دلی سے بہت دور کہیں چلے جائیں اور جہاں بھی جائیں وہ سفر پاپیادہ کریں۔ جس کے نتیجے میں انہیں جونپور تک پیدل جانا پڑا۔ راستے میں لو لگنے سے ہمیشہ کے لئے ان کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی لیکن جب دیش نکالے کی مدت ختم ہو گئی تو پھر شاہ عبدالعزیز صاحب دلی میں آ گئے۔ اس وقت ہندوستان کا حال ایسا تھا کہ کوئی ہندوستانی انگریز کے سامنے سے گھوڑے پر چڑھ کر نہیں گذر سکتا تھا معمولی ٹامیوں کے سامنے بھی گھوڑے سے اتر جانا پڑتا تھا۔ اس حالت میں یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ یا تو وہ حکومت کے خلاف تلوار اٹھائیں یا اس جگہ کو چھوڑ دیں اور صرف یہ فتوے ہی دے کر بیٹھ نہیں گئے۔ بلکہ نابینا اور کوڑھی ہونے کے باوجود جنگ آزادی کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ باقاعدہ ایک بورڈ بنایا جس کے ممبر شاہ اسمٰعیل اور مولانا عبدالحی و سید صاحب نے ہر اعتبار سے اس تنظیم کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔ شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جانشین شاہ محمد اسحٰق مقرر ہوئے تو انہوں نے اس بورڈ کی صدارت مولانا مملوک علی کے سپرد کی کیونکہ مولینا دلی کالج کے پروفیسر تھے اور بورڈ انگریزوں کی نظر عتاب میں

انہی کی وجہ سے بچار ہا اس بورڈ کے سرگرم کارکنوں میں لائق ذکر قطب الدین دہلوی ۔ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی اور مولانا عبدالغنی ہیں ۔ ان عَلم برداران حریت کی سرگرمیوں سے انگریز تنگ آگئے تھے ۔ جس کا اظہار لارڈ ایلفرا کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو اس نے ڈیوک آف ویلنگٹن کو لکھے ہیں ۔

۷ ستمبر ۱۹۳۸ء ۶ از منقول از بیباک سہارنپور مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۵۷ء روزانہ تیج دہلی)

مولانا عبید اللہ صاحب سندھی تحریر فرماتے ہیں :۔

" الصدر الحمید (مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی) مکہ معظمہ میں اپنے بھائی مولانا محمد یعقوب دہلوی کو اپنے ساتھ لے گئے اور دہلی میں مولانا مملوک علی کی صدارت سے مولانا قطب الدین صاحب دہلوی مولانا مظفر حسین کاندھلوی مولانا عبدالحیٔ دہلوی کو ملا کر ایک بورڈ بنا دیا جو اس نئے پروگرام کی اشاعت کر کے نئے سرے سے جماعتی نظام پیدا کرے گا ۔ یہی جماعت آگے چل کر دیوبندی نظام چلاتی ہے ۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۸)

غرض حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ اس مجلس کے اہم رکن تھے جس کو حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب اور حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب تحریک جہاد چلانے کے لئے مقرر کر گئے تھے اور حضرت مولانا نورالحسن صاحب اس مجلس علماء کے رکن تھے جس کو مولانا شاہ احمد اللہ صاحب نے جہاد حریت کے لئے قائم کیا تھا اور ہر طرف سے اس خاندان پر " جہاد حریت " کی ذمہ داری عائد تھی ۔

حضرت مولانا محمد نورالحسن کی اولاد

حضرت مولانا نورالحسن صاحب نے چار صاحب زادے یادگار چھوڑے۔

(۱) مولانا مولوی محمد ضیاءالحسن صاحب عرف محمد صادق

(۲) مولانا حکیم محمد ظہورالحسن صاحب عرف محمد ابراہیم۔

(۳) مولانا مولوی محمد فیض الحسن صاحب عرف محمد اکبر

(۴) مولانا مولوی محمد ریاض الحسن صاحب عرف محمد سلیمان

ان بزرگواروں کے اصل نام لفظ حسن کے ساتھ تھے۔ والدہ ماجدہ کو چونکہ قدیم دستور اور شرم و حیا کی وجہ سے پورا نام لینا دشوار تھا۔ اس لئے کہ شوہر کا نام بھی حسن کے ساتھ تھا۔ پس انہوں نے ہر ایک کا عرف رکھ دیا۔ اور اسی عرفی نام کے ساتھ چاروں صاحب زادے معروف و مشہور ہوئے اور اصلی نام صرف کاغذی یادگار رہ گیا۔

یہ چاروں بزرگوار فضل و کمال کے گویا "چہار گلزار" تھے اور ہر ایک اپنی خصوصیات اور امتیازات میں نمایاں اور ممتاز شان رکھتا تھا اور یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا۔

مولوی ابوالحسن علی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مفتی صاحب کے صاحبزادے اور پوتے سب ذہین و ذکی ذی علم اور صاحبِ وجاہت تھے۔ ذہن و ذکاوت علم ادب سے فطری مناسبت اور خدا کی طرف رجوع و انابت اس خاندان کی خصوصیات ہیں ....

مولوی ضیاء الحسن صاحب، مولوی اکبر صاحب، مولوی سلیمان
صاحب۔ حکیم مولوی ابراہیم صاحب اس خانوادے کے نامور
فرزند ہیں۔ (سیرت مولانا محمد الیاس صہ ۳۵)

حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب خود تو جامع العلوم تھے اور ہر علم و
فن میں کمال رکھتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے چاروں صاحب زادوں کے
لئے علیحدہ علیحدہ علوم کا انتخاب فرمایا جس میں ہر ایک کی نمایاں شان تھی۔ مولانا
محمد ضیاء الحسن صاحب علم تفسیر و حدیث و فقہ میں ممتاز تھے اور مولینا حکیم
محمد ابراہیم صاحب علم طب کے ماہر اور حکیم حاذق تھے اور مولینا محمد اکبر
صاحب علوم ادب اور فلسفہ و حکمت میں نمایاں تھے۔ اور مولانا محمد سلیمان
صاحب علم اخلاق و تصوف میں خصوصی شان رکھتے تھے۔

ان چاروں بھائیوں کے یہاں پوری یک جہتی اور یگانگت کے ساتھ
ایسی طرح تقسیم کار تھی کہ چاروں کا مجموعہ مل کر خاندان کا شیرازہ بندھا ہوا تھا
مولانا ضیاء الحسن صاحب کے سپرد حکام اور عمائدین سے ملاقات اور تعلقات
اور قصبہ اور بیرون قصبہ کی معاملات اور سیاسیات تھے اور اس نوع میں وہ
اپنے اسلاف کی یادگار شمار ہوتے تھے۔

مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب عوام کی خدمت اور مطلب میں مشغول اور مصروف
رہتے تھے اور قصبہ کی امامت اور دینی قیادت سپرد تھی۔ مولانا محمد اکبر صاحب
بہ سلسلۂ ملازمت باہر رہتے تھے۔ کبھی کبھی وطن آتے تھے۔ مولانا محمد سلیمان
صاحب کے متعلق تمام جائداد باغات اور تمام انتظامی امور تھے۔ جن سے
دوسرے بھائیوں کو بظاہر کوئی سروکار نہ تھا۔ ان بھائیوں کا باہمی تعلق و محبت
بھی خود اپنی آپ ہی نظیر تھا اور ہر ایک کے لئے رشک آفریں۔ جائداد
کی آمدنی کی تقسیم بھی بحصہ مساوی نہ تھی بلکہ حسب اخراجات اور حسب ضرورت
قرعے بنائے گئے تھے اور سب سے چھوٹا قرعہ خود مولانا محمد سلیمان صاحب

کا تھا۔ چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اور وہ بھی ان کی وصیّت کے اُن کے وصال کے بعد اُن کے بھتیجوں میں بحصہ مساوی تقسیم ہوگیا۔ اس خاندان کی ایک خاص خصوصیت اب تک یہ رہی ہے کہ اپنے خاندانی معاملات میں کبھی عدالت اور کچہری کی نوبت نہیں آئی۔ اگر کبھی کچھ باہمی تنازعات پیدا بھی ہوئے تو ان کو باہمی طور پر حسن و خوبی کے ساتھ سلجھا لیا گیا اور دوسروں کی نگاہوں میں کبھی ذلیل و خوار ہونے کی نوبت نہیں آئی اس طرح خاندانی وقار اور اقتدار قائم و دائم رہا۔

مولانا الحاج محمّد ضیاء الحسن صاحبؒ

عرف محمد صادق

یوم دوشنبہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق کو پیدا ہوئے قرآن مجید حفظ کیا اور تمام علوم و معارف اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا نور الحسن صاحب سے حاصل کئے۔ تفسیر، حدیث۔ فقہ میں خاص مہارت رکھتے تھے اور بیشتر انہی علوم کا شغل رہتا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں اواخر ربیع الاول ۱۲۶۸ھ میں بائیس سال کی عمر میں پوری شرح وقایہ نہایت خوش خط اپنے ہاتھ سے لکھی اور ضروری حل کیا۔ خصوصاً علم فرائض میں مہارت تام حاصل تھی اور پورا علم مستحضر تھا۔ چنانچہ ایک نشست میں بغیر کتابوں کی مراجعت کے محض یادداشت سے علم فرائض میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ جو مطبع علیمی دہلی میں سراجی کے ساتھ طبع ہو چکا ہے، اور علم فرائض کے تمام اہم مسائل اور اصول کو جامع اور حاوی ہے اور قابلِ حفظ

ہے۔ ابتدا میں سرکاری ملازمت کی پہلا تقرر اپریل ۱۸۹۳ء کو ضلع بجنور میں سررشتہ بندوبست میں ہوا۔ مختلف عہدوں پر فائز اور کامیاب ہوئے اور پندرہ سولہ سال ملازمت کی پھر اس چاکری اور محکومی سے دل برداشتہ ہو کر ملازمت کو ترک کیا اور مکان پر رئیسانہ شان کے ساتھ زندگی گذارنی شروع کر دی۔ تمام حکام ضلع اور عمائدین اطراف سے دوستانہ اور مساویانہ تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک آپ کا ادب و احترام کرتا تھا۔ چہرہ پر رعب اور جلال اس قدر تھا کہ ہر کس و ناکس کی یہ ہمت نہ پڑتی تھی کہ بے تکلف سامنے سے گذر جائے۔ تمام قصبہ بلکہ تمام ضلع اور اطراف کے لوگوں کی بلا تفریق مذہب ملت کی خدمت گذاری اور ہمدردی اور خیر خواہی کرتے تھے اور ہر کام میں ہر ہندو اور مسلمان کی پشت و پناہ سمجھے جاتے تھے اور ضلع اور اطراف پر پورا پورا اثر و اقتدار حاصل تھا۔ شجاعت، ذکاوت اور ذہانت، مروت، سخاوت بہادری اور دلیری میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے، اور دور دور مشہور تھے۔ ایک دن معلوم ہوا کہ قصبہ پر ڈاکوؤں کا حملہ کرنے اور لوٹنے کا خیال ہے۔ آپ نے تن تنہا رات کو قصبہ کے باہر ڈاکوؤں کا استقبال کیا۔ ان کے سردار نے کہا کہ ہم مسلمانوں کو کوئی نقصان ہرگز نہ پہنچائیں گے۔ آپ نے فرمایا جب تک میں زندہ ہوں، قصبہ کے کسی ایک فرد کا بھی نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ خالی لوٹنا ہماری توہین اور بد شگونی ہے۔ بہت رد و کد کے بعد یہ طے ہوا کہ سب کو شربت پلا کر رخصت کیا جائے۔ ڈاکوؤں کا مجمع اس قدر کثیر تھا کہ شربت کے لئے کنوئیں میں شکر کی بوریاں ڈالنی پڑیں، اور سب کو شربت پلا کر رخصت کیا۔

نڈر اس قدر تھے کہ ایک مرتبہ غروب آفتاب کے بعد اسد پور جرطانہ کے باغ سے واپس آ رہے تھے، راستے میں پیپل کے نیچے پوجا پاٹ کی جگہ بنی ہوئی تھی، وہاں ایک طباق شکرانہ کا بنا ہوا رکھا تھا جو کسی نے چڑھایا

تھا۔ آپ نے یہ سوچ کر کہ بیکار ضائع جائے گا اس کو کھانا شروع کر دیا۔
داہنا ہاتھ جو طباق میں ڈالا وہ وہیں پیوست ہوگیا۔ آپ نے بائیں ہاتھ سے
کھانا چاہا وہ بھی پیوست ہوگیا۔ اب آپ کو بھی مذاق کی سوجھی اور طباق کو اوپر
اٹھا کر منہ سے کھانا شروع کیا، ایک ہنسی اور کھل کھلانے کی آواز آئی اور دونوں ہاتھ
چھوٹ گئے۔ پھر آپ نے بے تکلف اس تسکرانے کو تناول فرمایا۔ مظلوموں
اور کمزوروں کی ہمدردی اور دستگیری اور خیر خواہی آپ کا خصوصی شعار
تھی۔ اسی لئے ہر دل عزیزی عام تھی اور ہر ایک اپنا سردار اور سرتاج سمجھتا تھا
اس ظاہری شان و شوکت اور طمطراق کے ساتھ علمی مشغلہ بھی بدستور جاری تھا
اور ہر علم و فن کی کتابیں زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ حضرت مولانا نور الحسن صاحب
نے ہدایہ اولین کا حاشیہ تحریر فرمایا۔ آپ نے اسی طرز پر ہدایہ اخیرین کا حاشیہ
تحریر فرما کر کتاب کو مکمل کر دیا۔ ایک رسالہ علم فرائض میں تحریر فرمایا جس کا ذکر
پہلے گزر چکا۔ آپ ۱۲۷۷ھ میں والد بزرگوار اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب
کی ہمراہی میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے بھی مشرف ہوئے۔
اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ کو وفات پائی۔ تاریخ وفات "غفر لہٗ" ہے ۱۳۱۵ھ

مولانا ضیاء الحسن کا بڑا کارنامہ میری نگاہوں میں یہ ہے کہ انہوں نے
قدیمی تعلقات کی بالکل پرواہ نہیں کی اور سرسید احمد کو ان کے نیچری خیالات اور
فاسد معتقدات پر متنبہ کیا۔ اس سلسلہ میں جانبین میں عرصہ تک سنجیدگی کے
ساتھ طویل خط و کتابت بھی رہی۔ افسوس ناقدری اور بے التفاتی کی وجہ سے
وہ خطوط تلف ہوگئے۔ اگر وہ شائع ہو جاتے تو بہت سی غلط فہمیاں دور
ہو جاتیں اور بیشتر نیچری خیالات اور فاسد رجحانات کا یکسر خاتمہ ہو جاتا۔
مولانا محمد ضیاء الحسن صاحب کی شادی مشہور عارفہ عابدہ خاتون بی بی امۃ الرحمٰن
عرف امی بی حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا تذکرہ
پہلے گزر چکا۔ ان سے پانچ اولاد ہوئیں۔ تین صاحبزادیاں، بڑی صاحبزادی

کی شادی حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب بن غلام حسین جھنجھانوی سے ہوئی، اُن کی اولاد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہیں جن کا تذکرہ آئندہ آئے گا انشاء اللہ۔ دوسری کی شادی حضرت مولانا محمد میاں صاحب سے ہوئی جو حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موصوف کے پہلی بیوی سے صاحبزادہ تھے۔ تیسری کی شادی شیخ محمد احسن پسر شیخ محمد اسحاق سے ہوئی اور دو صاحبزادے اوّل مولوی شمس الحسن صاحب اور دوسرے مولوی محمد رؤف الحسن صاحب

حافظ مولوی الحاج محمد شمس الحسن صاحبؒ تحصیلدار

۱۴ رجب ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے قرآن مجید حفظ کیا اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ کالج میں بی اے تک انگریزی تعلیم حاصل کی۔ تعلیم کے بعد تیس ۳۰ سال سرکاری ملازمت کی۔ بیشتر زمانہ متفرق مقامات پر تحصیل داری میں گزرا کئی مرتبہ ڈپٹی کلکٹری کے لئے نامزد کئے۔ لیکن اپنی دیانت داری، حق گوئی اور حق پسندی اور نازک مزاجی کی وجہ سے اس عہدہ پر برقرار نہ رہ سکے اور آخر میں تحصیلداری سے سبک دوش ہوئے، اور پھر تقریباً تیس ہی سال سرکار سے پنشن حاصل کی اور گھر پر زندگی بسر کی۔ ملازمت کا سارا زمانہ انتہائی امانت داری دیانتداری اور نیک نامی کے ساتھ گزارا۔ رشوت لینا تو درکنار کبھی اپنے مخصوص دوستوں کے علاوہ کسی کے یہاں کھانا بھی نہ کھاتے تھے اور دورہ وغیرہ پر جب جاتے تو

کسی پر بار نہ ڈالتے اور کل مصارف خود برداشت کرتے تھے۔ اگر مروت کی وجہ سے کبھی کسی سے کوئی چیز لینی پڑ جاتی تو اس کا بدل دینا ضروری اور لازمی جانتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دورانِ ملازمت نہ کبھی کسی کی عمداً حق تلفی کی اور نہ کسی پر ظلم و تعدی کی اور نہ کبھی خلافِ انصاف کوئی حکم صادر کیا۔ بعض حکام بالا سے اس بات پر نزاع ہوا کہ انہوں نے خلاف حق و انصاف کوئی کام کرانا چاہا اور انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اور یہی امر ترقی میں رکاوٹ بنا۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساری عمر میں صرف دو بار جھوٹ بولا۔ ایک مرتبہ صاف جھوٹ بولنے کی مجبوری پیش آئی اور دوسری مرتبہ توریہ کیا۔

ایک مرتبہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے پاس بیٹھے تھے کہ وہاں کے مشہور رئیس خواجہ مظاہر حسن صاحب آئے۔ وہ ان کو دیکھ کر بہت ہی مسرور ہوئے اور انتہائی ادب و احترام سے ملے۔ اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے دریافت فرمایا تم ان سے کہاں سے واقف ہو؟ خواجہ مظاہر حسن نے کہا میرا اور ان کا ملازمت میں ساتھ رہا ہے۔ میں نے آج تک ان جیسا حق پسند اور راست گو انسان نہیں دیکھا۔

قصبہ میں گڑھواؤں کی مسجد پر جب ہندو مسلم فساد ہوا تو مجسٹریٹ ضلع ایک یوریین تھا مارچ نام جس کے ماتحت مولوی شمس الحسن صاحب رہ چکے تھے اور ڈپٹی مجسٹریٹ جس کے یہاں مقدمہ تھا ڈپٹی عین الدین تھا جو عرصہ دراز تک ان کے ماتحت رہ چکا تھا۔ اس لئے دونوں نے یہ طے کیا۔ مولوی شمس الحسن صاحب کا بیان لیا جائے تاکہ حقیقت حال واضح ہو۔ اس لئے کہ وہ جھوٹ کبھی نہیں بول سکتے۔ مقدمہ کی نوعیت یہ تھی کہ واقعہ بالکل سچا تھا اور درحقیقت مسلمانوں پر ظلم ہوا تھا اور بے قصور ان پر حملہ کر کے زدوکوب کیا گیا تھا۔ لیکن مقدمہ کی ترتیب جن بنیادوں پر قائم کی گئی تھی وہ سراسر جھوٹ تھیں۔

سارے قصبہ نے کوشش کی کہ مولوی شمس الدین صاحب اس موقعہ

پر جھوٹ بول دیں مگر وہ کسی طرح اس پر آمادہ نہ ہوئے اور اپنے بیان میں ہر بات صحیح اور سچ کہی جس کی بنا پر عدالت کو مسلمانوں کے خلاف حکم صادر کرنا پڑا۔ ڈپٹی عین الدین کا حال یہ تھا کہ عدالت کی کرسی پر ہونے کے باوجود آپ سے اس قدر ڈر رہا تھا جیسا کبھی اپنی ماتحتی کے زمانے میں ڈرا کرتا تھا۔ بعد میں مولوی ظہیر الحسن صاحب سے بیان کیا کہ اتنے تحصیل دار صاحب بیان دیتے رہے مجھے یہ ڈر رہا کہ اگر ذرا بھی کوئی بات خلافِ مزاج سرزد ہو گئی تو بے نامل دھپ رسید کریں گے۔ بیان کے دوران میں یہ تو چند بار پیش آیا کہ آپ نے سخت لہجہ میں جواب دیا اور ڈپٹی عین الدین نے فوراً اس کی تلافی کر دی اور بات کو ٹلا دیا۔

ایک مرتبہ میں مظفر نگر سے ساتھ آرہا تھا۔ راستہ میں بگھرہ پر امرود فروخت ہو رہے تھے مجھے ایک روپیہ دیا کہ اس کے امرود لے آؤ۔ میں نے ٹوکرہ میں سے تمام اچھے امرود چھانٹ کر تلوا لئے جو خراب تھے وہ رہ گئے۔ یہ دیکھ کر سواری سے خود اتر کر آئے اور میرا کان پکڑ کر فرمایا۔ یہ عمدہ امرود سب تم نے چھانٹ لئے باقی خراب کو کون لے گا؟ یہ فرما کر امرودوں کو ٹوکرے میں ڈلوایا اور اچھے اور برے ملا کر دوبارہ تلوائے۔ یہ ان کی حق پسندی کی ایک ادنیٰ مثال تھی ابتدائی زمانہ انتہائی شان و شوکت اور نازک مزاجی سے بسر فرمایا۔ سنا ہے کہ جب کپڑوں میں سلوٹ پڑ جاتی تھی تو فوراً کپڑے بدل دیتے تھے اور دن میں کئی کئی مرتبہ لباس تبدیل کرنے کی نوبت آتی تھی۔ رعب و جلال اتنا تھا کہ ہر ایک کی سامنے آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ لیکن آخر میں حالات بالکل برعکس ہو گئے تھے اور کوئی پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی شمس الحسن ہیں جن کی کبھی یہ شان تھی۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے اپنی فراست اور حسنِ تدبیر سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے مرید کرا دیا تھا اور یہ تعلق پھر اس قدر بڑھا کہ ملازمت کے بعد بیشتر سہارنپور رہتے تھے اور وہاں مستقل کمرہ کرائے پر

لیا ہوا تھا۔ کھانا اور چائے وغیرہ سب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے یہاں سے آتا تھا اور حضرت کے یہاں اُن کا خصوصی اہتمام اور اعزاز ہوتا تھا عمومی مہمانوں کے زمرہ میں شامل نہ تھے اور امتدادِ زمانہ کے باوجود آخر تک اس احترام اور اہتمام میں کبھی کسی قسم کا فرق نہیں آیا اور جانبین کا تعلق، روز افزوں رہا۔

غذا اس قدر کم تھی کہ گویا نہیں تھی۔ نفیس اور عمدہ غذا کے چند لقمے لیتے تھے۔ شاذ و نادر ہی کبھی ایک روٹی پوری ہوتی ہوگی۔ میں نے اپنے ہوش میں کبھی ان کی اس سے زیادہ غذا نہیں دیکھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے سفر حج میں متواتر دو ہفتوں ایک بسکٹ روزانہ پر اکتفا کیا ہے۔

قرآن شریف جو بچپن میں حفظ کیا تھا دورانِ ملازمت میں اس کو بھول گئے اس لئے ملازمت کے بعد پھر از سر نو تمام قرآن مجید حفظ یاد کیا اور آخر زمانہ کے یہی چند مشاغل تھے۔ قرآن خوانی، کتب بینی، اخبار بینی، دینی کتابوں، اور رسالوں کا بے حد شوق تھا۔ مختلف ماہوار دینی جرائد اور اخبارات اپنے نام جاری کرا رکھے تھے۔ ان کے مطالعہ سے فارغ ہوتے تو ذکر اللہ میں مشغول ہوجاتے تھے اور ہر وقت زبان پر ذکر یاری جاری تھا، بیواؤں اور ناداروں کی خبر گیری کرتے تھے۔ پنشن کا سارا روپیہ غربا اور اقربا پر خرچ ہوتا تھا اپنے ضروری اخراجات کے لئے بہت کم رقم بچاتے تھے

آپ نے تین حج کئے پہلا حج مطابق ۱۹۱۲ء میں، اس سفر میں بیت المقدس وغیرہ مقدس مقامات کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ دوسرا حج ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی معیت میں ہوا جس کا تذکرہ دوسرے حصے میں آئے گا۔ پھر تیسرا حج ۱۳۴۵ھ میں حضرت سہارنپوری کی حیات اور مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں ہوا

موصوف کا ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۷ء کاندھلہ میں وصال ہوا۔

مطابق ۲۳ دسمبر ۱۸۷۸ء کو اپنے حقیقی چچا مولانا محمد اکبر صاحب کی بڑی صاحبزادی سے نکاح ہوا مگر کوئی اولاد نہ ہوئی۔

مولوی حافظ الحاج محمد رؤف الحسن صاحبؒ

بروز یک شنبہ ۱۱ شوال ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۸۶۷ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی کتابیں شروع کیں۔ مگر تعلیم کی طرف رغبت بالکل نہ تھی بار بار گھر چھوڑ کر بھاگتے تھے۔ آخر میں مجبور ہو کر مولینا ضیاء الحسن صاحب کے ایک دوست نے ان کو اپنے پاس مظفر نگر بلا لیا وہاں اپنے شوق سے مختاری کی۔ اردو کتابیں پڑھ کر مختاری کا امتحان دیا، اور کامیاب ہو کر وہیں مختاری شروع کر دی اور بہت کامیابی حاصل کی بے حد و حساب روپیہ کمایا اور جس قدر کمایا ہمیشہ اس سے زیادہ خرچ کیا، نہ روپیہ کی پرواہ تھی اور نہ روپیہ جمع کرنے کا شوق۔ زیادہ خرچ مہمانداری اور احباب نوازی کا تھا۔ ان کا گھر گویا ایک مستقل سرائے تھی جس میں آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور فراخ دلی اور حوصلہ مندی اور فیاضی کی وجہ سے انواع و اقسام کے کھانے تیار ہوتے تھے اور تمام ضلع کے رؤساء اور شرفاء کے لئے ان کا گھر مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔

مختاری کی آمدنی کافی تھی مگر جب انگریزیت کا غلبہ ہوا تو طرح طرح کی ایسی پابندیاں عائد ہونے لگیں جن کو ان کی غیرت و شرافت برداشت نہ کر سکی۔ مثلاً ایک افسر نے یہ حکم دے دیا کہ جو شخص بند فل بوٹ پہنے ہوئے نہ ہو وہ کمرۂ عدالت میں جوتا اتار کر آئے۔ آپ جوتے اتار کر عدالت کے کمرہ میں جانا اپنی توہین سمجھتے تھے اور فل بوٹ پہننا اپنی قدیمی وضع کے خلاف

تھا۔ اس قسم کی باتیں ایسی پیش آئیں کہ آپ نے مجبور ہو کر مختاری کو چھوڑ دیا اور ریاست وقف کے ساتھ تعلق قائم کر لیا۔ کچھ عرصہ دفتر ریاست وقف کے نائب منیجر رہے پھر اپنی حسن کارکردگی کی وجہ سے مستقل منیجر ہو گئے۔ ریاست وقف کا کام حسن محنت و جانفشانی اور ہمدردی و خیر خواہی اور امانت داری دیانت داری کے ساتھ انجام دیا وہ اپنی آپ ہی نظیر تھا اپنے ذاتی معاملات سے زیادہ وقف کے کاموں کا فکر رہتا تھا، اور دن رات اس میں منہمک رہتے تھے۔ مجھ سے نواب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب شروانی سکریٹری وقف نے بارہا فرمایا کہ مجھے اپنے سے زیادہ مولوی رؤف الحسن صاحب کی ذات پر اعتماد ہے مگر مولوی صاحب وقف کی بدولت اپنی صحت کو خراب کر کے رہیں گے۔ والد صاحب نے کئی مرتبہ ملازمت سے سبکدوش ہونا چاہا مگر نواب صاحب نہ مانے ایک مرتبہ مجھ سے بھی کہلایا اور میری خوب مفصل گفتگو ہوئی۔ آخر میں نواب صاحب نے فرمایا میرا سکریٹری شپ سے استعفیٰ اور مولوی صاحب کی منیجری سے سبکدوشی ساتھ ہوگی۔ میں تنہا اپنی ذمہ داری پر اس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ والد صاحب کی سبکدوشی کے کچھ عرصہ بعد نواب صاحب بھی اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے۔ امانت داری اور دیانت داری کا اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی خیانت دار ہوتا تو منیجری کے دوران میں خوش حال مالا مال ہو جاتا۔ مگر والد صاحب ہمیشہ پریشان حال رہتے تھے۔ ریاست وقف کی تنخواہ کے علاوہ ذاتی جائداد کی آمدنی بھی گذارہ کے لئے کافی تھی مگر وہ وقف کی بدولت ہمیشہ ہزاروں کے مقروض رہتے تھے۔ جب وقف کو چھوڑا تو دس بارہ ہزار کے مقروض تھے جس کو اپنی جائداد سے ادا کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وقف کی ملازمت کی وجہ سے ان پر مزید اخراجات کا بار پڑ گیا تھا۔ بکثرت سفر کرنے پڑتے تھے۔ اور ضابطے کے ضروری مصارف کے علاوہ تمام اخراجات اپنے پاس سے کرنے

پڑتے تھے اور ریاست وقف کے مہمان والد صاحب کے ذاتی مہمان ہوتے تھے۔ اور نواب صاحب کی تو باقاعدہ یہ شرط تھی کہ میں مظفر نگر کے دوران قیام میں وقف کی کوئی چیز نہ چکھوں گا اور آپ کا ذاتی مہمان ہوں گا۔ چنانچہ نواب صاحب سال میں دو مرتبہ مظفر نگر آتے تھے اور کئی کئی دن قیام ہوتا تھا۔ اور مجمع ساتھ ہوتا تھا۔ پھر جگہ جگہ مولوی صاحب کی مہمانداری اور فیاضی کے تذکرے ہوتے تھے اور بلا مبالغہ ایک قیام میں ایک ماہ کی تنخواہ سے زائد خرچ ہو جاتا تھا اور کبھی اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیعت کرا دیا تھا۔ اس کے بعد حالات بدلتے رہے اور آخر کار بالکل بدل ڈالا۔ میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ مجھے اس خواب کا بہت قلق ہوا اور حضرت اقدس سہارنپوری کو لکھا۔ حضرت اقدس نے جو جواب تحریر فرمایا وہ درج ذیل ہے:-

عزیزم مولوی احتشام الحسن سلمہٗ السلام علیکم

تمہارا جوابی کارڈ پہنچا تھا جس کا جواب لکھ دیا تھا جو کاندھلہ پہنچا ہوگا۔ تمہارا خواب بظاہر رویار صالحہ ہے عجب نہیں کہ اس وقت کی موت اور جنازہ کا یہ مطلب ہو کہ پہلی حالت سے اب بہتر حالت میں منتقل ہوئے ہوں اور یہی وجہ ہے کہ تمہارے دل میں کوئی اس کا رنج نہیں ہوا۔ مگر چونکہ بظاہر رنج کی بات ہے اس لئے اظہار رنج کر رہے ہوں۔ فقط والسلام

خلیل احمد عفی عنہ ۱۲ ار رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ

والد بزرگوار کے آخری مشاغل قرآن مجید کی تلاوت اور مختلف اوراد و وظائف تھے۔ قرآن مجید ابتدا ر سے خوب یاد تھا۔ چنانچہ جوانی میں

شبینہ کے موقع پر ایک مرتبہ ایک رکعت میں انتیس [۲۹] پارہ پڑھ کر رکوع کیا۔ اسی طرح ایک دفعہ سب کے اصرار اور والدہ کے حکم سے کاندھلہ مکان پر تراویح پڑھانی شروع کی اور پہلی رکعت میں انتیس پارے اور دوسری رکعت میں ایک پارہ پڑھ کر دو رکعت میں تمام قرآن مجید سنا دیا۔

کتب بینی اور اخبار بینی سے بیزاری آخر تک قائم رہی۔ البتہ عملیات اور وظائف کا بے حد شوق تھا اور ہمیشہ بزرگوں اور مستانوں کی جستجو رہتی تھی۔

والد بزرگوار ہر ایک سے خلوص کے ساتھ ملتے تھے اور ہر ایک کی ہمدردی اور غم گساری اور خیر خواہی کرتے تھے اور چھوٹوں پر ہمیشہ بزرگانہ شفقت رکھتے تھے۔ یہ اُن کی عام عادت تھی۔ اس میں اپنے اور بے گانے اور ہندو مسلمان کی کوئی تخصیص اور تفریق نہ تھی اسی لئے آپ کا ہر ملنے والا آپ کا گرویدہ اور قدردان تھا۔ والد بزرگوار کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ وہ ہر کام نہایت حوصلہ کے ساتھ کرتے تھے اور اپنی حیثیت موسعت سے زیادہ خرچ کرتے تھے اور تعلقات کی وسعت کی بنا پر وہ ایسا کرنے پر مجبور بھی تھے۔ نام و نمود بالکل مقصود نہ تھا بالکل سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے پھر بھی ہر ایک کی نگاہوں میں عزیز تھے اور ہر ایک ان کی عزت کرتا تھا۔

والد صاحب بزرگوار کی پہلی شادی اپنے حقیقی چچا مولانا محمد اکبر صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے تین صاحبزادے مولوی محمد نجم الحسن۔ محمد احتشام الحسن۔ حکیم محمد قمر الحسن پیدا ہوئے اور تین صاحبزادیاں بڑی کی شادی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے ہوئی اور دوسری کی شادی مولوی محمد ظہیر الحسن شہید سے ہوئی اور تیسری کی شادی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے ہوئی۔

افسوس کہ بھائی مولوی محمد نجم الحسن اور عزیزی حکیم محمد قمر الحسن اور چھوٹی ہمشیرہ کا والد صاحب کے سامنے ہی انتقال ہو گیا۔ والدہ ماجدہ کا

انتقال کے کچھ عرصہ بعد دوسری شادی جھنجھانہ ہوئی جن سے مولوی محمد اظہار الحسن اور مولوی محمد افتخار الحسن پیدا ہوئے۔ ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی معیت میں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ یہ راقم حروف بھی ہمراہ ہمرکاب تھا۔

ریاست وقت کی ملازمت چھوڑنے کے بعد کاندھلہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ میں بیمار ہوئے جب مقامی کسی علاج سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو بغرض علاج مظفر نگر لے گئے۔ مگر وقت موعود آچکا تھا۔ کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور وہیں رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۲/اگست ۱۹۴۵ء کو قبل عصر اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔ اللّٰھم اغفرہ ورحمہ وتجاوز عنہ۔ خیال کاندھلہ لانے کا تھا پھر نہ معلوم کیوں اور کس طرح وہیں مظفر نگر میں تکفین و تدفین ہوئی اور مغرب و عشاء کے درمیان مستان شاہ کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

"انا للہ وانا الیہ راجعون"

ہمیشہ درویشوں اور مستانوں کی تلاش و جستجو رہی۔ اسی لئے آخری آرام گاہ بھی ایک مشہور مستان درویش کے پہلو میں پائی۔ شاید یہ طلب و جستجو اسی ازلی خمیر اور اصلی خاک کی تاثیر ہو یا اس طلب و جستجو نے آخر کار ایک مستان کے آغوش میں پہنچا دیا۔

مولوی حافظ محمد نجم الحسن صاحب

قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد انگریزی کی تعلیم حاصل

کی۔ اور چند سال سرکاری ملازمت کرکے چھوڑ دی۔ گھر پر سکونت اختیار کی۔ اور ایک ظاہری شغل کے لئے باغ لگانا شروع کیا۔ مزاج میں ریاست و تمکنت بہت زیادہ تھی۔ مگر ایک دم طبیعت نے پلٹا کھایا اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیعت ہو گئے اور ایسے گرویدہ، اور فدائی بنے کہ بس انہی کے ہو گئے۔ کاندھلہ میں بالکل قرار نہ تھا۔ بار بار رائے پور کا سفر کرتے تھے اور بعض مہینے میں دو دو تین بار جاتے تھے۔ جو باغ انتہائی شوق کے ساتھ لگایا تھا اب وہ ان کے لئے وبالِ جان بنا ہوا تھا۔ اکثر فرمایا کرتے کہ اس کی مجبوری کو آنا پڑتا ہے۔ اگر یہ اُجڑ جائے تو مستقل رائے پور جا پڑوں۔ اور باغ کا یہ حال تھا کہ خود بخود پرورش پا رہا تھا اور غور و پرداخت کے بغیر نشو و نما پا رہا تھا۔ کاندھلہ میں جس قدر بھی مجبوری میں قیام ہوتا تھا وہ سراسر عبادت اور ریاضت میں صرف ہوتا تھا اور عبادت و ریاضت بھی انتہائی اخفا اور پوشیدگی کے ساتھ کرتے تھے۔ شفاخانہ کے بازو میں پولیس تھانہ کے سامنے جو مسجد ہے وہ اس زمانے میں ویران اور غیر آباد تھی وہی ان کی عبادت گاہ اور خلوت گاہ تھی وہیں ذکر و شغل میں مشغول رہتے تھے۔ ایام حج میں اس قدر انکساری اور بے تعلقی بڑھ گئی تھی کہ جس کی کوئی انتہا نہ تھی کسی سے کوئی سروکار نہ تھا، جو وقت پر کھانے کو مل جاتا صبر و شکر کے ساتھ کھا لیتے تھے، اور کبھی کسی قسم کی عیب جوئی اور نکتہ چینی نہ کرتے تھے۔ سارے دنیوی مشاغل اور دلچسپیاں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ تھے اور گوشۂ تنہائی، اور یادِ الٰہی، اور بس۔

اچانک کاندھلہ میں بخار آیا اور تیز ہو کر سرسامی کیفیت اختیار کی شدتِ مرض کی حالت میں بار بار فرمایا کہ خالہ تم پریشان نہ ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ اسی حال میں جمعہ کے دن ۱۰ رجمادی الاول ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۲ر فروری ۱۹۱۸ء کو اس رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ جس کی یاد میں ساری

یک سوئی اور بے قراری تھی۔ بعد نماز جمعہ دفن ہوئے۔ جنازہ میں اس قدر ہجوم تھا جس کو میری آنکھوں نے کبھی کاندھلہ میں کسی جنازہ پر نہیں دیکھا اور تمام ہندو مسلمانوں میں اس فراق وجدائی کا عام ماتم اور چرچا تھا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ حضرت اقدس رائے پوری نے اپنی احتیاط کی بنا پر مولوی نجم الحسن کو اجازت نہیں دی تھی لیکن وہ قابلِ اجازت اور صاحبِ نسبت تھے اور تمام باطنی کمالات سے آراستہ ہو چکے تھے۔

حضرت اقدس رائے پوری کے خلیفہ حضرت منشی رحمت علی صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے بھائی مولوی نجم الحسن زندہ ہوتے تو حضرتِ اقدس رائے پوری کے خلفاء اور مجازین میں نمایاں اور ممتاز ہوتے بھائی صاحب مرحوم کی شادی مولوی بدر الحسن کی صاحب زادی سے ہوئی جن سے تین فرزند یادگار ہیں:-

مولوی مصباح الحسن ۔ حکیم عین الحسن ۔ بابو اعجاز الحسن

حکیم حافظ محمد قمر الحسن

قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم نظام الدین اور سہارنپور میں حاصل کی ۱۳۴۵ھ میں بیمار ہوا اور ڈاکٹر انصاری نے دق کی ابتداء تجویز کر کے فوراً بھوالی پہاڑ لے جانے کا مشورہ دیا۔ اس لئے تعلیمی مشغلہ چھوٹ گیا اور میں عزیز مرحوم کو لے کر بھوالی گیا۔ جہاں چند ماہ قیام کے بعد پوری صحت حاصل ہو گئی۔ بھوالی سے واپسی کے بعد طب کی تعلیم شروع کی اور طبیہ کالج دہلی میں داخل ہو گیا۔ چار سال کالج میں تعلیم حاصل کی، اور

نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ اعلیٰ کامیابی حاصل کی۔ کالج کی تعلیم کے
دوران میں حضرت مولانا حکیم جمیل الدین صاحب سے بھی طب کی کتابیں پڑھیں
اور مسیح الملک حکیم محمد احمد صاحب کے یہاں متواتر دو سال مطب کیا۔ پھر
حکیم عبدالحمید صاحب کے یہاں مطب کا مزید تجربہ حاصل کیا، غرض ہر طرح کمالاتِ فن سے
آراستہ ہو کر اول دہرہ دون میں مطب شروع کیا، کامیابی اور فروغ کے جب آثار
نمایاں ہونے لگے تو اچانک کلکتہ دواخانہ حکیم اجمل خاں صاحب سے طلب اور بلاوا آگیا،
عزیز مرحوم نے دہرہ دون کے قیام پر کلکتہ کے قیام کو ترجیح دی اور چند سال کلکتہ دواخانہ
حکیم اجمل خاں میں قیام کیا اور قیام کامیاب بھی رہا۔ لیکن عروج و فروغ کو مالک دوا خانہ
برداشت نہ کر سکا اور مجبوراً کلکتہ کے قیام کو چھوڑ کر حیدرآباد دکن دواخانہ مجیدیہ میں
تعلق قائم کرنا پڑا۔ یہاں بھی مطب کامیاب رہا۔ لیکن وہی شکل پیش آئی
جس سے کلکتہ میں سابقہ پڑ چکا تھا اور آخرکار اس کو بھی چھوڑنا پڑا، اور
دہلی میں جامع مسجد پر اپنا مستقل مطب قائم کیا۔ دہلی میں مطب کی کامیابی
کے لئے جس صبر و استقلال اور محنت و جانفشانی کی ضرورت تھی وہ اس کا
عزیز موصوف میں ذرا تحمل نہ تھا اور صحت کی خرابی بھی اس کی متحمل نہ تھی، اس
لئے دہلی کے قیام کو چھوڑ کر مستقل کاندھلہ میں سکونت اختیار کر لی، اور گھر پر
مطب جاری کیا جو کامیاب رہا۔ تشخیص مرض اور تدبیر علاج دونوں امور میں
عزیز موصوف ممتاز اور نمایاں تھا۔ اور فہم و فراست میں یگانہ تھا مگر عمر نے
دفا نہ کی اور سابقہ مرض نے پھر شدت کے ساتھ حملہ کیا اور بوقت چار بجے شب
۸ شوال ۱۳۶۲ھ کو داغ مفارقت دے گیا۔ عزیز مرحوم کے آخری الفاظ
یہ تھے "اللہ اور رسول دونوں برحق" جو وفات سے چند منٹ پہلے
کلمہ کی تلقین کے وقت زبان سے نکلے تھے جو ایمان کی آخری نشانی ہے۔ وفات
کی اطلاع پر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ
دہلی سے تشریف لائے اور دونوں حضرات قبرستان تشریف لے گئے حضرت

حافظ صاحب نے کشف سے جو حال دیکھا اس کو اس طرح بیان کیا کہ عزیز مرحوم مخملی گدے پر نہایت قیمتی لباس پہنے ہوئے چوزانو بیٹھا ہے۔ سامنے نقشین پاندان رکھا ہوا ہے اور یہ مصرعہ پڑھ رہا ہے۔ ع

اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

عزیز مرحوم کی شادی مولوی عزیز الحسن کی دختر سے ہوئی تھی اور دو بچیاں مرحوم کی یادگار ہیں۔

ان دونوں بڑے اور چھوٹے بھائیوں کو مجھ سے جو فرطِ تعلق تھا اس کی بھی نظیر نہیں مل سکتی۔

مولانا حکیم حافظ الحاج محمد ابراہیم صاحبؒ

۲۰ جمادی الاول ۱۲۴۹ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ اور تمام علوم متداولہ کی تعلیم و تکمیل والد بزرگوار حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب سے حاصل کی اور فن طب مشہور طبیب حکیم احسن اللہ خاں صاحب مرحوم ساکن دہلی سے حاصل کیا جو دربارِ شاہی کے خاص طبیب تھے۔ اور یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے۔ اور فن طب میں وہ مہارت اور کمال حاصل کیا کہ اپنے اقران سے سبقت لے گئے اور خود یگانۂ روزگار بن گئے۔ بالخصوص تشخیصِ مرض میں خاص مہارت حاصل تھی اور دُور دُور مشہور تھے اور ہر وقت مریضوں کی چارہ گری اور عقدہ کشائی میں مشغول رہتے تھے۔ مکان کے دروازے میں ان کی ہر وقت کی نشست اور مطب تھا۔ یہیں ہر وقت مریضوں کا مجمع رہتا تھا۔ باہر مریضوں کو دیکھنے کبھی نہ جاتے تھے حتیٰ کہ قصبہ میں بھی شاذ و نادر مجبوری میں مکان پر کسی کو دیکھنے جاتے تھے۔ ورنہ عام دستور صرف مطب میں دیکھنے کا تھا اور ہر حاجت مند

یہیں حاضر ہوتا تھا۔ قصبہ کی امامت اور دینی سیادت سپرد تھی۔ جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتے تھے، اور "امام جی" کے لقب سے مشہور تھے۔ نہایت عابد زاہد متقی پرہیزگار زندہ دل شب بیدار عارف کامل بزرگ تھے اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے ؎

شیخ ابراہیم تاج اولیاء
عابد و زاھد امام باصفا

خاندانی بچوں کو علوم دینیہ کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولینا محمد الیاس صاحبؒ اور مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب نے ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی۔ نہایت سادہ اور دنیوی امور سے بالکل بے سروکار رہتے تھے اور بیشتر اپنے سارے کام خود ہی انجام دیتے تھے۔ صبح کو خود ہی باہر چائے پکاتے تھے اور اس میں سے ایک فنجان بھر کر زنانہ میں لے جاتے تھے جس میں سے نصف اس راقم الحروف کو عطا ہوتا تھا اور باقی گھر کے کسی دوسرے بچے کو نمبر وار دیا جاتا تھا۔ یہی روزانہ کا معمول تھا۔ خالہ صاحبہ فرمایا کرتی تھیں کہ

> "چچا امام جی سب بچوں میں مجھے سب سے زیادہ پیار کیا کرتے تھے۔ گھر میں جب بھی تشریف لاتے، مجھے پوچھتے اور اکثر مجھے اپنے پاس باہر رکھتے تھے۔"

۱۳۳۲ھ میں خاندان کے بڑے قافلہ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی اس قافلہ میں مولوی حکیم محمد رضی الحسن صاحب اور مولوی حکیم عبدالحمید صاحب اور دادی صاحب اہلیہ مولانا ضیاء الحسن صاحب اور خالہ صاحبہ اہلیہ مولوی محمد شمس الحسن صاحب اور والدہ محمد محسن وغیرہا مستورات شریک تھیں مگر افسوس بدامنی کی وجہ سے یہ قافلہ مدینہ منورہ کی زیارت سے محروم رہا اور فریضۂ حج ادا کر کے واپس چلا آیا۔

مولوی محمود الحسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ آپ کو نماز تہجد کی ابتدا سے عادت تھی۔ چنانچہ شادی کے بعد جب پہلی مرتبہ چوتھی میں سسرال تشریف

لے گئے تو حسب عادت آدھی رات کو اُٹھ کر نماز تہجد کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب ساس کو اس کا علم ہوا تو کہرام مچا دیا کہ جس مرد کی یہ عادت ہو وہ بیوی کے ساتھ کس طرح نباہ کرے گا۔

آپ اصول اور ضابطے کے بہت پابند تھے۔ ایک مرتبہ ان کی صاحبزادی والدہ مولوی محمود الحسن اپنی سسرال بڈولی سے اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر کاندھلہ آئیں اور صبح کو چل کر شام کو پہنچیں۔ یہاں پہنچ کر جب آپ کو معلوم ہوا کہ خاوند گھر پر موجود نہیں تھے اور کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور ان سے اجازت لئے بغیر آئی ہیں تو آپ نے ان کو اگلے ہی دن اسی سواری میں بڈولی بھیج دیا حالانکہ یہ آپ کی سب سے چاہتی اور لاڈلی بیٹی تھی، اور داماد بھی آپ کا ہر طرح سے فرماں بردار اور جاں نثار تھا۔ مگر بات چونکہ بے اصول تھی، اس لئے ناقابلِ برداشت تھی۔

مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب کی شادی مولوی عبدالرحمن حیرت کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ جنھوں نے عین شباب میں ۱۴ محرم ۱۲۹۷ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۷۹ء کو وفات پائی اور دو صاحبزادے (۱) مولوی عزیز الحسن صاحب اور (۲) مولوی حکیم رضی الحسن صاحب اور دو صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔ جن کی پرورش آپ نے ایسی محبت و شفقت کے ساتھ فرمائی کہ ماں کی یاد کو بالکل بھلا دیا۔ بڑی صاحبزادی کی شادی مولوی بدر الحسن صاحب سے ہوئی اور چھوٹی صاحبزادی کی شادی حکیم عبدالحمید صاحب سے ہوئی جن کے فرزند مولوی حافظ محمود الحسن صاحب ہیں اور ان کی چھوٹی بہن مولوی محمد سلیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے نکاح میں ہے۔ اس سے بڑی بہن کے ساتھ میری پہلی شادی ہوئی تھی جو در حقیقت میری رفیقۂ حیات تھی اور ہر طرح میری جان نثار اور غم گسار تھی۔ مگر بے وفا عمر ساتھ لائی تھی۔ چند سالہ رفاقت کے بعد ۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۲۹ء کو ہمیشہ کے لئے

داغِ مفارقت دے گئی۔ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والی میں

ایک بچی مرحومہ کی یادگار تھی جس کی شادی حافظ محمد اعجاز الحسن سے ہوئی ہے، ماشاء اللہ صاحبِ اولاد ہے۔[1]

مولوی حافظ الحاج عزیز الحسن صاحبؒ

۲۲ ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی ضروری تعلیم حاصل کر کے علی گڑھ کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ بی اے کے بعد ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ عرصہ دراز تک مظفر نگر میں بہ سلسلۂ وکالت قیام کیا۔ پھر چند سال ریاست بھوپال میں وکالت کی، لیکن صداقت اور وکالت دونوں ایک جا جمع نہ ہو سکیں۔ آخر کار ۱۳۴۴ھ میں وکالت چھوڑ کر مستقل گھر پر سکونت اختیار کی اور دینی مشغلہ کے لئے جامع مسجد میں صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کے ترجمہ کا درس شروع کیا جو آخر تک جاری رہا دینی معلومات خوب تھیں۔ ذہن بھی رسا پایا تھا اور حقائق کو خوب سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا محمد ادریس صاحب ملنے کے لئے آئے وہ پانی پی رہے تھے، مولانا موصوف نے بھی پانی پینا چاہا تو آپ نے اپنا بچا ہوا پانی پھینک کر دوسرا پانی دیا۔ مولانا ادریس صاحب نے کہا آپ نے اس کو کیوں پھینکا۔ حدیث میں آیا ہے کہ مومن کا جھوٹا شفا ہے۔ اسی لئے تو پھینکا ہے۔ شفا ہونے کے لئے ایمان

---

[1] افسوس ہے کہ اس تذکرہ کی اشاعت کے وقت تک یہ بھی داغِ مفارقت دے گئی۔ ان للّٰہ ما اعطی ولہ ما اخذ اب اس کے دو بچے وسیم الحسن اور نسیم الحسن اور ایک بچی رابعہ خاتون اس کی یادگار ہیں۔ خدا ان کی عمر دراز کرے ۱۲

کی شرط ہے اور اگر ایمان نہ ہو تو پھر مضرت کا اندیشہ ہے۔ مولانا یہ سُن کر دنگ رہ گئے اور فرمایا یہ نکتہ نہ کبھی کسی استاد سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ کبھی ذہن اس کی طرف منتقل ہوا۔

مولانا حکیم رضی الحسن صاحب کے انتقال کے بعد اہل قصبہ کے اتفاق اور اصرار پر قصبہ کی امامت کے لئے منتخب ہوئے۔ نہایت یک سو تنہائی پسند صوم وصلوٰۃ اور اوراد و وظائف کے پابند بزرگ تھے۔ دنیوی جھگڑوں اور بکھیڑوں سے کوئی سروکار نہ تھا، وہ تھے اور گوشۂ تنہائی اور شغلِ کتب بینی اور بس۔

آپ نے دو حج کئے۔ پہلا حج ۱۹۱۳ء میں ہوا اور دوسرا حج ۱۳۴۴ھ میں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب وغیرہ حضرات کی معیت میں ہوا، دوسرا سفر دراصل اپنی ہمشیرہ اہلیہ مولوی بدر الحسن کو حج کرانے کے لئے ہوا۔ آپ کا اس وقت بھوپال میں قیام تھا۔ وہیں سے چلنے والے قافلہ کے ساتھ شریک ہوئے اور پھر واپسی میں بھوپال نہیں ٹھہرے اور مستقل طور پر کاندھلہ میں سکونت اختیار کر لی۔ یک سوئی کی بدولت کبھی کہیں باہر سفر کی بھی نوبت نہیں آتی تھی از خود کسی سے نہ ملتے تھے، لیکن جو ملنے آ جاتا تھا اس سے نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور اخلاقِ کریمانہ اور شفقتِ بزرگانہ کا برتاؤ کرتے تھے۔

مظفر نگر کے قیام کے دوران میں اردو میں ایک نہایت دل چسپ اور مفید رسالہ "اسوۂ حسنہ فی اللباس واللحیۃ" تصنیف فرما کر شائع کرایا۔ جس میں نئی تہذیب و تعلیم کی بدراہیوں کو واضح کیا ہے۔

مولانا حکیم حافظ الحاج محمد رضی الحسن صاحبؒ

یوم سہ شنبہ ۸ جمادی الثانی ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور علوم متداولہ کی تعلیم خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ پھر فلسفہ و حکمت کی تکمیل امام فن مولانا عبدالحق خیر آبادی سے اور دورۂ حدیث گنگوہ میں مجدد عصر حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث سے پڑھا اور علم طب امام فن حکیم عبدالمجید خاں صاحب دہلوی سے حاصل کیا۔ تینوں فن ائمہ فنون سے حاصل کئے تھے اور ہر علم میں پوری واقفیت اور مہارت تام حاصل تھی۔

دورۂ حدیث میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے ساتھی تھے، اور دونوں ساتھ لال مسجد گنگوہ میں رہتے تھے۔ اور یہ حضرت اقدس محدث گنگوہی کا وہ آخری درسِ حدیث تھا جو نرالی شان رکھتا تھا۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اثنائے درس میں حضرت اقدس نے جو تقریر فرمائی اس کو چچا صاحب مرحوم نے اردو میں نقل کیا جو نہایت شستہ اور پاکیزہ زبان میں دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ ایک جلد تقریر بخاری شریف۔ دوسری جلد تقریر ترمذی شریف۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے انہیں تقریروں کو عربی میں جمع کیا ہے، جس میں سے ترمذی شریف کی تقریر حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کی توضیح اور تشریح کے ساتھ دو جلدوں میں طبع ہو چکی اور بخاری شریف کی تقریر زیرِ نظر ثانی ہے۔ خدا کرے کہ جلد پوری ہو جائے۔ اگر حدیث کی ان دونوں کتابوں کے اردو ترجمے کے ساتھ اردو تقریریں بھی شائع ہو جائیں

تو حدیث کا یہ بہا ذخیرہ اردو دانوں کے ہاتھ آجائے۔

دہلی میں طب پڑھنے کے زمانے میں مسجد ایک برج کوچۂ رحمان میں قیام تھا۔ اسی دورانِ قیام میں مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی سے منطق و فلسفہ پڑھا ہے۔ مولانا عبدالحق کا خط نہایت خراب اور خستہ تھا اور چچا صاحب کا خط انتہائی خوش نما اور پاکیزہ۔ اس لئے مولانا متفرق کاغذوں پر اپنی تصانیف کے مسودے لکھ کر چچا صاحب کو دیدیتے تھے اور چچا صاحب ان کو صاف نقل کرتے تھے میں نے وہ بعض پرچے چچا صاحب کے پاس دیکھے اور ان میں سے ایک لفظ بھی نہ پڑھ سکا۔ چچا صاحب نے فرمایا کہ اس وقت تو مجھے ان کی تحریر سمجھنے کی کافی مہارت ہو گئی تھی۔ اب میری بھی صاف طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔

طب کی تعلیم کے دوران میں حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے یہاں بھی خصوصی امتیاز تھا جس کا قدرے اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ میں چچا صاحب کے ساتھ حکیم محمد احمد صاحب کے یہاں گیا تو حکیم صاحب موصوف اپنی طبیعت اور مزاج کے بالکل خلاف انتہائی ادب اور احترام اور پوری خوردی اور نیاز مندی کا برتاؤ کیا۔ اور مجھ سے فرمایا جاتے ہو مولوی صاحب میرے استاد ہیں۔ ایک طب کا رسالہ جو حکیم محمد احمد صاحب نے اس زمانے میں لکھا تھا وہ چچا صاحب کی خدمت میں اصلاح اور تصحیح کی غرض سے پیش کیا۔

ابتداء میں ریاست لوہارو میں مطب کیا اور عرصہ تک نواب صاحب کے طبیبِ خاص رہے پھر سب بھائیوں کے مشورے سے مستقل کاندھلہ میں سکونت اختیار فرمائی اور سب کی جائداد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مطب کے ذریعے مخلوق کی خدمت گذاری شروع کر دی۔ حذاقت اور طبابت میں دور دور اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور تشخیص مرض اور تدبیر علاج میں یگانہ روزگار سمجھے جاتے تھے اور مرجع خلائق تھے۔

آپ ہر نوع کے ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے، اور

تمام اکابر علمار دین اور بزرگانِ ملت کی نگاہوں میں خصوصی عزت و وقعت رکھتے تھے۔ مولانا حکیم صدیق احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حکیم رضی الحسن صاحب کے کمالات پر ان کی ریاست نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے حکیم محمد عمر کو کسی بات پر ڈانٹا اور بات اس حد تک بڑھی کہ آپ میں اور حکیم صدیق احمد صاحب میں سخت کلامی کی نوبت آئی۔ اگلے دن حکیم صدیق احمد صاحب کے یہاں کسی تقریب میں دعوت تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اب آپ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں گے۔ اس لئے بلانے کے لئے مزید آدمی نہ بھیجا مگر آپ بغیر بلائے خود دعوت میں تشریف لے گئے۔ اس وقت مولانا صدیق احمد صاحب کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا مولوی رضی الحسن برسوں مجاہدوں کے بعد وہ بات حاصل نہیں ہوئی جو قدرت نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ مولانا صدیق احمد صاحب حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ، اور مجاز طریقت تھے۔

آپ بڑی شان و شوکت اور عزت و حرمت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے قصبہ کے مستقل امام تھے۔ مگر مولانا صدیق احمد صاحب کی حیات میں ان کے علمی اور دینی وقار کی وجہ سے انہی سے امامت کراتے تھے۔ ان کے وصال کے بعد پھر خود امامت شروع کر دی تھی جو آخر تک جاری رہی۔ حضرت مولینا اشرف علی صاحب تھانوی کے اصرار پر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی منتخب ہو گئے تھے اور دارالعلوم کے ساتھ خصوصی دلچسپی اور وابستگی رکھتے تھے۔

آپ بظاہر تو بیک سوز رہتے تھے۔ لیکن خاندان میں سے ہر ایک کے ساتھ قلبی تعلق تھا اور اس کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا۔ جب کوئی خاندان کا فرد بیمار ہو جاتا تھا تو آپ بے چین ہو جاتے تھے اور ہر طرح اس کے علاج اور تدبیر میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں دہلی میں سخت بیمار رہوا

تو تقاضوں کے ساتھ مجھے کاندھلہ بلوایا اور پورے انہماک کے ساتھ علاج کیا۔ بار بار گھر میں جاتے تھے اور ہر بات کی خود خبر گیری فرماتے تھے۔ اب نگاہیں اس محبت و شفقت کو ترستی ہیں۔ ۱۳۳۰ھ میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اخیر میں آپ کو ضعفِ معدہ کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ مختلف علاج بھی کرائے مگر کارگر نہ ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ یواقیت و جواہر کے خواص پڑھے اور انہی کے معتقد رہے۔ اب اخیر میں یہ حقیقت کھلی کہ قدرت نے جو قوت و طاقت دو روٹی میں رکھی ہے وہ کسی شے میں بھی نہیں ہے۔

یکم شوال ۱۳۵۰ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۳۱ء بروز سہ شنبہ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے اور عید کی نماز خود پڑھائی۔ عیدگاہ سے واپس آکر باہر چبوترہ پر چوکیوں پر بیٹھ گئے اور حکیم عبدالحمید صاحب سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک دم روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ نے دو صاحبزادیاں اور ایک صاحب زادہ حافظ محمد اکرام الحسن کو یادگار چھوڑا۔ جن کے فرزند مولوی انعام الحسن صاحب بستی حضرت نظام الدینؒ دہلی میں مقیم ہیں۔

مولانا حافظ الحاج محمد اکبر صاحبؒ

۲۶ ربیع الاول ۱۲۵۳ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ اور والد بزرگوار حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کی اور علم منطق و فلسفہ میں فضل و کمال مولانا فضل حق خیرآبادی سے حاصل کیا عربی ادب اور منطق و فلسفہ میں خصوصی مہارت تھی اور ممتاز و یگانہ سمجھے جاتے تھے۔ سر سید احمد نے جب علی گڑھ کالج کھولا تو قدیمی تعلق اور وابستگی کی بنا پر آپ کو اپنی رفاقت پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ ابتداء سے لے کر اخیر تک علی گڑھ کالج

کے عربی پروفیسر اور ناظم دینیات رہے۔ طلبار کی دینی اور اخلاقی نگرانی بہت سخت کرتے تھے اور اولاد کی طرح سب کی تربیت فرماتے تھے۔ اس بارہ میں اس قدر سخت تھے کہ سرسید کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اُس زمانے کے علی گڑھ کالج کے پڑھے ہوئے عموماً دین دار اور روزہ نماز کے پابند ہو گئے ہیں۔ اور مذہب و شریعت کی ان کے قلوب میں ایک گونہ وقعت و عظمت پائی جاتی ہے اس بات کا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب شروانی اور مولوی طفیل احمد منگلوری اور مولوی محفوظ الرحمٰن صاحب نامی نے مجھ سے ذکر کیا ہے۔ اپنی دین داری خدا پرستی، غربا پروری، علم نوازی میں مشہور اور ممتاز تھے اور انتظامی امور اور فہم و تدبر اور علم و فضل میں یکتا سمجھے جاتے تھے۔

مولوی عبدالرحمٰن صاحب حیرتؔ نے آپ کی شان میں ایک نظم کہی ہے جس کے صحیح مصداق تھے۔

بہارِ بوستانِ دینِ اطہر — رفیع المرتبت اللہ اکبر
گل خنداں ریاض ارجمندی — ہمایوں بلبلِ باغ بلندی
سرور بادۂ عرفانِ یزداں — ملائک منزلت در شکل انساں
گل خوش رنگ باغ خوش مقالی — محیط علم را یکتا لآلی
شعاع فیض او ہر جا رسیدہ — درخشاں نیر مثلش نادیدہ
ندیدہ مثل او چشم زمانہ — بعلم و حلم یکتا و یگانہ
دیارِ علم را سلطانِ اعظم — کریم النفس خوش خو و مکرم
درخشاں از جبینش نور عرفاں — ارسطو پیش او طفلِ دبستاں
زہے ذاتش کہ فخر روزگار است — بکار دین و دنیا پختہ کار است
فہیم و کارداں و نکتہ داں است — ز فرّ ایزدی گردوں نشاں ست
بلند از آسماں شانِ جلالش — بروں از عرش گنتا وج کمالش
عروس وصف او صاحب جمال است — بیانِ حسن او کردن محال است۔

بہ کوزہ کے در آید بحرِ مواج　　نہ از اعمیٰ رسد تیرے بہ آماج

۵ رشوال المکرم ۱۳۰۳ھ مطابق ۸ رجولائی ۱۸۸۶ء کو پچاس سال کی عمر میں وفات پائی، مولانا محمد سلیمان صاحب نے بھائی کے فراق میں یہ شعر کہا ہے:-

ملے خاک میں کیسے بھائی رفیق　　ادیب و لبیب و شفیق و خلیق

تاریخ وفات از مولانا محمد سلیمان صاحب

"در چشم زدن روح رواں گرد"

تاریخ وفات مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب:

"غم اکبر"

مولانا محمد اکبر صاحب نے دیوانِ حماسہ اور مقاماتِ حریری پر مختصر اور جامع حواشی تحریر فرمائے، اور بھی بعض رسائل تصنیف فرمائے۔

آپ کا حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سے جماعتِ ثانیہ کی کراہت کے بارہ میں اختلاف تھا۔ اس کے متعلق ایک رسالہ بھی لکھا، اور جانبین میں طویل خط و کتابت بھی ہوئی۔

مولانا محمد اکبر صاحب نے دو صاحبزادیاں چھوڑیں اور دو صاحبزادے (۱) مولوی بدر الحسن صاحب اور (۲) مولوی علاء الحسن صاحب

والدہ اور خالہ صاحبہ چھوٹی صاحبزادی میری والدہ ماجدہ تھیں جو مجھے ڈھائی سالہ چھوڑ کر وصال فرما گئیں اس لئے میری پرورش اور تربیت خالہ صاحبہ کے آغوش میں ہوئی جو میری تائی بھی تھیں

خالہ صاحبہ بڑی دین دار متقی پرہیزگار صاحب فضل و کمال باخدا بی بی تھیں، اور فہم و فراست اور ذکاوت و ذہانت میں ممتاز تھیں علمی حقائق و دقائق بے تکلف بیان فرمایا کرتی تھیں۔ پوری صحاح ستہ اور ہدایہ اور درمختار اپنے چچا مولانا محمد سلیمان صاحب سے پڑھی تھی۔ علمی ذوق اس قدر

بڑھا ہوا تھا کہ بلا ناغہ روزانہ کتب بینی کا معمول تھا جو آخر تک جاری رہا۔ وظائف واوراد اور اپنے معمولات کی پابندی مزید برآں ۔ ایک مرتبہ مجھے تقاضے کے ساتھ دہلی سے بلایا اور فرمایا کہ میں سخت پریشان ہوں مجھے حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے پاس تھانہ بھون لے چل ۔ تھانہ بھون پہنچ کر ایک عزیز کے یہاں قیام کیا اور فرمایا ابھی مولانا کو بلا لاؤ ۔ میں نے کہا کہ یہ ظہر و عصر کے درمیان کا وقت حضرت کی عام مجلس کا وقت ہے شام کو بلوا لینا ۔ اس کے بعد انہوں نے اور کئی بچوں سے کہا مگر ہر ایک نے انکار کر دیا ۔ میں اس کے بعد خانقاہ حاضر ہوا اور حضرت سے ملاقات کر کے مجلس میں بیٹھ گیا ۔ تھوڑی دیر میں ایک لڑکی آئی اور اس نے حضرت سے عرض کیا کہ کاندھلے سے بی بی حاجرہ آئی ہیں اور انہوں نے ابھی بلایا ہے ۔ حضرت نے اول تو میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اور تم نے ان کے آنے کا ذکر بھی نہ کیا" پھر حاضرین سے فرمایا یہ وقت تو آپ کی ملاقات کا ہے ۔ لیکن یہ میری معزز مہمان ہیں جو مجھے ابھی بلا رہی ہیں ۔ اگر اجازت ہو تو چلا جاؤں اور اسی وقت اُٹھ کر ساتھ ہو لئے ۔ مکان پر پہنچنے کے بعد حضرت نے سلام کیا ۔ خالہ صاحبہ نے کہا مولانا سلام کا جواب تو بعد میں دوں گی ۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اپنے کو ہوّا کیوں بنا رکھا ہے جس بچے سے کہتی ہوں کہ مولانا کو بلا لاؤ وہی یہ جواب دیتا ہے کہ مجھے تو ڈر معلوم ہوتا ہے ۔ حضرت سمجھ گئے ۔ میں تو ڈرا کہ اب ناراض ہوں گے ۔ مگر نہیں بلکہ نہایت شفقت کے ساتھ سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا سارے قوانین ۔ اور پابندیاں دوسروں کے لئے ہیں اور تم تو اپنے عزیز اور اولاد ہو تمہارے لئے کوئی پابندی نہیں ہے ۔

اس کے بعد خالہ صاحبہ نے عرض کیا کہ حضرت میں آج کل بہت پریشان ہوں ۔ میرے لطائف ستہ جاری تھے جو اب بند ہو گئے ۔ حضرت نے تھوڑی دیر سکوت اور مراقبہ کے بعد فرمایا ۔ بحمد اللہ بند نہیں ہوئے مگر کثرت مداولت

کی وجہ سے اب ان کا احساس نہیں رہا۔ آپ فکر ہرگز نہ کریں۔ اس کے بعد
حضرت تھانویؒ نے اصرار کے ساتھ آٹھ روز تک ان کو ٹھہرایا اور مستورات
متعدد وعظ خالہ صاحبہ سے کہلوائے۔ جن کا حضرت خود انتظام اور اہتمام
فرماتے تھے اور ہر وعظ کے بعد اس کی روئداد معلوم کرتے تھے۔

زہد و تقوے کا یہ حال تھا کہ ابتدائی زمانے میں ایک مرتبہ تایا صاحب
کے ہمراہ ملازمت پر گئیں۔ خالہ صاحبہ کو سنت ہونے کی وجہ سے دو چیزوں
کا بہت شوق تھا، ایک مسور کی دال اور دوسرے گھیا کدو۔ اس لئے چلتے
اپنے ساتھ مسور کی دال لے لی، وہاں پہنچ کر تایا صاحب کی آمدنی میں انہیں
کچھ کراہت محسوس ہوئی اور طبیعت نے ان کھانوں کو قبول نہ کیا اور پورے
چھ ماہ تک اسی مسور کی دال پر گذر گیا جو اپنے ساتھ لائی تھیں۔ تھوڑی سی
دال روزانہ اُبالتی تھیں اور کھالیتی تھیں یہی روٹی تھیں اور یہی سالن اور
ساری غذا، حالانکہ تایا صاحب کے لئے انواع و اقسام کے کھانے بنا
تیار کرتی تھیں۔ اس لئے کہ تایا صاحب کے یہاں مہمان داری کا زور تھا
خود نہ چکھتی تھیں۔ چھ ماہ کے بعد وہ مسور کی دال بھی ختم ہوگئی تو ایک
گھر کی نوکرانی نے سارا راز تایا صاحب پر کھول دیا اور کہا میاں تحصیل
سے نہ کہنا وہ ناراض ہوں گی۔ لیکن اگر یہی حال رہا تو وہ ہلاک ہو جائیں گی
تایا صاحب کو جب حقیقت حال معلوم ہوئی تو اُن کو کاندھلہ پہنچا دیا اور پھر
ملازمت پر نہیں لے گئے۔ حالانکہ تایا صاحب کی احتیاط کا حال خود ان
حالات میں معلوم ہو چکا۔ میرے نزدیک اس میں تقوے سے زیادہ بڑا کمال
تھا کہ کبھی اس حقیقت کو کبھی خاوند پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ مبادا رنج و
کا باعث ہو، اور پورے نشاط کے ساتھ یہ عرصہ گزار دیا۔

ایک دفعہ نظام الدین تشریف لے گئیں۔ میرے کمرے کے سامنے
قیام تھا، چونسٹھ کھمبا کا افتادہ میدان تھا۔ مجھ سے بار بار فرمایا مجھے

ے چل، یہاں پر کسی بڑے بزرگ کا مزار ہے جس کے انوار نظر آرہے ہیں۔ مگر
یہاں اس وقت کسی مزار کا نشان نہ تھا، صرف مٹی اور ملبہ کا ڈھیر تھا۔ اس کے ایک
عرصہ کے بعد جب سرکاری طور پر اس میدان کی صفائی ہوئی تو ان کی بتائی ہوئی
جگہ پر ایک صحیح سالم لاش نمودار ہوئی جو کسی بزرگ شہید کی ہوگی۔ اس لیے
عرصہ سو سال سے یہاں کوئی میت دفن نہ ہوئی تھی۔ خالہ صاحبہ کے کوئی
اولاد نہ تھی اور میرے ہی سے آنکھوں کو نور و سرور تھا۔ ۲۸ جمادی الثانی
۱۳۴۷ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ظہر کے وقت وفات پائی۔

اللهم اغفرها وارحمها كما ربّتني صغيراً

جمادی الثانی ۱۲۸۱ھ میں دنیا میں آئیں اور اسی جمادی الثانی کے مہینے میں
دنیا سے رخصت ہوئیں۔

مولوی حافظ محمد بدر الحسن صاحب

۲۸ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے
قرآن مجید حفظ کیا اور عربی کی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی اور انگریزی
تعلیم علی گڑھ کالج میں پائی۔ آپ علی گڑھ کالج کے پہلے طالب علموں میں سے
تھے جن سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر اخیر تک کالج کے ساتھ وابستگی
رہی، اور ہمیشہ کالج کے ٹرسٹی رہے۔ تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت اختیار
کرلی تھی اور منتہا پر سب ججی کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ علوم عربیہ
کی استعداد بہت اعلیٰ تھی، خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت تھی قرآن مجید
سے ساتھ خصوصی شغف بلکہ عشق تھا۔ ہر وقت حفظِ قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے
یہی آپ کا عدالت میں معمول تھا۔ ہاتھوں سے کام کرتے تھے اور کانوں سے

مقدمات سنتے تھے اور زبان کلام پاک کی تلاوت میں مصروف رہتی تھی۔
علم دوست اور علماء نواز اور غربا پرور متقی اور پرہیزگار عبادت گزار بزرگ تھے، جن کے چہرے سے نورانیت اور ایمانیت عیاں تھی، اور اسلامی شان نمایاں۔ خاندان کے بزرگ تھے، اور ہر ایک کے ساتھ بزرگانہ شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد علی گڑھ قیام رہا، اور وہیں پر ۸ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۲ر مئی سنہ ۱۹۲۲ء کو وفات پائی۔ آپ نے صرف ایک صاحبزادی یادگار چھوڑی تھی جن کی شادی مولوی نجم الحسن صاحب مرحوم سے ہوئی۔

مولوی محمد علاء الحسن صاحبؒ

۲ر رجب سنہ ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۰ر ستمبر سنہ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور خاندانی بزرگوں سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے انگریزی تعلیم علی گڑھ کالج میں پائی۔ تعلیم کے بعد سرکاری ملازمت کی اور ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ سے نہایت نیک نامی اور ہر دل عزیزی کے ساتھ پنشن حاصل کی نہایت منکسر المزاج، ملنسار، خوددار غربا پرور بے نفس سادہ مزاج نورانی شکل دین دار متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ غصہ کبھی پاس نہ آتا تھا۔ تنخواہ کا بیشتر حصہ بیواؤں اور یتیموں اور ناداروں کی خدمت گزاری اور خبرگیری میں صرف کرتے تھے۔ سرکاری ملازمت اور اقتدار کے باوجود کوئی نہ کوئی تجارتی شغل اختیار فرماتے تھے اور اپنے ذاتی مصارف اس سے پورے کرتے تھے عموماً پرانی بندوقوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ رہتا تھا۔ رئیسانہ شان تھی، اور درویشانہ ادائیں۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے حضرت اقدس

مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری سے بیعت کرا دیا تھا اور دربار رحیمی سے وابستگی قائم ہوگئی تھی ۔ ملازمت کے بعد کا زمانہ علالت میں گذارا ۔ مختلف مقامات پر علاج کراتے رہے مگر کوئی علاج کارگر نہ ہوا ۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو کاندھلہ میں وفات پائی ۔ آخری حالات رشک آفرین تھے ۔ اخیر وقت میں بار بار فرمایا مجھے حور و غلمان کی حاجت نہیں ، میں نے جو کچھ کیا ہے ، اپنے مولیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے ۔ اللھم اغفرہ وارحمہ وارض عنہ ۔ آپ کی شادی حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی ۔ ایک فرزند با اقبال مولوی محمد ظہیر الحسن کو اپنی یادگار چھوڑا ۔

مولوی حافظ الحاج محمد ظہیر الحسن شہیدؒ

قرآن مجید حفظ کرنے اور ابتدائی ضروری تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی میں اول بی اے پاس کیا ۔ پھر ایم اے عربی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ۔ بزرگوں کا منشاء تھا کہ کوئی اعلیٰ ملازمت کریں اور اس وقت کے اثر و رسوخ کے دور میں یہ کچھ دشوار مرحلہ بھی نہ تھا ۔ مگر آپ کے ذوقِ علمی اور شانِ خودداری نے ملازمت کی پابندی کو گوارا نہ کیا اور ہمیشہ گھر پر مستقل سکونت رہی ۔

عربی ، فارسی ، انگریزی ، اردو کی اعلیٰ قابلیت تھی ، چاروں زبانوں کے ادب میں پوری مہارت رکھتے تھے اور ہر زبان کے منتخب اور چیدہ اشعار اور امثال و اقوال ہر وقت برزبان رہتے تھے ، لطائف و ظرائف اور تاریخی واقعات اور معلومات کا تو وہ گویا بھرپور خزانہ تھے ۔ ہر نوع کی کتابیں زیرِ مطالعہ رہتی تھیں ، اور جس موضوع پر بھی گفتگو کرتے تھے ۔

اس کو نہایت تحقیق اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے تھے ۔ میں نے ہمیشہ ہر چند چاہا کہ وہ کوئی کتاب کسی موضوع پر تصنیف کریں ۔ مگر ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "میاں احتشام تصنیف کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں"

آپ نے کاندھلہ کے قیام میں محض ریاست نہیں کی بلکہ لوگوں کے قلوب پر حکومت کی اور وہ رسوخ و اقتدار حاصل کیا کہ زندگی میں بھی درو دیوار[۵] سے مولوی ظہیر کی آواز آتی تھی اور آج تک یہی ہر ایک ہندو مسلمان کی زبان پر مولوی ظہیر کا نام جاری ہے ۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گذرتا ہو جو ان کا نام کان میں نہ پڑتا ہو ورنہ جو بھی نووارد مکان کے سامنے سے گذرتا ہے بڑی حسرت اور درد کے ساتھ ان کا ذکر کرتا ہے جس کا باعث وہ عام خیر خواہی اور جذبۂ خدمت گذاری تھا جو آپ کا فطری جوہر تھا اور طبیعت ثانی بن چکا تھا ۔

زندگی میں لوگوں کی چارہ گری اور مشکل کشائی میں مشغول رہتے تھے آج ہر ایک اپنی مشکل میں آپ کو یاد کر رہا ہے ۔

آپ کی ایک خاص عادت تھی کہ نیچے سے لے کر اوپر تک تمام حکام اور وزراء اور امراء اور رؤسا کے ساتھ دوستانہ اور مخلصانہ اور مساویانہ تعلقات رکھتے تھے اور پھر ان تعلقات کے ذریعے ہر ایک کی مشکل کشائی کرتے تھے اور حکام ضلع سے جس قدر کام دوسروں کے لیتے تھے ۔ اس سے زائد خود ان کی مشکلات میں ان کی مدد کرتے تھے اور ہر ایک کی ترقی میں سعی کرتے ۔ اس لئے ہر ایک حاکم آپ کا ممنون احسان اور مورد الطاف ہوتا تھا اور درحقیقت آپ میں حکام پرستی نہ تھی بلکہ حکام پروری تھی ۔ ابتداءً کسی حاکم سے ملنے کے

---

[۵] ایک مرتبہ آپ نے اپنی زندگی میں حافظ محمد یوسف صاحب سے دعا کے لئے کہا تو موصوف نے ہنس کر فرمایا "درو دیوار تک سے تو مولوی ظہیر کی صدا آرہی ہے اور کس بات کی دعا کراتے ہو" حافظ صاحب موصوف کا یہی فقرہ میں نے نقل کر دیا ۱۲

لئے نہ جاتے تھے۔ پہلی ملاقات مکان پر ہوتی تھی اور جب تعلقات قائم ہو جاتے تو پھر دوستانہ اور بے تکلف ملتے تھے۔ اور ہر حاکم کے ساتھ اس انداز سے پیش آتے تھے کہ بیشتر پہلی ہی ملاقات میں بے تکلفی ہو جاتی تھی، ایک مرتبہ ایک نئے ڈپٹی کلکٹر آئے۔ جب وہ پہلی مرتبہ کاندھلہ آئے تو بڑی کروفر کے ساتھ آئے۔ پہلے قصبہ کا گشت کیا اور جگہ جگہ بعض غرباء کو ڈانٹا اور بعض کا چالان کیا۔ یہ سب اطلاعیں آپ کے پاس آتی رہیں اور آپ ایک کاغذ پر نوٹ کرتے رہے جب شہر کے گشت سے فارغ ہو کر ڈپٹی صاحب آپ کے پاس آئے کھانا وغیرہ کھایا اور دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور یہ پہلی ملاقات تھی۔ چلتے وقت ڈپٹی صاحب نے کہا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی، میں پھر جلد ہی کاندھلہ آؤں گا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا جی تو یہی چاہتا ہے۔ مگر خدا کے لئے اس کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ نہ آنا۔ بیچارے غریب تو مر جائیں گے۔" پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور وہ تمام چالان منسوخ کرائے جن کا وہ حکم دے چکے تھے۔

سیاسی پارٹیوں میں بھی تمام سربرآوردہ اور ممتاز لیڈروں سے مخلصانہ اور محبانہ تعلقات رکھتے تھے اور ہر ایک کی مشکلات کو دور کرنے میں پیش پیش رہتے تھے اور تا مقدور اعانت و امداد میں کبھی کمی نہ کرتے تھے اس لئے ہر ایک کے معتمد اور سب کی نگاہوں میں مقتدر اور مؤقر شمار ہوتے تھے۔

مہمان نوازی، احباب نوازی اور انواع و اقسام کے تکلفات تو آپ کے دستر خوان کی خصوصیات سے شمار ہوتے تھے۔ مہینہ میں بمشکل چند ہی روز ایسے گذرتے ہوں گے جو مہمان سے خالی ہوں۔

آپ کے پاس کوئی بڑی جاگیر اور جائداد نہ تھی۔ لیکن اخراجات اور بود و باش ساری شاہانہ تھی اور قدرت نے مزاج بھی شاہانہ عطا فرمایا تھا اور ان کے یہ سارے شاہی اخراجات حسن انتظام اور حسن تدبیر سے

پورے ہوتے تھے فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے پاس روپیہ ہے مگر خرچ کرنا نہیں جانتے کوئی مجھے روپیہ دے تو بتاؤں کہ خرچ اس طرح کیا کرتے ہیں۔" اور یہ حقیقت ہے کہ تھوڑی سی آمدنی میں اس شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرنا ان کی قابلیت کی نشانی اور کھلی کرامت تھی۔ یہ آپ کا فطری جوہر تھا۔ خود بینی اور خود نمائی تھی اور ہمیشہ نام و نمود اور شہرت سے گریز کرتے تھے اور ہر کار خیر میں اخفا کی پوری کوشش کرتے تھے۔ بڑے بڑے کارناموں کے متعلق ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ کسی پر ظاہر نہ ہوں۔ اسد پور جڑانہ کی جب مسجد تعمیر کرائی تو میں نے کہا، اس میں اپنے نام کا پتھر لگوا دیجئے فرمانے لگے پھر اللہ کے واسطے کہاں رہے گی، اسی طرح غربا کی امداد اور پرورش میں ہمیشہ اخفا کرتے تھے مجھ پر ان کے بیشتر کمالات ان کے بعد ان کی تحریرات سے منکشف ہوئے۔

مثلاً اپنے ہر ملنے والے ہندو اور مسلمان کو ضرورت کے وقت بے دریغ دوسروں سے قرض لے کر دیتے تھے اور وقت پر کسی کو انکار نہ کرتے تھے، پھر عدم ادائیگی کی صورت میں خود ادا کرتے تھے۔ اس قسم کا دس بارہ ہزار روپیہ آپ نے دوسروں کے ذمہ چھوڑا وغیرہ۔ آپ اپنی خداداد قابلیت اور صلاحیت کی وجہ سے حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب سے مُرید ہو گئے تھے اور اخیر میں دنیوی جھگڑوں سے نہ دل چسپی نہ رہی تھی عبادت و طاعت اور قرآن پاک کی تلاوت اور اوراد و وظائف کی مشغولیت ذکر اللہ کی کثرت روز افزوں تھی اور طبیعت دوسرا رنگ اختیار کر رہی تھی اور برابر پرواز کر رہی تھی۔ آپ نے ۱۳۵۶ھ میں حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کی ہمرکابی میں حج بیت اللہ ادا کیا اور مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

۱۹۴۷ء کے عین ہنگامہ میں جن سنگھ کی جماعت نے اپنی کارروائیاں

کے لئے کاندھلہ کو مرکز بنانا چاہا۔ آپ کے عام رسوخ اور اقتدار کی وجہ سے آپ کی ذات ان کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ اطراف ونواحی کی غیر مسلم اکثریت بھی آپ کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس لئے وقتی جوش میں بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے اس رکاوٹ کو دور کرنا ضروری سمجھا اور ایک سنگھ نے اپنی گولی کا نشانہ بنا کر جامِ شہادت پلا دیا جس کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئے گی۔ انشاء اللہ

آپ کی فضیلت ومنقبت اور رفعت وعظمت کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ آپ راہ مولیٰ میں شہید ہوئے اور اب ہر ہندو اور مسلمان اپنی ضرورت اور مشکل میں آپ کو یاد کر رہا ہے۔ دنیا میں بھی نیک نامی حاصل کی اور آخرت میں بھی سرخروئی پائی۔ آپ کی شادی مولوی محمد رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ حافظ محمد فرید الحسن آپ کی یادگار ہے۔

مولانا حافظ الحاج محمد سلیمان صاحبؒ

حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ یکم جمادی الاول ۱۲۵۷ھ کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور تمام علوم وفنون کی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ علوم دینیہ میں خصوصی مہارت تھی۔ اور یہی آپ کا علمی شغل اور خصوصی ذوق تھا۔ اپنی خدا پرستی اور دینداری اور تقوے و پرہیزگاری اور راست کیشی، دیانت داری امانت داری، معاملہ فہمی میں ممتاز و یگانہ تھے۔ مولوی محمود الحسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ بڑھاپے کے باوجود تہجد کی نماز میں تین پارہ پڑھنا پھر صبح تک علمی مشغلہ میں مصروف رہنا آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔ تمام

بھائیوں کی جائداد اور باغات وغیرہ کا انتظام اور اہتمام آپ کے سپرد تھا جس کو انہماک اور دلچسپی کے ساتھ کرتے تھے اور یہی آپ کی ہر وقت کی مشغولی تھی، آپ کے اپنے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے آپ کے چھیوں بھتیجے ہی آپ کے لئے بمنزلہ اولاد تھے۔ انہی کی نگرانی اور خیر خواہی اور ہمدردی و غم گساری میں زندگی بسر فرماتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ بزرگانہ شفقت اور پدرانہ محبت رکھتے تھے۔ ہمشیرہ والدہ فرید بیان کرتی ہیں کہ آپ جب بھی باغ سے آتے تیرے واسطے ایک پیڑا لے کر آتے تھے۔ یہ آپ کا بلاناغہ روزانہ کا معمول تھا۔ اخیر وقت میں وصیت بھی یہی فرمائی کہ ان کی تمام جائداد اور املاک کو چھیوں بھائیوں میں بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے بڑے بھائی مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب نے جو وارث شرعی تھے آپ کے وصال کے بعد آپ کی جائداد اور املاک کو سب پر برابر تقسیم فرما دیا۔ آپ دو مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔

قصیدہ بردہ پر عربی میں حاشیہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ ایک عربی کتاب فقہ میں تصنیف فرمائی جو عربی کے ابتدائی طالب علموں کو پڑھاتے تھے۔

قصبہ کاندھلہ کی موجودہ خوشنما عیدگاہ آپ کی مساعی کی یادگار ہے۔

مولوی محمد ابو القاسم صاحبؒ

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے دوسرے چھوٹے صاحب زادہ ہیں تمام علوم و فنون کی تکمیل والد بزرگوار سے کی پھر اپنے تقاضے اور اصرار سے سرکاری ملازمت اختیار کی اور تھانہ داری میں بے شمار دولت حاصل کی بڑی شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ گھوڑی تک

طلائی زیورات سے آراستہ رہتی تھی۔ ۱۲۵۷ھ میں وفات پائی۔ اچانک مرض نے حملہ کیا زبان بند ہوگئی اور ہوش و حواس معطل ہو گئے۔ جو مال و دولت گھر کے گوشوں میں دفن کر رکھی تھی، اس کی نشان دہی نہ کر سکے اور اولاد اس سے مستفیض نہ ہو سکی اور مجبوراً سب کو باہر بسلسلہ ملازمت اوقات گذارنے پڑے۔

حضرت سید احمد شہید بریلوی نے جب دو آبہ کا دورہ فرمایا اس وقت آپ مراد نگر میں تھانہ دار تھے۔ وہیں ملاقات سے مشرف ہوئے اور بیعت کی سعادت حاصل کی مولوی غلام رسول تحریر فرماتے ہیں:۔

"مراد نگر میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم تھانیدار تھے وہ برقنداروں سمیت بیعت سے مشرف ہوئے۔

سیرت سید احمد شہید جلد اول ص ۱۲۵

آپ نے تین صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے (۱) مولوی محمد اسحٰق صاحب (۲) مولوی محمد یعقوب صاحب (۳) مولوی احمد علی صاحب (۴) مولوی عبدالحق صاحب کو اپنی یادگار چھوڑا۔ مولوی محمد یعقوب اور مولوی احمد علی کے کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی۔

مولوی عبدالحق کے ایک صاحبزادے تھے۔ نمبردار نصیر الحق جو بڑی آزاد طبیعت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ سردی کے موسم میں گھر کے دروازے میں بیٹھے ہوئے شطرنج کھیل رہے تھے کہ رات کا اخیر حصہ ہو گیا اس وقت حضرت مولانا مظفر حسین صاحب گلی سے تہجد کے لئے تشریف لے جا رہے تھے انھوں نے یہ سمجھ کر کہ پڑوس جلاہا ہے حکم دیا کہ حقہ بھر لاؤ۔ حضرت مولانا نے اپنے چہرہ کو چادر میں لپیٹا کہ کوئی پہچان نہ سکے اور فوراً حقہ بھر کر سامنے رکھ دیا اور چلے گئے جانے کے بعد کسی نے کہا یہ تو مولانا مظفر حسین صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ نمبردار نصیر الحق یہ سن کر گھبرا گئے اور کہا۔ اب میں کاندھلہ

رہنے کے قابل نہیں رہا اور گھر چھوڑ کر روانہ ہو گئے پہلے ایک خاندانی پیر اور مصنوعی درویش سے سابقہ پڑا جب وہاں کچھ نہ پایا تو حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے آستانہ مبارک پر جا پڑے، اور وہ مجاہدہ و ریاضت کیا کہ ساری عمر کی تلافی کر دی بالآخر حضرت اقدس گنگوہی کے خلیفہ اور مجاز طریقت ہوئے

مولوی محمد اسحٰق صاحب کے دو فرزند تھے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی محمد احسن صاحب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب پرانی وضع کے دیندار متقی پرہیزگار ذی علم بزرگ تھے ہمیشہ لکھنے پڑھنے میں مشغول رہتے تھے، متعدد حدیث و فقہ کی نایاب ضخیم کتابوں کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر عام کیا اور اسی کو اکل حلال اور ذریعۂ معاش سمجھتے تھے۔ شفا قاضی عیاض کا اردو ترجمہ بھی فرمایا۔ موصوف کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد ادریس صاحب بڑے ذی علم اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ پہلے دار العلوم دیوبند میں شیخ التفسیر تھے اور اب دار العلوم اشرفیہ لاہور (پاکستان) میں شیخ الحدیث ہیں۔

مولوی محمد احسن صاحب نے اپنی ساری زندگی بسلسلہ ملازمت ریاست بھوپال میں گذاری، البتہ اُن کے صاحبزادہ حاجی محمد محسن کا بیشتر زمانہ کاندھلہ میں گذرا۔

حاجی محمد محسن صاحب کی تعلیم تو کچھ زیادہ نہ تھی لیکن قدرت نے دماغ عجیب و غریب عطا فرمایا تھا اور جس کام کو انجام دیتے تھے۔ انتہائی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھ پورا کرتے تھے۔

پہلے حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری سے بیعت ہوئے اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ پھر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب سے وابستہ ہو گئے اور ساری عمر مجاہدہ اور مشقت اور عبادت و ریاضت میں گذاری ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے

(۱) حسن (۲) محمد آپ کی یادگار ہیں۔

مولانا حکیم محمد شریف صاحبؒ کی دوسری اولاد

مولانا حکیم محمد شریف صاحب کے تین فرزند تھے۔ اول مولینا حکیم عبدالقادر صاحب جن کی اولاد کا مختصر تذکرہ لکھا گیا ہے۔ دوسرے مولانا شیخ ابوالحسن صاحب یہ بھی صاحبِ فضل و کمال بزرگ گذرے ہیں جن کا ایک واقعہ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے نقل کیا ہے جو "عجائباتِ قدرت" کے ضمن میں درج ہو چکا ہے۔

تیسرے مولوی محمد فیض صاحب ان کے صاحبزادہ مولینا حکیم محمد ساجد صاحب تھے۔ جو ۱۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بڑے صاحبِ فضل و کمال اور متبحر عالم تھے۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب نے اپنی بیاض میں ان کے متعدد فتاوے مدلل و مبسوط نقل فرمائے ہیں جن ایک بدعات مروجہ کی حرمت اور تردید میں نہایت بسط کے ساتھ لکھا ہوا ہے شاہجہاں بادشاہ نے جو دو ہزار بیگھ معافی کا فرمان حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا جس کو موصوف نے قبول کرنے سے انکار فرما دیا تھا وہ بعد میں مولانا محمد ساجد صاحب کے نام منتقل ہو گیا اور آپ دنیوی زندگی بھی نہایت راحت و آرام اور تزک و احتشام کے ساتھ بسر فرماتے کتاب "عجائب العرائب" بھی تصنیف کی۔ آپ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا۔ آپ کے دو شعر لکھے جاتے ہیں :- ؎

یاقوتے کہ از درو تدان و لعل تست ÷ ہرگز ندیدہ ایم لقا نون بوعلی
نیست ایں خط آنچہ من بینم بر گرد رخت ÷ مصحف روئے ترا ایں حاشیہ بیضاوی است

مولانا محمد ساجد صاحب کے ایک فرزند تھے، حکیم غلام محی الدین صاحب اور ان کے فرزند حکیم کریم بخش صاحب حکیم کریم بخش کے دو فرزند ہوئے (۱) شیخ غلام حسن اور (۲) شیخ غلام حسین۔

شیخ غلام حسن کی شادی حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے دو فرزند تولد ہوئے (۱) مولانا حافظ محمد صابر صاحب اور (۲) مولانا حافظ محمد مصطفٰے صاحب شہید۔

مولانا حافظ الحاج محمد صابر صاحبؒ

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے نواسے بھی تھے اور شاگرد رشید بھی علوم و فنون میں دستگاہ رکھتے تھے۔ درویش صفت صوفی منش عابد و زاہد متقی و پرہیزگار بزرگ تھے دنیوی طمطراق سے متنفر و بیزار سیر و سبزہ کے شوقین تھے، چند بار حج بھی کیا اور حضرت سید احمد صاحب شہید کے ہمراہ معرکہ جہاد میں بھی شریک ہوئے اور ساری عمر حضرت سید صاحب کے قافلہ کی اعانت و امداد اور سربراہی میں بسر فرمائی۔ (سفینۂ رحمانی)

آپ نے ایک فرزند چھوڑا حافظ محمد عبداللہ صاحب۔

حافظ الحاج محمد عبداللہ صاحبؒ

علوم ضروریہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور قرآن مجید کے ساتھ خصوصی شغف تھا۔ ابتداء میں سرکاری ملازمت کی پھر گھر پر متوکلانہ اور عابدانہ زندگی

بسر فرمائی۔

حافظ عبدالرحمٰن صاحب حیرتؔ نے آپ کے متعلق چند اشعار کہے ہیں جن کے آپ صحیح مصداق تھے۔

عابد و زاہد ولیٔ خوش سیر ؛ زندہ جان و نور افشاں چوں قمر
دائما دریاد حق مصروف ہست ؛ بر جلال ایزدی مشغوف ہست
سینۂ او از جلال کبریا ؛ نور افشاں ہست چوں شمس الضحیٰ
نور عرفاں می چکد از روئے او ؛ خوش تر آمد از فرشتہ خوئے او

سنا ہے اخیر زمانے میں جب بینائی جاتی رہی تھی اور بڑھاپا طاری ہو گیا تھا۔ ہر وقت ان کی زبان پر یہ فقرہ رہتا تھا۔

"کوئی بندوق دیدو جہاد کو جاتا ہوں"

جس سے ابتدائی جذبات اور اندرونی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔

آپ نے دو فرزند چھوڑے۔ حافظ محمد یوسف صاحب اور حافظ محمد یونس صاحب ان دونوں بزرگواروں کا ابتدائی زمانہ تو بسلسلۂ ملازمت باہر گزرا۔ لیکن اپنے اخیر دور میں کاندھلہ کی زینت اور نمونۂ سلف تھے، نورانی شکلیں ایمانی باتیں، اسلامی اطوار و عادتیں، وضع داری، احباب نوازی، ملنساری، ہر ایک کی ہمدردی اور خیر خواہی اور غم گساری ان دونوں بھائیوں کی نمایاں خصوصیات تھیں، اور دونوں دیندار متقی پرہیزگار تہجد گذار بزرگ تھے۔ حافظ محمد یوسف صاحب عملیات میں بھی معروف و مشہور تھے۔ اور یہ آپ کا عمومی فیض تھا۔ آپ نے ایک فرزند حکیم محمد ابوبکر اپنی یادگار چھوڑا، اور ایک لڑکی۔

حافظ محمد یونس صاحب نے (۱) حافظ محمد عمر صاحب (۲) حافظ حاجی محمد عثمان صاحب (۳) بابو محمد شعیب صاحب (۴) مولوی حافظ حاجی محمد داؤد صاحب (۵) مولوی حافظ حکیم محمد یامین صاحب کو اپنی

یادگار چھوڑا۔ مولوی حکیم محمد یامین صاحب نے مستقل مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار کر لی ہے اور باقی اصحاب و اخوان پاکستانی بن گئے۔

مولانا حافظ محمد مصطفیٰ صاحب شہیدؒ

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کے نواسے بھی تھے اور شاگرد رشید بھی اور آپ ہی کے پاس کاندھلہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ علوم معقول و منقول میں۔ اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اور فن تجوید کے ماہر شمار ہوتے تھے۔ فنونِ سپہگری کو بھی ذوق و شوق کے ساتھ حاصل کیا۔ شجاعت، مردانگی دلیری، بہادری میں نظیر نہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود عبادت و ریاضات اور مجاہدات و طاعات میں ہر وقت مشغول اور سرگرم رہتے تھے۔

۱۲۴۳ھ میں حضرت سید احمد صاحب شہید کے قافلہ کے ہمراہ معرکہ جہاد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ (سفینۂ رحمانی)

آپ نے ایک فرزند حافظ عباد اللہ صاحب کو اپنی یادگار چھوڑا تھا جو لاولد فوت ہوئے۔ مولانا حافظ محمد مصطفیٰ صاحب کے متعلق مولوی غلام رسول مہر تحریر فرماتے ہیں:

"مولوی احمد اللہ ناگپوری نے رات کے وقت اپنی پوری جماعت کو کھانے کی دعوت دی۔ حافظ مصطفےٰ کاندھلوی شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری اور مولوی سید جعفر علی نقوی اسی جماعت میں تھے۔ کھانے کے بعد مولوی احمد اللہ نے مولوی جعفر علی سے کہا کہ میں تو حضرت امیر المومنین کے ساتھ رہوں گا۔ جماعت کی امارت قیادت کے فرائض آپ کو انجام

دینے ہوں گے۔ مولوی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے افسری کا تجربہ نہیں بہتر ہوگا کہ حافظ مصطفیٰ کو یہ منصب سونپا جائے۔ مولوی احمد اللہ نے کہا حافظ مصطفیٰ بھی میرے ساتھ ہوں گے الخ

(سیرت سید احمد شہید جلد دوم ص ۳۸۸)

پھر آگے چل کر ص ۴۲۴ پر شہیدوں کی فہرست میں ۱۳۱ نمبر پر حافظ محمد مصطفیٰ کاندھلوی کا نام درج ہے۔

شیخ غلام حسینؒ کی اولاد

حکیم کریم بخش صاحب کے دوسرے صاحبزادے شیخ غلام حسین صاحب کے دو صاحبزادے ہوئے (۱) حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، (۲) مولوی محمد اسحٰق صاحب۔

مولوی محمد اسحٰق صاحب کے دو فرزند ہوئے:

(۱) محمد یعقوب (۲) محمد عیسیٰ۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ

آپ قصبہ جھنجھانہ میں پیدا ہوئے اور وہی آپ کا آبائی وطن تھا۔ قرآن پاک حفظ کر کے علوم دینیہ عربی کی تکمیل فرمائی اور ۱۸۵۵ء میں بہادر شاہ بادشاہ کے سمدھی مرزا الٰہی بخش صاحب کے یہاں درس و تدریس کا مشغلہ اختیار فرمایا۔ نہایت عابد و زاہد متقی اور پرہیزگار مستجاب الدعوات بزرگ تھے ابتداءً

مرزا الٰہی بخش صاحب کے یہاں کوئی خاص وقعت نہ تھی صرف ان کے بچوں کو پڑھانے پر مامور تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد مرزا الٰہی بخش صاحب بھی کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہوئے اور سرگرداں پھرے۔ اسی دوران میں کسی عارف کامل نے حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب کی جانب رہنمائی کی۔ مرزا کو جب اپنی پریشانیوں سے بحالی ملی تو پھر اس نے آپ کا خصوصی اعزاز و اکرام کیا۔ اور اپنی پہلی پنشن لا کر آپ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے اس میں سے کچھ روپے مٹھی میں اٹھالئے۔ جو آخر تک آپ کا ماہانہ مشاہرہ رہا۔ مرزا الٰہی بخش نے دہلی کو چھوڑ کر بستی نظام الدینؒ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور چونسٹھ کھمبہ کے اندر احاطہ میں اور باہر اپنے رہائشی مکانات تعمیر کرائے اور چونسٹھ کھمبہ کے دروازے پر حضرت مولینا محمد اسمٰعیل صاحب کا سکونتی مکان تھا۔ چونسٹھ کھمبہ کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی جس میں ایک حجرہ حضرت مولانا کی رہائش کے لئے اور ایک بڑا کمرہ ٹین پوش اپنی نشست کے لئے تھا جو بنگلہ کہلاتا تھا اور اسی مناسبت سے یہ بنگلہ والی مسجد کہلاتی تھی۔ آپ مرزا الٰہی بخش بھی آپ کے شاگرد تھے، اور بڑھاپے میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھا جو زندگی میں ختم بھی کر لیا۔ اب مرزا آپ کے نیازمند اور پورے عقیدت مند تھے۔ علاوہ اس مشاہرہ کے حضرت مولانا اور ان کے متعلقین اور خدام و وابستگان کا کھانا مرزا صاحب ہی کے یہاں سے خصوصی اہتمام کے ساتھ آتا تھا۔

اسی دوران قیام میں ایک روز نماز کا وقت آگیا، اور کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا جس کے ساتھ آپ جماعت کرتے۔ اس لئے کسی نمازی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلے۔ کچھ لوگ میواتی میوات سے آرہے تھے اور تلاش روزگار کی خاطر دہلی جارہے تھے۔ آپ ان کو مسجد میں لے آئے۔ لیکن وہ مسلمان ہونے کے باوجود دین و مذہب سے بالکل بے خبر اور ناآشنا تھے۔ وہ چونکہ مزدوری کے لئے جارہے تھے، اس لئے جو مزدوری ان کو دہلی میں ملتی اسی پر

آپ نے ان کو اپنے پاس ٹھیرالیا۔ پھر ان کو دین سکھاتے اور قرآن مجید کی
تعلیم دیتے اور شام کو ان کی مزدوری کے پیسے اپنے پاس سے ادا کرتے تھے۔ یہ
بنگلہ والی مسجد کے مدرسے کی ابتدا رتھی۔ کچھ روز کے بعد جب ان لوگوں کو دین کا
شوق اور عبادت کا ذوق حاصل ہوگیا تو انھوں نے مزدوری لینا چھوڑ دی،
اور اب دس بارہ میواتی تعلیم و تربیت کے لئے ہر وقت آپ کے پاس رہنے
لگے۔ جن کا کھانا مرزا الٰہی بخش صاحب کے یہاں سے آتا تھا اور باقی ہر نوع
کی خبر گیری حضرت مولانا خود فرماتے تھے۔ آپ کی پہلی شادی ہوئی تھی جن سے
حضرت مولانا محمد میاں صاحب تولد ہوئے پھر اُن کا انتقال ہوگیا۔ اسی دوران
میں ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء میں ایک شادی کے سلسلہ میں بارات میں آپ
کا کاندھلہ تشریف لے جانا ہوا اور وہاں آپ کا ایک پرتاثیر وعظ بھی ہوا۔
اس وقت مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی بی امی بی نے اپنے
قرابت داروں کو جمع کر کے فرمایا کہ دین اور علم اس خاندان سے برابر کم ہوتا جا رہا
ہے۔ ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ بالکل خاتمہ ہو جائے۔ مجھے مولوی محمد اسمٰعیل
دین دار ذی علم معلوم ہوتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی بڑی لڑکی کی ان سے
شادی کر دوں تاکہ ان روابط اور تعلقات کے ذریعہ خاندان میں دین
اور علم کی بنیادیں مستحکم اور استوار ہو جائیں۔ مگر چونکہ اس وقت حضرت
مولانا کی عمر بہت کافی تھی اور ان کی صاحبزادی بہت کم عمر اور کم سن تھی
اس لئے ہر ایک کو تامل تھا مگر آپ نے اس کی بالکل پروا نہ کی اور زور
دے کر اسی وقت حضرت مولانا کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کرا کر رخصت
بھی کر دیا، اور جو دوسرے کی بارات میں لئے تھے وہ اپنی دلہن کو ساتھ لے گئے۔
اس طور پر اس خاندان کا پھر رُخ پلٹا اور دینداری نمایاں اور غالب نظر
آنے لگی اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی اس خاندان کے ساتھ
ایسے مربوط اور وابستہ ہوئے کہ جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی بن گئے اور

کاندھلہ کی مستقل سکونت اختیار فرما کر ایک چھوٹا سا رہائشی مکان بھی تعمیر کرا لیا اور پھر یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کا جزء لاینفک بن گئے

درحقیقت یہ حضرت دادی صاحبہ امی بی کی انتہائی دور اندیشی اور اعلیٰ کارنامہ تھا جس کے باعث مفتی الٰہی بخش صاحب کے خاندان کا رخ پلٹنے نہ پایا اور جس قدر پلٹ گیا تھا وہ بھی راہِ راست پر آگیا اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کے نامور فرزندوں نے اس خاندان کی خبر گیری میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی جو سرپرستی اور رہنمائی اب تک جاری اور باقی ہے۔

مولانا حکیم محمد اشرف صاحب مورث اعلیٰ و جد امجد نے شاہ جہاں بادشاہ کے جس دو ہزار بیگھہ معافی دوام کے فرمان کو قبول کرتے سے انکار فرما دیا تھا اور پھر اس شاخ کے مورث مولانا حکیم محمد ساجد صاحب کے نام وہ منتقل ہو گیا تھا۔ ان کی اولاد نے پھر اس کو لاپرواہی کے ساتھ ٹھکرا دیا اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کے برگزیدہ صاحبزادوں کی زندگی درویشانہ اور متوکلانہ اور زاہدانہ بسر ہوئی۔ یہ ساری جائداد کیوں کر نکلی؟ اور کب نکلی؟ اور کس طرح نکلی؟ اس کی کوئی صحیح تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی اس طرف کوئی توجہ نہ کی، اور جس جائداد کو مولانا حکیم محمد اشرف صاحب نے ٹھکرا دیا تھا۔ اس کو ان بزرگواروں نے بھی ٹھکرا دیا۔ اور کبھی کسی نے اس طرف کو التفات نہ کیا بلکہ جھنجھانہ کا رخ بھی نہیں کیا اور ساری زندگی مسجد بنگلہ والی بستی حضرت نظام الدین اولیاء میں گذار دی۔

ذکر و عبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید، اور دین کی تعلیم شب و روز کا مشغلہ تھا۔ خدمت و تواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے پیاسے ادھر آنکلتے، ان کا بوجھ اتار کر رکھتے،

اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے۔ پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی میں اس قابل نہ تھا۔ عام اجتماع اور ہجوم کے زمانے میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے اور رضائے الٰہی اور قربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔

سیرت مولانا محمد الیاس ۳۶)

دس پندرہ طلبار ہمیشہ پاس رہتے تھے جو عموماً میواتی ہوتے تھے اور آپ ان کو قرآن شریف اور ضروری مسائل کی تعلیم دے کر واپس بھیج دیتے تھے۔ تاکہ وہ میوات میں جا کر دینی خدمت انجام دیں۔ احسن المسائل اور ترجمہ شرح وقایہ منتہیانہ نصاب تھا۔ آپ کے پڑھائے ہوئے طلبار عابد و زاہد متقی و پرہیزگار، دین دار، تہجد گذار، دین و ملت کے مخلص خدمت گذار اور شریعت کے پورے جان نثار اور مسائل دین سے اچھی طرح واقف کار ہوتے تھے۔ اور دینی امور میں اچھی بصیرت اور واقفیت ہوتی تھی جو آجکل مولویوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔

آپ ہر وقت ذاکر اور یا خدا رہتے تھے۔ مختلف اوقات و حالات کے متعلق حدیث میں جو اوراد و اذکار آئے ہیں ان کی پابندی کرتے تھے اور آپ کو اس طرح مرتبہ احسان حاصل تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سے طریق سلوک کے حصول کی خواہش کی تو حضرت موصوف نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں جو اس طریق اور ان ذکر و اذکار کا مقصود ہے۔ وہ آپ کو حاصل ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے کے بعد یوں کہے کہ قاعدہ بغدادی میں نے نہیں پڑھا اس کو بھی پڑھ لوں۔ مولانا کو قرآن مجید کی تلاوت اور ورد سے خاص شغف تھا۔ پرانی تمنا تھی کہ بکریاں چراتا رہوں

اور قرآن پڑھتا رہوں۔ رات کو اس کا خاص اہتمام تھا کہ گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی جاگتا رہے اور طاعت و عبادت میں مشغول رہے۔ چنانچہ بارہ، ایک بجے تک منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب مطالعہ میں مشغول رہتے۔ اس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بیدار ہو جاتے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب سو جاتے تھے۔ پچھلے پہر بڑے صاحبزادے مولانا محمد میاں صاحب کو بیدار کر دیتے۔

(سیرت مولانا محمد الیاس صاحب ص۳۷)

رحم دلی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اگر کوئی جو کو پکڑ کر ویسے ہی بغیر مارے پھینک دیتا تھا تو آپ اس کو تلاش کر کے مارتے تھے تاکہ اذیت نہ پائے۔

آپ کی طبیعت اتنی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی۔ بے ہمہ ایسے تھے کہ اللہ نے باہمہ بنا دیا تھا۔ آپ کی للّٰہیت، خلوص اور بے نفسی ایسی آشکارا تھی کہ دہلی کی مختلف الخیال جماعتیں جو اس زمانے میں ایک دوسرے سے سخت متوحش اور متنفر تھیں اور ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا۔ ان کے پیشواؤں کو آپ کی ذات سے بلا اختلاف عقیدت تھی۔ (سیرت مولانا محمد الیاس صاحب ص۳۴)

بیماری اور وفات

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بیمار ہو کر دہلی منتقل ہوئے اور کھجور والی مسجد واقع تراہا بہرام خاں میں بغرض علاج قیام فرمایا مگر وقت موعود آچکا تھا۔ ۱۴ر شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶ر فروری ۱۸۹۸ء کو انتقال فرمایا "انّ العاقبۃ للمتقین" تاریخ وفات ہے۔

مقبولیت عامہ کا اندازہ اس سے ہو گا کہ جنازہ کے ساتھ

چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ جنازہ میں دونوں طرف بلیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً ساڑھے تین میل ہے) کاندھا دینے کا موقعہ نہ ملا۔

جنازہ میں مختلف جماعتوں کے بکثرت لوگ شریک تھے اور مختلف العقیدہ اور مختلف الخیال جو کم ایک جگہ جمع ہو سکتے تھے، اس موقع پر مجتمع تھے۔ مولانا کے منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ فرماتے تھے کہ میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بڑے نرم مزاج اور متواضع بزرگ تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی بزرگ کی تواضع فرمائیں اور نماز پڑھانے کے لئے ان کو اشارہ کر دیں اور دوسری جماعت کے لوگ اور ان کے پیشوا اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اس طرح اس موقع پر ایک نامناسب صورت پیش آئے اس لئے میں خود آگے بڑھ گیا، میں نے کہا میں خود نماز پڑھاؤں گا۔ چنانچہ سب نے اطمینان کے ساتھ میرے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اختلاف اور انتشار نہیں پیدا ہوا۔ جنازہ میں اتنا ہجوم اور ایسی کثرت تھی کہ لوگوں نے بار بار نماز پڑھی جس کی وجہ سے دفن میں کچھ تاخیر ہوئی۔ اس عرصہ میں ایک صاحب اور ایک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کرو۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں (سیرت مولانا محمد الیاس صاحب ص۱۰۴۳۸)

مسجد بنگلہ والی واقع بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ایک گوشہ میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ کے حقیقت ملنے والوں اور واقف کاروں سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ ان سب کو اختلاف عقیدہ کے باوجود دین دار پایا۔ آپ کے متعلق حیرت لکھتے ہیں ؎

نورِ عرفاں از جبینش آشکار ۔۔۔ عاشقِ صادق جنابِ کردگار

سینۂ او مخزنِ عشقِ خدا — روئے پاکش مطلع شمس الضحیٰ
دیدنش حُبِّ خدا یاد آورد — صحبتش سوئے خدا دل را کشد

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی اولاد

آپ کی پہلی بیوی سے ایک صاحبزادہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب تھے۔ پھر دوسری بیوی سے ایک صاحب زادی ہوئیں جن کی شادی حکیم محمد رضی الحسن صاحب سے ہوئی اور دو نامور صاحبزادے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور حضرت محمد الیاس صاحبؒ۔

حضرت مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی دوسری اہلیہ

دوسری بیوی حضرت امی بی صاحبہ کی صاحبزادی اور حضرت مولانا محمد مظفر حسین صاحب کی نواسی اور خاکسار راقم حروف کی حقیقی پھوپھی تھیں اور عجیب و غریب باکمال تھیں۔ میں نے کبھی ان کو بے کار اور فارغ نہیں دیکھا ہمیشہ اُن کے ہاتھ ظاہری کاموں میں مشغول رہتے۔ اور زبان پر اوراد و وظائف۔ اور "دل بیار و دست بکار" کا پورا مصداق تھیں۔

شادی کے بعد قرآن مجید حفظ یاد کر لیا تھا اور اس قدر یاد تھا کہ ایک منزل روزانہ بلا ناغہ تلاوت کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ روزانہ کے معمولات یہ تھے :۔

درود شریف پانچ ہزار (۵۰۰۰) اسم ذات اللہ، پانچ ہزار (۵۰۰۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، انیس سو مرتبہ (۱۹۰۰) یا مغنی گیارہ سو (۱۱۰۰) لا الٰہ الا اللہ بارہ سو (۱۲۰۰) یا حیّ یا قیوم دو سو (۲۰۰) حسبی اللہ و نعم الوکیل

پانچ سو (۵۰۰) سبحان اللہ، دوسو (۲۰۰) اللہ اکبر، دوسو (۲۰۰) لاالہ الا اللہ دوسو (۲۰۰) اللہ اکبر، دوسو (۲۰۰) استغفار، پانچ سو (۵۰۰) افوض امری الی اللہ، سو (۱۰۰) حسبنا اللہ ونعم الوکیل سو مرتبہ (۱۰۰) رب انی مغلوب فانتصر، سو (۱۰۰) رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین، سو (۱۰۰) لاالہ الا سبحانک انی کنت من الظالمین سو (۱۰۰) رمضان المبارک

رمضان المبارک میں ہمیشہ چالیس پارہ روزانہ پڑھتی تھیں۔

(سیرت مولانا محمد الیاس ص۔۔)

آپ رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئیں اور بروز چارشنبہ ۱۴ر شعبان ۱۳۳۶ھ کو کاندھلہ میں وفات پائی۔

حضرت مولانا محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ایک فرشتہ سیرت انسان تھے، حلم و تواضع، رحمت و شفقت اور خشیت و انابت کی مجسم تصویر اور عبادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا (الآیۃ) کا ایک نمونہ کم گو بے آزار، عزلت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے۔ متوکلانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام تھا ایک مدرسہ تھا جو ان کے والد مرحوم کا جاری کیا ہوا تھا جس میں ابتدائی تعلیم ہوتی تھی اور زیادہ تر میوات کے بچے پڑھتے تھے۔ توکل و قناعت پر مدرسے کا کام چلتا تھا۔ دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت و عقیدت رکھتے تھے اور دونوں جگہ آپ سے فیض تھا۔

مولانا محمد صاحب رح کی صورت سے تقوے کا سبق ملتا تھا، انوار کی

چہرہ پر نہایت کثرت تھی ۔ اکثر وعظ بھی فرماتے تھے مگر بیٹھ کر جیسے کوئی باتیں کرتا ہو مسلسل تقریر کی صورت نہیں ہوتی تھی بلکہ اخلاق و زہد کی احادیث سُناتے اور ان کا سادہ ترجمہ اور مطلب بیان فرما دیتے ۔

کسی زمانے میں آنکھ کے قریب کوئی پھنسی نکلی تھی جس پر یکے بعد دیگرے سات شگاف آئے ۔ ڈاکٹروں نے کلوروفارم ضروری بتایا مگر انہوں نے شدت سے انکار کیا اور یوں ہی بے حس و حرکت لیٹے رہے ۔ ڈاکٹر متحیر تھے کہ ہم نے عمر بھر اس کی نظیر نہیں دیکھی ۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب نہایت ذاکر شاغل اور خوش اوقات بزرگ تھے ۔ حدیث حضرت محدث گنگوہی سے پڑھی تھی ۔ انتقال سے پہلے سولہ ۱۶ سال تک نماز تہجد فوت نہیں ہوئی ۔ آخر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی ۔ عشار کی نماز کے بعد وتر کے سجدہ میں انتقال ہوا ۔

(سیرت مولانا محمد الیاس صاحب ص۵۷)

حضرت مولانا محمد صاحب کے زمانے میں ۲۰ ۔ ۲۵ طالب علم رہتے تھے جو خود ہی نمبروار روٹی پکاتے تھے اور خود ہی جنگل سے لکڑیاں لاتے ۔ حضرت مولینا اپنی کسر نفسی اور سادگی کی وجہ سے خود بھی طلبار کے ان کاموں میں شریک رہتے تھے گویا اصل کرنے والے اور ذمہ دار وہ ہوتے اور طلبار محض معین و مددگار ۔ صرف قرآن مجید اور اردو دینیات کی تعلیم دیتے تھے مگر تربیت اتنی اعلیٰ ہوتی کہ طلبار دین دار پختہ کار نیک کردار متقی اور پرہیز گار رہتے تھے آپ میں عمومی خدمت کا عام جذبہ تھا ۔ ہر ایک کی خدمت گذاری اور خبر گیری خود فرماتے تھے ، کاندھلہ جب کبھی تشریف لائے تو ہر ایک سے دلی کا کام اور ضرورت معلوم کرتے پھر سب کی فرمائشوں کو حسن و خوبی کے ساتھ پورا فرماتے ۔

قصبہ جھنجھانہ میں آپ کی معقول جائداد اور متعدد مکانات تھے مگر آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا ۔ سب دوسروں کے قبضہ اور تصرف میں تھی جب

جب کبھی جھنجھانہ تشریف لے جاتے تو کبھی سے کوئی مطالبہ نہ فرماتے۔ ازخود اگر کوئی کچھ کہہ دیتا تو اس کو قبول فرما لیتے۔ ایک مرتبہ آپ جھنجھانہ تشریف لے گئے آپ کے بڑے مکان میں ایک بڑے میاں رہتے تھے جو بڑے دین دار تھے۔ قاضی صاحب جن کی نگرانی میں وہ مکان تھا ان بڑے میاں پر بڑی سختی کرتے تھے رعایا کی طرح خوب خدمت لیتے اور روزانہ زدوکوب کرتے اور گھنٹوں کان پکڑواتے۔ ان بڑے میاں نے سارا ماجرا حضرت مولانا سے ذکر کیا۔ آپ ان کو قاضی صاحب کے پاس لے گئے اور نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا کہ قاضی جی ان پر اس قدر سختی نہ کیا کرو" قاضی جی نے غصہ سے کہا کہ آپ مولوی ہیں۔ زمینداری کے قصوں کو نہیں سمجھتے سختی کے بغیر یہ لوگ قابو میں نہیں رہ سکتے۔ آپ نے فوراً دوات قلم اٹھایا اور اس مکان کا ہبہ نامہ بڑے میاں کے نام لکھ کر اُن کے حوالے کر دیا۔ اور فرمایا اب تم اس کے مالک ہو پھر قاضی صاحب سے فرمایا معلوم بھی ہے، جس شخص پر تم سختی کرتے ہو یہ صاحب خدمت بزرگ ہیں۔ اگر کبھی بددعا کر دی تو تباہ ہو جاؤ گے۔

طبیعت انتہائی غریب اور غربا پسند پائی تھی اور غربا ہی کے ساتھ ہم نشینی رکھتے تھے۔ کاندھلہ میں امیر اعزا کے اختلاط سے گریز کرتے۔ اور بیشتر وقت دیندار غربا کے ساتھ گذارتے۔ کاندھلہ میں آپ کا زیادہ وقت ملا نظام الدین کے پاس گذرتا تھا جو ایک دین دار بزرگ تھے اور گڑھے اؤں کی مسجد میں رہتے تھے یا حضرت گنگوہی اور اپنے والد کے مریدوں کے پاس وقت گذارتے تھے۔ اپنا اور دوسروں کا بلبیشتر کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے اور اپنے غریب ملنے والوں کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں منہمک رہتے۔

ایک مرتبہ ایک میواتی غریب نے اپنے قرض کی پریشانی کا اظہار کیا۔ قرض چونکہ بہت زیادہ تھا۔ اس لئے آپ نے اس کو چاندی بنانے کا نسخہ بتایا اور یہ تاکید فرمائی کہ قرض اُتر جانے کے بعد پھر کبھی اس نسخہ سے چاندی نہ بنانا

چنانچہ اس شخص نے اس نسخہ سے چاندی بنا کر اپنا سارا قرضہ اُتار دیا لیکن اپنی حماقت سے ان کی ہدایت کے خلاف پھر چاندی بنانی چاہی تو ناکام رہا میں اس شخص سے ملا ہوں جو دس بارہ سال تک اس نسخہ سے چاندی بنانے کی کوشش کرتا رہا مگر ہمیشہ ایک آنچ کی کسر باقی رہ جاتی تھی۔ آپ کے ملنے والے اور تعلق رکھنے والوں میں دینداری کا ایک خصوصی رنگ اور عمومی خیر خواہی، اور ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پایا جاتا تھا جس کے باعث وہ دوسروں سے نمایاں نظر آتے تھے، آخر میں بیمار ہو کر دہلی منتقل ہوئے اور قصاب پورہ نواب والی مسجد میں بغرض علاج قیام فرمایا اور شب جمعہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو عشاء کی نماز کے بعد وتر کے سجدہ میں انتقال فرمایا۔ جنازہ میں بڑا ہجوم تھا جنازہ کو نظام الدین لے جا کر والد بزرگوار حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی آغوش میں سپرد خاک کیا گیا۔

آپ کے ایک صاحبزادی تھی جن کی شادی مولوی علامہ الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر کے ساتھ ہوئی

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بروز پنجشنبہ غرہ محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۷۱ء کو پیدا ہوئے تاریخی نام "بلند اختر" ہے۔ آپ فطرتاً ذہین و ذکی اور طبعاً نظیف و لطیف المزاج پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی والدہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے دودھ کم تھا۔ یحییٰ کو بہر صنعہ نے دودھ پلایا مگر حالت یہ تھی کہ اس کے کپڑے اگر میلے ہوتے تو یحییٰ رویا کرتا تھا

۱۔ یہ حالات تذکرۃ الخلیل مؤلفہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲ منہ

دودھ نہ پینا تاوقتیکہ وہ نہا کر کپڑے نہ بدل لیتی۔" آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور اس کے بعد چھ مہینے تک مسلسل اپنے والد کی طرف سے مامور رہے کہ جب تک قرآن مجید پورا حفظ نہ پڑھ لو گے روٹی نہ ملے گی ہاں ختم کے بعد تمام دن چھٹی۔

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ میں عموماً ظہر سے قبل پورا قرآن مجید ختم کر لیا کرتا اور پھر کھانا کھا کر چھٹی کے وقت میں اپنے شوق سے فارسی پڑھا کرتا تھا۔ حفظِ قرآن کے زمانے میں بھی آپ نے باپ سے پوشیدہ فارسی کے بہت سے دواوین و قصص از خود دیکھ لئے تھے اور باوجود اس کے حفظِ قرآن کے سبق پر اثر نہیں آنے دیا۔ چھ مہینے گذرنے پر باپ نے عربی شروع کرائی اور خود ہی پڑھائی۔ آپ کے والد کو نمازِ تہجد کا خاص اہتمام تھا، اس لئے آپ کو اور آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب کو آخر شب میں سویرے سے اٹھا دیا کرتے تھے کہ شروع ہی سے اس کی عادت پڑ جائے۔ مولانا محمد صاحب تو اٹھ کر طویل نفلیں پڑھا کرتے مگر مولانا محمد یحییٰ صاحب چند مختصر نوافل پڑھ کر کتاب دیکھنے میں لگ جاتے کہ طبیعت اس پر مجبور رکھتی۔ آپ فرمایا کرتے کہ والد صاحب کو وضو کے اوراد، کا خاص اہتمام تھا اور ہم پر بھی اصرار تھا کہ پابندی کریں مگر مجھے علم کی دھن تھی اس لئے میں وضو کرتا ہوا بھی فارسی اور عربی کے لغات یاد کیا کرتا، والد صاحب میری رٹائی کو سنتے تو ملامت کے طور پر فرمایا کہ "خوب وضو کی دعائیں پڑھی جا رہی ہیں۔ شرم کی بات ہے"

آپ کی علمی استعداد اور علوم نقلیہ کے ساتھ فنونِ عقلیہ کی مہارت تامہ اس نو عمری میں مسلم اور مشہور ہونے کے ساتھ علمائے عصر میں حیرت کی نظروں سے دیکھی گئی کہ بڑوں بڑوں کو مولانا سے علمی مکالمہ میں فخر تھا۔ مگر اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثر کتابیں آپ نے خود دیکھی ہیں اور استاد سے بہت ہی کم پڑھی ہیں۔

عربی ادب میں آپ کو اتنی مہارت تھی کہ نثر اور نظم دونوں بے تکلف

لکھتے، مگر یوں فرمایا کرتے تھے کہ تمام ادب میں استاد سے میں نے صرف مقاماتِ حریری کے نو مقامے پڑھے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ استاذ نے کہہ دیا تھا کہ میرے مکان کو آتے جاتے راستہ میں پڑھ لیا کرو، اس لئے میں ساتھ جاتا اور راستہ میں پڑھا کرتا اور اکثر جگہ استاذ فرمادیا کرتے کہ اس لفظ کے معنی مجھے معلوم نہیں خود دیکھ لینا۔ یہ ادب کے استاذ شیخ الہند کے بھائی مولینا حکیم محمد حسن صاحب دیوبندی تھے اور اس لئے آپ ان کا ہمیشہ احترام بھی کرتے اور استاد کے لقب سے پکارا کرتے تھے محض اسی کی خاطر آپ کا چند روز دیوبند قیام رہا کہ نصف مقامہ یا کچھ زیادہ روزانہ ہوجاتا تھا۔ نو مقامے پڑھ کر آپ وہاں سے اپنے وطن کاندھلہ آگئے اور وہاں کے مدرسہ عربیہ میں مولوی ید اللہ سنبھلی سے جو معقولات میں مشہور تھے، منطق کا سبق شروع کردیا مگر وہ علم ادب سے ناواقف تھے، اس لئے ایک گھنٹہ آپ اُن سے حمد اللہ پڑھا کرتے، اور ایک گھنٹہ وہ آپ سے مقامات پڑھا کرتے تھے۔

مولانا فرماتے تھے کہ حمد اللہ میں نے اٹھارہ دن میں پڑھا کہ ظہر کے بعد اس کا سبق ہوتا تھا، اس لئے صبح ہی میں حمد اللہ اور اس کے حواشی لے کر مطالعہ دیکھنے کو نانی اماں کے مکان کی چھت پر جا بیٹھتا، اور بارہ بجے اُتر کر روٹی کھایا کرتا تھا، بعض اوقات حمد اللہ کے سبق میں استاذ سے بحث ہوجاتی کہ میں جو مطلب سمجھا ہوتا وہ اس کو غلط بتاتے اور دوسرے عنوان سے تقریر فرماتے تھے۔ میں کہہ دیا کرتا تھا کہ مطلب تو یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں، مگر گفتگو مقامات کے گھنٹہ میں کرونگا ورنہ میرا سبق ناقص رہ جائے گا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلم العلوم مجھے ازبریاد تھی اور تسبیح لے کر میں نے اس کی عبارت کو از اوّل تا آخر دو دو سو مرتبہ پڑھا ہے۔

آپ ادب کی اکثر کتابیں محض اپنے حافظہ سے لکھ کر طلبا کو دیدیتے تھے اور چلتے پھرتے نہایت بے پروائی کے ساتھ پڑھا دیتے تھے۔ منطق اور ادب کے علاوہ باقی کتابیں آپ نے مدرسہ حسین بخش، دہلی میں پڑھیں مگر حدیث پڑھنے کا

خیال دل سے نکال دیا تھا، کیونکہ یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ دہلی میں حدیث پڑھنے سے آدمی غیر مقلد ہو جاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بڑے بھائی مولوی محمد صاحب نے چونکہ حدیث گنگوہ میں پڑھی تھی، اس لئے میں حضرت کا معتقد تھا، اور میں نے ٹھان لی تھی کہ حدیث پڑھوں گا تو گنگوہ میں پڑھوں گا۔ ورنہ نہیں پڑھوں گا۔ مگر زمانہ وہ تھا جب حضرت محدث گنگوہی کی آنکھ میں نزول الماء شروع ہو چکا تھا اور حضرت نے دورۂ حدیث کا درس بند فرما دیا تھا۔

حضرت کو جس زمانے میں علالت کی شدت اور حوادث کی کثرت کی وجہ سے تین سال دورہ بند رہا۔ یکم ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ سے ایک گھنٹہ ترمذی کا سبق شروع ہوا، نزولِ آب کا سلسلہ شروع ۱۳۱۴ھ سے شروع ہوا جس کی وجہ سے اس کو جلدی جلدی پورا کرنا پڑا۔

مدرسہ حسین بخش میں امتحان کا وقت قریب آیا تو اہل مدرسہ نے آپ کا نام بھی بخاری شریف کے امتحان میں لکھ دیا۔ حالانکہ آپ نے اس کا ایک سبق بھی نہ پڑھا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ مدرسہ نے والد صاحب پر زور دیا تو انھوں نے فرمایا، بچی کیا حرج ہے۔ ابھی پانچ مہینے باقی ہیں۔ اس میں پڑھ لو، چنانچہ وہ پانچ مہینے میں نے نظام الدین کے حجرہ میں اس طرح گذارے کہ خود مسجد کے رہنے والوں کو معلوم نہ تھا کہ میں کہاں ہوں۔ بجز ان دو لڑکوں کے جن کے ذمہ میری روٹی اور وضو کے لئے پانی لانا مقرر تھا چنانچہ اسی دوران میں کاندھلہ سے میرے نکاح کی طلبی کا تار آیا تو لوگوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مکتوب الیہ عرصہ سے یہاں نہیں ہے اور نہ معلوم کہاں چلا گیا جب ان طلبا کو خبر ہوئی تو مجھے بھی تار کی اطلاع ہوئی، غرض اس دوران میں میں نے بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ، فتح القدیر بالاستیعاب اس اہتمام سے دیکھی ہیں کہ مجھے خود حیرت ہے، اتفاق سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ؒ ممتحن تجویز ہوئے اور تشریف لائے تو میرے جوابات دیکھ کر یہ لفظ

فرمائے کہ ایسے جوابات مدرس بھی نہیں لکھ سکتا۔" اور اسی بناء پر حضرت سہارنپوریؒ جب گنگوہ حاضر ہوئے تو امام ربانی سے سفارش فرمائی کہ ایک مرتبہ دورۂ حدیث میری خاطر مولوی محمد یحییٰ کو اور پڑھا دیجئے کہ ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا۔ چنانچہ حضرت گنگوہی نے وعدہ فرمالیا اور اب حضرتؒ کا وہ آخری دورۂ حدیث ہوا جس کو آخری دور کا آخری منظر کہا جاتا ہے اور آپ کے طفیل ایک کثیر جماعت جو مایوس ہو چکی تھی، اس آخری بہار کے دیکھنے کو پھر گنگوہ میں جمع ہوگئی۔

آپ کا حدیث پڑھنے کے لئے پھر گنگوہ آنا گویا حضرت محدث گنگوہی کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر کے آنا تھا کہ بارہ برس تک جانے کا نام نہ لیا حتیٰ کہ امام ربانی دنیا سے سدھار گئے اور وہ بہار ہی ختم ہوگئی جس نے دنیا کو قدوسی منظر دوبارہ دکھانے کے لئے اپنی طرف کھینچا تھا۔ آپ کا قیام لال مسجد کے حجرہ میں ہوا اور آخر تک وہ حجرہ آپ کے پاس رہا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی، کاندھلہ قریب تھا مگر میں خود جانے کا نام تو کیا لیتا، والدہ کے اصرار پر حضرت مجھے خود امر فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کر دیا کرتا تھا۔ عید کے موقع پر حضرتؒ نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائے گا اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ کا باربار تقاضا ہے، جاؤ گھر ہو آؤ تو میں کاندھلہ گیا اور فوراً واپس آگیا۔ جو صاحب قرأت کیا کرتے تھے، ترمذی کا ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے پڑھنے لگے۔ ہرچند میں نے اور دیگر شرکاء سبق نے اصرار کیا کہ ایک باب چھوٹ گیا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں وہ ہو چکا۔ چند روز بعد جب دوسری مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ کاندھلہ ہو آؤ تو میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی ہی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا۔ حضرت نے فرمایا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حد نہیں، اس دن

کا قاری کچھ ایسا مدہوش تھا کہ سبق کم ہونے پر اس کو غصہ آیا اور جب تقریر تمام ہو چکی تو میری طرف مخاطب ہو کر کہا کوئی اور حدیث رہ گئی ہو تو وہ بھی پڑھ لو۔ میں اور حضرت اقدس دونوں چپ۔ حضرتؒ نے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا۔ مگر غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔

سنا ہے کہ یہ طالب علم کچھ ہی مدت بعد باؤلا ہو گیا اور عقل جاتی رہی اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسولہ وغضب اولیائہ

آپ حضرت گنگوہی امام ربانی کی اولاد سے زیادہ پیارے ہوئے کہ حضرت ان کو بڑھاپے کی لاٹھی اور نابینا کی آنکھیں فرمایا کرتے تھے اور کسی ضرورت سے وہ چند منٹ کے لئے اِدھر اُدھر ہو جاتے تو امام ربّانی بے چین اور بے کل ہو جاتے تھے۔ بارہ برس کامل اس لاڈ پیار میں گذرے کہ کوئی اس کی نظیر بیان نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ امام ربانی حضرت اقدس گنگوہی کا وصال ہو گیا۔ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جن کی دوربین بصیرت سے بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولوی یحییٰ کوئی چیز ہیں۔ گنگوہ جا کر وہ عمامہ جناب کو مرشد العرب والعجم کے دستِ مبارک سے عطا ہوا اور اصل ہچوپں پر سیا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا۔ یہ کہتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے مولینا محمد یحییٰ صاحب کے سر پر رکھ دیا، کہ اس کے مستحق تم ہو، اور میں آج تک اس کا محافظ و امین تھا۔ الحمد للہ کہ آج حق کو حق دار کے حوالے کر کے بارِ امانت سے سبک دوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔

ایک مرتبہ میرٹھیؒ درخواست پر آپ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لئے میرٹھ تشریف لائے، تو دیکھا کہ دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے تھے اور افطار کا وقت ہوتا تو ان کی زبان پر قل اعوذ برب الناس ہوتی تھی۔ ریل سے اُترے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا۔

لہ مراد مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی۔ اس لئے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلے پر آ گئے اور تین گھنٹہ میں دس پارہ ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ کہیں لکنت تھی نہ متشابہ، گویا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور باطمینان پڑھ رہے ہیں۔ تیسرے[۱] دن ختم فرماکر روانہ ہو گئے کہ نہ دَور کی ضرورت تھی اور نہ سامع کی حاجت۔

مولانا کی یہ بھی خصوصی شان تھی کہ بالاصالتہ کبھی تنخواہ نہیں لی اور کبھی درس پر کسی قسم کا معاوضہ گوارا نہیں فرمایا۔ آپ کو اس کا خاص شوق تھا کہ بچوں کو گھیر گھار کر عربی تعلیم میں ڈالتے، اور اس کی خاطر آپ طلباء کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ کرنا پڑتا تھا، کھانے کا وقت ہوتا تو سارے طلباء سے کہتے، اپنے اپنے کھانے لے آؤ، اور جب مختلف کے کھانے سب کے آتے، کسی کو دال ملی اور کسی کو ساگ، کوئی گوشت لایا اور کوئی ترکاری تو آپ اپنے گھر سے بھی کھانا منگاتے اور ایک طشت کونڈے میں سب کھانوں کو مخلوط کر کے فرماتے کھاؤ بسم اللہ۔ طلباء کی اکثر دعوت بھی کیا کرتے اور ان کی تمام مالی ضروریات کو پورا فرماتے۔ یتامی اور بیوگان اور یگانہ و بیگانہ محتاجوں کی پوشیدہ طریق سے اتنی خدمت کرتے کہ سننے والا حیران ہو جائے۔ سادگی اور اپنے نفس کی طرف سے استغنا کا یہ عالم تھا کہ شاید گھر میں پانچ روپے کا غلہ بھی ایک دفعہ نہیں ڈلوایا مگر مصارف خیر پر خرچ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت انتقال ہوا

---

[۱] حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا معمول تھا کہ ہر رمضان المبارک میں اپنی والدہ اور نانی صاحبہ کو قرآن شریف سنانے کے لیے کاندھلہ تشریف لاتے اور ہمیشہ تین شب میں پورا قرآن مجید سنا کر واپس تشریف لے جاتے جس سال ذی قعدہ میں آپ کا وصال ہوا رمضان میں ایک ہی شب میں پورا قرآن مجید سنایا اور اگلے ہی دن واپس تشریف لے گئے۔
احتشام عفرلہ

آٹھ ہزار روپے کے مقروض تھے اور کسی کو خبر بھی نہ تھی کہ کس مد میں خرچ ہوا۔
آپ نے گنگوہ میں دورۂ حدیث پڑھتے وقت اس کا بھی اہتمام کیا
۱ حضرت محدث گنگوہی رح کی تقریرات جو سبق میں سنتے وہ خارج وقت میں
ضبط کر کے نقل فرماتے اور لکھ لیا کرتے تھے جو ہر کتاب حدیث کی ایک مستقل
تعلیق اور نادر الوجود شرح بن گئی تھی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری۔ چونکہ آپ کی ذکاوت
ذہانت کو اس وقت جانچ چکے تھے۔ جب کہ آپ دہلی میں طالب علم تھے، اور اب
بارہ برس گنگوہ کے حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کے تبحر علمی اور استعداد علمی کا مزید
تجربہ فرما چکے تھے۔ اس لئے آپ مدت سے متمنی تھے کہ کسی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب
مدرسہ مظاہر العلوم میں درس حدیث کے لئے آجائیں مگر اول تو صاحبزادی
صاحبہ حضرت گنگوہی کا اصرار کہ وہ آپ کو اپنے والد بزرگوار کی خانقاہ سے
جدا نہ ہونے دیتی تھیں۔ دوم مولانا کا تنخواہ سے انکار جس پر احتمال ہوتا
تھا کہ دل نہاد اور پابند ہو کر نہ رہ سکیں گے لہذا دو سال تو حضرت نے صاحبزادی صاحبہ
کو راضی کر کے مولانا کو چند روز کے لئے بلایا اور وہ نا تمام کتابیں ختم کرا کر گنگوہ
تشریف لے گئے۔ مگر تیسرے سال حضرت نے مستقل قیام پر زور دیا اور
تنخواہ نہ لینے کی شرط کو منظور فرما لیا۔ کیونکہ اندازہ ہو گیا کہ پابندی کے
لئے تنخواہ اور اس کا عدم دونوں بالکل مساوی ہے۔ اور تنخواہ لینا کسی طرح
بھی منظور نہیں فرما سکتے۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۵ھ میں حضرت مولانا رح
مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں درس حدیث کے لئے مستقل تشریف لے آئے
اور اس وقت سے لے کر ساڑھے پانچ سال کامل مدرسہ میں برابر درس حدیث

---

۱ بحمد للہ ان میں سے ترمذی شریف کی تقریر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
کی تشریح اور تنقیح کے ساتھ دو جلد میں طبع ہو چکی ہے۔ ۱۲۰ احتشام عفرلہ
ملنے کا پتہ: ادارہ اشاعت دینیات، حضرت نظام الدین رح، نئی دہلی ۱۳

دیتے رہے اور کبھی کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ حتیٰ کہ ۸ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ کی شب میں ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور چند ہی گھنٹہ میں شہید ہوکر راہی عالم قدس ہوئے فانا للہ وانا الیہ راجعون علم وعمل کا مجسمہ آن کی آن میں دنیا سے رخصت ہوکر ہمیشہ کے لئے سہارنپور کے گورستان میں سو رہا۔ (تذکرۃ الخلیل از ص۱۲۸ تا ص۱۳۴)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ تعلیم میں مجتہدانہ طرز رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم میں درسی کتب اکثر نہیں پڑھاتے تھے بلکہ خود اصول و قواعد لکھوا کر سہ حرفی دو حرفی لفظ بناتے تھے کہ ان کی گردانیں اور تعلیلیں بناؤ۔ ادب پر ابتداء ہی سے زور تھا۔ ابتدا شاہ ولی اللہ صاحب کی چہل حدیث اور پارۂ عم سے کرتے تھے، فرماتے تھے کہ مسلمان بچے کو پارہ عم یاد ہوتا ہی ہے، لفظ یاد کرنے نہ پڑیں گے۔ صرف معنی یاد کرنے ہوں گے۔ فرماتے تھے ویسے بھی قرآن و حدیث کے الفاظ میں برکت ہے۔

استعداد آفرینی اور قوتِ مطالعہ کی طرف مولانا کی اصل توجہ تھی۔ کتابوں کے اختتام کی بھی پابندی نہ تھی۔ عموماً بے حاشیہ اور شرح کی کتاب طالب علم کو پڑھنے کے لئے دیتے، اور درمیان میں سہارا نہ دیتے ــــــــــ جب اس کا اطمینان ہوجاتا کہ طالب علم بے استاد کے ٹوکے کتاب کے کئی صفحے اچھی طرح سمجھ اور سمجھا سکتا ہے تب دوسری کتاب شروع کراتے۔ عربیت اور استعداد کی پختگی کی طرف خاص توجہ تھی جس کی وجہ سے مولانا کے شاگردوں میں اتقان پیدا ہوجاتا تھا۔

(سوانح مولانا الیاس ص۴۲)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ بزرگی میں بھی اپنا خاص رنگ اور خصوصی شان رکھتے تھے۔ کوئی ان کے ظاہری طرز و انداز سے اُن کے باطنی کمالات اور اعلیٰ درجات کا پتہ نہ لگا سکتا۔ بظاہر ہنس رہے ہیں، اور

دوسروں کو ہنسا رہے ہیں لیکن سوزش درونی نے سارے اندرون کو جلا کر خاکستر بنا رکھا تھا۔ رات رات بھر صحن میں ٹہل کر انتہائی بے قراری اور بے تابی میں گذارتے تھے۔ اور فراقیہ اشعار بر زبان ہوتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ "میری ہڈیوں کا سارا گودا گھل چکا ہے۔ اب صرف ڈھانچہ باقی رہ گیا ہے"۔

آپ کے خصوصی جذبات یہ تھے کہ کوئی ہونہار علم دین حاصل کرلے، اور کوئی خدا سے بیگانہ خدا کے ساتھ تعلق قائم کرلے اور کوئی ناواقف دین کی باتوں سے واقف ہوجائے۔ اسی جذبے کے ماتحت علمار حق کی تصانیف کو چھپوا کر عام کیا اور اس سلسلہ میں ہزاروں کی رقمیں بے دریغ خرچ کر ڈالیں۔

آپ بظاہر نہ مقتدائے زمانہ تھے اور نہ مرشد یگانہ۔ لیکن اپنی مساعی سے سینکڑوں کو مقتدائے زمانہ اور مرشد یگانہ بنا گئے۔ حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں آپ کو جو شانِ محبوبیت اور نرالی خصوصیت حاصل تھی، اس کی وجہ سے آپ حضرت گنگوہی کے تمام متوسلین اور محبین کی نگاہوں میں خصوصی عز و وقار رکھتے تھے۔

آپ کی شادی حافظ محمد یوسف صاحب کاندھلوی کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے ایک صاحبزادی یادگار چھوڑی، جن کی شادی بابو محمد شعیب سے ہوئی، اور ایک لڑکی یادگار ہے اور ایک صاحبزادہ حضرت محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو اپنی یادگار چھوڑا، جن کے فضل و کمال کا آفتاب سہارنپور کے افق سے دنیائے عالم میں نور پاشیاں کر رہا ہے۔ اور اہل فضل و کمال کا آخری مرجع اور ماوی شمار ہوتے ہیں۔ متعنا اللہ لطول حیاتہ الکریمہ۔

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ولادت اور ابتدائی تعلیم

۱۳۰۳ھ میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے الیاس اختر تاریخی نام ہے۔ آپ کا بچپن اپنی ننہال کاندھلہ اور اپنے والد بزرگوار کے پاس نظام الدین میں گذرا۔ قرآن مجید کی تعلیم کے لئے کاندھلہ کے مکتب میں حافظ منگتو صاحب کے پاس بٹھلائے گئے اور پارہ سوا پارہ تک پڑھا۔ باقی قرآن شریف والد صاحب سے نظام الدین میں حفظ کیا۔ جس کا خاندان میں عام رواج تھا، اور شاذونادر ہی کوئی غیر حافظ ہوتا تھا۔ قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار اور مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحبؒ سے پڑھیں، نظام الدین کے قیام میں والد صاحب سے پڑھتے اور کاندھلہ کے قیام میں مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحبؒ سے پڑھتے تھے اور فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں اسی طرح پڑھیں۔ لیکن اس طرح تعلیم کا صحیح نظام اور باقاعدگی نہ ہوتی تھی، اور کافی ہرج ہوتا تھا

گنگوہ کا قیام حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے والد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی کی تعلیم معقول نہیں ہو رہی ہے میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے جاتا ہوں۔ والد صاحب نے اجازت دے دی اور آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا شروع ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آگئے، اور بھائی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

گنگوہ اس وقت صلحاء اور فضلاء کا مرکز تھا۔ ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی صحبت اور مجالس کی بدولت مولانا محمد الیاس صاحبؒ

کو شب و روز حاصل تھی ۔ دینی جذبات کی پرورش نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ۔ ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا ۔ انسان کی زندگی میں مقام و ماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہو سکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا وہ زمانہ گنگوہ میں گذرا جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے ۔ جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے ۔ گویا دس برس کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گذرا ۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کامل استاد اور مربی تھے ۔ وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیض سے پورے طور پر مستفید ہو ۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے کہ اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور انسان کی باتیں سنو ۔

(سیرت مولانا الیاس صہ۴۵)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا دستور تھا کہ وہ سارا زور مطالعہ پر دیتے تھے اور اس طرح مطالعہ دکھلواتے تھے کہ کوئی خلجان اور کوئی بات بے سمجھی نہ رہے ۔ پھر درس کے وقت اس کو اس طرح سنتے کہ گویا پڑھا ہوا سبق سنا رہا ہے ۔ بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا مطالعہ سن کر جب اطمینان ہو جاتا تو فرما دیتے جاؤ ساتھیوں کو پڑھا دو ۔ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ وہ سبق ساتھیوں اور ہم سبقوں کو پڑھا دیتے ۔ نیز نیچے کی جماعتوں کے اسباق بھی بیشتر اوپر کی جماعتوں سے پڑھوایا کرتے تھے اس طرح پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی ، اور

قابلیت اور استعداد ہر طرح سے تام ہو جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت استاذ کی نگرانی میں تمام کتابوں کو بار بار پڑھایا۔

حضرت گنگوہی سے بعیت و تعلّق

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالعموم بچّوں اور طالب علموں کو بعیت نہیں کرتے تھے۔ فراغت و تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے غیر معمولی حالات کی بنا پر ان کی خواہش اور درخواست پر بعیت کر لیا۔

مولانا کی فطرت میں شروع سے محبّت کی چنگاری تھی آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے ایسا قلبی تعلّق پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی۔ فرماتے تھے کہ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کے لئے جاتا۔ زیارت کر کے پھر آکر سو رہتا۔ حضرت گنگوہیؒ کو بھی آپ کے حال پر ایسی ہی شفقت تھی۔ فرماتے تھے ایک مرتبہ میں نے بھائی سے کہا کہ حضرت اجازت دے دیں تو میں حضرتؒ کی خلوت کے اوقات میں باہر سہ دری میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کروں۔ مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے ذکر کیا تو فرمایا مضائقہ نہیں۔ الیاس کی وجہ سے میری خلوت اور طبیعت میں انتشار پیدا نہیں ہو گا۔

حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا حضرت سے کہا تو حضرت تھرّا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے یہی شکایت حضرت حاجی صاحبؒ سے فرمائی تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا:۔

"اللہ آپ سے کوئی کام لے گا"

علالت تعلیم کا انقطاع اور دوبارہ اجراء

آپ ابتداء سے نحیف و لاغر تھے۔ اسی گنگوہ کے قیام میں آپ کی صحت خراب ہوگئی، درد سر کا ایک خاص قسم کا دورہ پڑا جس کی وجہ سے گھنٹوں سر کا جھکانا حتیٰ کہ تکیہ پر سجدہ کرنا بھی ناممکن تھا۔ حضرت گنگوہیؒ کے صاحبزادے حکیم مسعود احمد صاحبؒ معالج تھے اور ان کا خصوصی طرز یہ تھا کہ بعض امراض میں پانی بہت دنوں کے لیے چھڑا دیتے۔ بہت کم لوگ اس پرہیز کو برداشت کرسکتے اور زیادہ مدت کے لئے پانی چھوڑ سکتے تھے۔ مگر مولانا نے اپنے مخصوص مزاج (اصول کی پابندی اور اطاعت) کے مطابق معالج کی پوری اطاعت کی اور اپنی خداداد قوتِ ارادی اور عزیمت سے (جو ان کی پوری زندگی میں جلوہ گر رہی ہے) پانی سے پورا پرہیز کیا اور سات برس کامل پانی نہیں پیا اس کے بعد بھی پانچ برس تک برائے نام پانی پیا۔ [۱]

اس شدید علالت اور خاص طور پر دماغی کمزوری کی وجہ سے سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ اس کے دوبارہ جاری ہونے کی امید نہ تھی۔ لیکن مولانا کو تعلیم کے نامکمل رہ جانے کا بڑا غم تھا اور اس کی بے کلی رہتی تھی۔ آپ کا پڑھنے کے لئے اصرار تھا اور ہمدردوں کا مشورہ تھا کہ مسلسل آرام کریں۔ مولانا فرماتے تھے کہ ایک روز بھائی نے کہا کہ آخر پڑھ کر ہی کیا کرو گے؟ میں نے کہا جی کر ہی کیا کروں گا۔

---

[۱] حضرتؒ کا آخر تک یہی معمول رہا کہ پانی بہت کم مقدار میں پیتے تھے خشکی کو دور کرنے کے لئے زیادہ تر کلیاں کیا کرتے تھے۔ اور بس اتنا پانی پیتے تھے کہ حلق تر ہو جائے۔ البتہ آخر علالت میں جب تپ محرقہ نے بے چین بنا رکھا تھا، بار بار ٹھنڈا پانی پیتے تھے اور کسی طرح تسکین نہ ہوتی تھی ۱۲ - احتشام

اسی اصرار اور طلب کی بنا پر آپ کو پڑھنے کی اجازت ہو گئی، اور سلسلۂ تعلیم پھر جاری ہو گیا۔

حضرت گنگوہیؒ کی وفات

۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے انتقال فرمایا۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ بالین پر موجود تھے اور سورۂ یٰسین پڑھ رہے تھے۔ اس حادثہ کا آپ کے اثر پذیر قلب پر جو اثر ہوا۔ اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ فرماتے تھے کہ دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے، ایک والد کا انتقال، ایک حضرتؒ کی وفات اور فرمایا حضرت ہم تو ساری عمر کا رونا اسی روز رو لیئے جس روز حضرتؒ دنیا سے رخصت ہوئے۔

حدیث کی تکمیل

۱۳۲۶ھ میں آپ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ درس میں شرکت کے لیئے دیوبند تشریف لے گئے اور ترمذی، اور بخاری شریف کی سماعت کی۔ دیوبند کی شرکت درس کے کئی سال بعد چار مہینے میں آپ نے اپنے بھائی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پھر حدیث کا دورہ پڑھا، جس کی دل چسپ تاریخ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ نے اس طرح سنائی کہ ایک سرحدی عالم مولوی شیر محمد نام مولانا ماجد علی صاحب وغیرہ سے معقولات کی تکمیل کر کے وطن گئے۔ وہاں عین ان کی شادی کے دن کسی طالب علم نے ان سے ابن ماجہ پڑھنے کی درخواست کی۔ انہوں نے شرمندگی کے ساتھ کہا کہ بھائی میں نے سارا وقت معقولات کی تحصیل میں صرف کیا اور حدیث کی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی۔ البتہ حدیث کا ایک استاد (مولانا محمد یحییٰ صاحب مراد ہیں) دیکھ کر آیا ہوں۔ اب واپس جا کر

ان سے پڑھ کر آؤں تو تم کو پڑھاؤں۔ بیوی سے انہوں نے چار مہینے کا وعدہ کیا اور گنگوہ روانہ ہو گئے۔ یہاں آکر انہوں نے مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے پڑھنا شروع کیا۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ ان کے رفیقِ درس تھے۔ عبارت[۱] بھی اکثر مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور مولانا محمد الیاس صاحبؒ پڑھتے تھے۔ رات بھر درس ہوتا تھا اور حضرات تو دن کو سوتے مگر ولایتی مولوی صاحب کو بہت کم سوتے دیکھا گیا۔ مطالعہ کے انہماک اور استغراق کا حال یہ تھا کہ کھانا لانے والے سے کہہ دیا تھا کہ روٹی رکھ جایا کرو اور سالن لے جایا کرو۔ مولوی صاحب مطالعہ کرتے جاتے اور روٹی کا لقمہ توڑ کر منہ میں رکھ لیتے۔

حضرت مولینا خلیل احمد صاحبؒ سے رجوع اور تکمیلِ سلوک

حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کی وفات کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی آپ نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے رجوع کا مشورہ دیا۔ چنانچہ آپ نے حضرت سہارنپوریؒ سے اپنا تعلق کر لیا اور حضرت کی نگرانی اور رہنمائی میں منازلِ سلوک طے کیے۔

عبادت اور نوافل کا انہماک

گنگوہ کے قیام کے دوران میں حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی وفات کے بعد زیادہ سکوت اور مراقبہ طاری رہتا تھا۔ شاید سارے دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ ہم لوگ

---

[۱] یہ دورۂ حدیث آج کل کی طرح محض عبارت خوانی نہ تھی بلکہ مطالب و معانی کو سمجھ کر پڑھتے تھے اور اس قدر محفوظ تھے کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ درسِ حدیث کے وقت اکثر فرمایا کرتے کہ بھائی نے اس حدیث کے یہ معنی بتلائے تھے۔ ۱۲۰ احتشام

اسی زمانے میں ان سے ابتدائی فارسی پڑھتے تھے۔ ان دنوں ان کا دستور یہ تھا کہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب رحمۃ اللہ علیہ روضہ کے پیچھے ایک بوریہ پر بالکل خاموش دوزانو بیٹھے رہتے تھے ہم لوگ حاضر ہوتے اور کتاب اُن کے سامنے رکھ کر انگلی کے اشارہ سے سبق کی جگہ ان کو بتلا کر سبق شروع کر دیتے تھے اور فارسی شعر پڑھتے تھے اور ترجمہ کرتے تھے، جہاں ہم نے غلط پڑھا انگلی کے اشارے سے اُنہوں نے کتاب بند کردی اور سبق ختم۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ دوبارہ مطالعہ دیکھ کر لاؤ۔ نیز اس زمانے میں نوافل کا بھی بے حد زور تھا۔ مغرب کے بعد عشاء سے کچھ پہلے تک نوافل میں مشغول رہتے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰، ۲۵ کے درمیان تھی۔

ذکر و اشغال نوافل و عبادات کے ساتھ شروع سے مجاہدانہ جذبات سینہ میں موجزن تھے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس جذبہ و شوق اور اس عزم و نیت سے آپ کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر "بیعتِ جہاد" کی۔

مدرسہ مظاہر العلوم میں خدمتِ تدریس

شوال ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور سے ایک بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا، جس میں مدرسہ مظاہر العلوم کے اکثر بڑے بڑے حضرات مدرسین تھے۔ اس موقع پر متعدد نئے اساتذہ کا تقرر ہوا۔ اسی سلسلہ میں مولانا بھی نئے مدرسین میں شامل ہوئے اور متوسط کتابیں آپ کو دی گئیں۔ حضرات حجاج کی واپسی کے بعد دوسرے جدید اساتذہ سبک دوش ہو گئے۔ مگر مولانا بدستور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔

مظاہر العلوم کی تدریس کے زمانے میں اکثر کتابیں ایسی پڑھائیں جو

پہلے پڑھی نہیں تھیں۔ اس لیئے کہ مولانا محمد یحییٰ صاحب رح کے درس میں کتابوں کے پورا کرنے کا معمول نہ تھا اور بیماری کی وجہ سے بھی بعض درمیانی کتابیں رہ گئی تھیں۔ لیکن زمانۂ تدریس میں آپ نے یہ بڑی کتابیں بھی پڑھائیں۔ البتہ پڑھانے کے زمانے میں مطالعہ کی طرف بڑی توجہ تھی۔ چنانچہ کنز الدقائق کے لیئے بحر الرائق شامی اور ہدایہ دیکھتے تھے اور نور الانوار کے لیئے حسامی کی شروح و توضیح تلویح مطالعہ میں رہتی تھیں۔

نکاح

۹ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو جمعہ کے دن بعد نماز عصر آپ کے حقیقی ماموں مولوی محمد رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔ حضرت مولانا محمد صاحب رح نے نکاح پڑھایا۔ مجلس عقد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رح سہارنپوری، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رح اور حضرت تھانوی رح کا مشہور وعظ "فوائد الصحبت" جو بارہا طبع ہو چکا ہے۔ اسی تقریب میں کاندھلہ تشریف لے جانے پر اسی دن ہوا۔

سفر حج

۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رح اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نے حج کا قصد فرمایا۔ مولانا کو جب اس کا علم ہوا تو حج کے لیئے بہت بے قرار ہوئے۔ فرماتے تھے کہ مجھے ان حضرات کے بعد ہندوستان تاریک ہوتا نظر آیا اور یہاں کا رہنا مشکل معلوم ہونے لگا۔ لیکن اجازت کا مرحلہ درپیش تھا عجیب کشمکش کی حالت تھی ہمشیرہ (والدہ مولوی اکرام الحسن صاحب) نے یہ بے قراری دیکھی تو کہا میرا زیور لے لو، اور چلے جاؤ۔ امید نہ تھی کہ والدہ صاحبہ آسانی سے اجازت دیں گی، اور اتنی طویل مفارقت اور اتنا دور دراز کا سفر گوارا کریں گی۔ مگر

الحمد للہ اُنہوں نے اجازت دے دی۔ دوسرا مرحلہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی اجازت کا تھا۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ والدہ اجازت نہ دیں گی۔ ان کی اجازت پر محول کر دیا۔ وہ اجازت دے چکی تھیں آخری مرحلہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی اجازت کا تھا اور وہ بمبئی تشریف لے جا چکے تھے۔ اس لئے فوراً اُن کی خدمت میں بمبئی خط لکھا اور سامان سفر کی سب صورتیں لکھ دیں کہ ایک صورت یہ ہے کہ ہمشیرہ کا زیور لے لیا جائے۔ دوسرے قرض روپیہ لے لیا جائے۔ تیسرے بعض اعزہ[1] روپیہ دے رہے ہیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے سفر کی اجازت دے دی، بشرطیکہ آخری صورت اختیار کی جائے۔

آپ روپیہ لے کر فوراً بمبئی روانہ ہو گئے، وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پہلے جہاز سے روانہ ہو چکے۔ لیکن حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ ابھی جہاز سے نہیں جا سکے، دوسرے جہاز سے چلنے والے ہیں۔ خلافِ امید یہ ہم رکابی نصیب ہو گئی، اور آپ دوسرے جہاز سے شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے ہمراہ روانہ ہوئے، اور ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ میں واپس آ کر مدرسے میں فرائضِ تدریس میں بدستور مشغول ہو گئے

متواتر صدمات

حج کے اگلے سال ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ

---

[1] آپ کے حقیقی ماموں مولوی محمد شمس الحسن صاحب نے بڑی رقم آپ کو حج کے لئے دی اور کچھ چھوٹی رقمیں دیگر اعزہ نے دیں۔ حضرت سہارنپوری کو چونکہ مولوی شمس الحسن صاحب کے تعلق و یگانگت پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے ان سے روپیہ لے کر حج کرنے میں کسی قسم کا تامل نہ ہوا۔ حضرت مولانا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند کی یہ رفاقت ہر طرح نعمت ثابت ہوئی۔ حضرت کوئی کام بالکل نہ کرنے دیتے تھے اور جو تحائف حضرت کے ساتھ تھے وہ گویا سب میرے لئے تھے۔ ۱۲۔ احتشام

کے انتقال فرمایا۔ یہ سانحہ آپ کے لئے بڑا صبر آزما تھا حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب آپ کے مربی بھی تھے، استاد بھی تھے، شفیق بھائی بھی تھے۔ اپنی امتیازی خصوصیات اور محبوبیت و مقبولیتِ عامہ کی وجہ سے پورے حلقۂ احباب کو حضرت مولانا کی مفارقت کا سخت صدمہ ہوا لیکن حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دل پر اس صدمہ کی جو چوٹ لگی اس کا درد آخیر تک محسوس ہوتا تھا معمول تھا کہ جب مرحوم بھائی کا ذکر کرتے تو ایک محویت سی طاری ہو جاتی اور سب کچھ بھول جاتے۔ ان کے اوصاف و کمالات اور ان کے واقعات کا مزہ لے لے کر ذکر کرتے اور فرماتے، میرے بھائی ایسے تھے خصوصیت کے ساتھ ان کی جامعیت، مصالحانہ روش، اعتدال طبیعت مختلف عناصر اور بظاہر اضداد کو جمع کرنے اور جمع رکھنے کی خداداد قابلیت غیر معمولی ذکاوت اور سلامت فہم کے واقعات بڑی تفصیل اور دلچسپی سے سناتے اور علوم و فنون میں آپ کے بعض تحقیقی نکات اور کلیات کا حوالہ دیتے۔

اس سانحہ کے ایک سال اور چند ماہ بعد آپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صاحبؒ کا دہلی میں ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کو وصال ہوا، اور اسی سال جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ کو بھائی مولوی نجم الحسن رخصت ہو گئے حضرت مولاناؒ کو بھائی صاحب مرحوم سے حقیقی بھائیوں جیسی محبت تھی، اور بڑی حسرت و الفت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ پھر اسی سال ۱۸ شعبان ۱۳۳۶ھ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال کیا جن کے ساتھ آپ کو وہ والہانہ اور نیازمندانہ تعلق تھا جس کی تعبیر عشق سے کی جا سکتی ہے۔ وہ ان پر جاں نثار اور یہ ان پر قربان۔ یہ سانحہ آپ پر ایک مستقل اثر اپنی یادگار چھوڑ گیا۔

بستی حضرت نظام الدینؒ منتقل ہونے کی تجویز

آپ بڑے بھائی صاحب کی تیمار داری کے لئے کاندھلہ سے دہلی تشریف

لائے ہوئے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اس خاندان کے محبین اور معتقدین نے آپ سے اصرار کیا کہ آپ یہیں قیام فرمائیں اور اپنے بزرگوں کی جگہ کو آباد رکھیں۔ حاضرین نے مدرسہ کی اعانت و خدمت کا بھی وعدہ کیا اور مصارف کے لیے کچھ رقمیں مقرر کیں جنہیں آپ نے اپنے اصول اور خاص شرائط کے ساتھ منظور کیں۔ لیکن اپنی آمد کو حضرت سہارنپوریؒ کی اجازت پر معلق کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم خود جا کر اجازت لے آئیں۔ آپ نے فرمایا اس طرح صحیح منشا معلوم نہیں ہو سکتا۔ میں خود سارے حالات سامنے رکھوں گا۔ پھر جو حضرتؒ کا اصلی منشا ہو گا، اس کے مطابق عمل کروں گا۔

بھائی صاحب کی تجہیز و تکفین اور مدرسہ نظام الدینؒ کے عارضی انتظام سے فرصت پا کر آپ سہارنپور گئے اور حضرت سہارنپوریؒ سے ساری کیفیت بیان کی۔ اہل تعلق کے پیہم اصرار اور اس چشمۂ فیض کے جاری رہنے کے خیال سے جو دونوں قدسی سیرت باپ بیٹےؒ کی ذات سے فیض رساں تھا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے نظام الدین منتقل ہونے کی اجازت دی۔ اور از راہِ احتیاط فرمایا کہ فی الحال تجربہ کے لئے مدرسے سے ایک سال کی رخصت لی جائے۔ اگر وہاں کا قیام راس آ گیا اور مستقل سکونت کی رائے قرار پا جائے تو مستقل علیحدگی ہر وقت ممکن ہے۔ اس اجازت اور مشورہ کے مطابق آپ نے مہتمم صاحب مدرسہ مظاہر العلوم کی خدمت میں ضابطہ کی درخواست پیش کر دی، جو بجنسہٖ درج ذیل ہے۔

بحضرت مہتمم صاحب

بعد سلام مسنون آنکہ سانحہ انتقال اخوی جناب مولانا مولوی محمد صاحب کی وجہ سے بندہ کو نظام الدین کے مدرسے کا انتظام و خبر گیری کے واسطے وہاں کچھ قیام کرنے کی ضرورت ہے۔

چونکہ اکثر اہل شہر و محبان بندہ و خیر خواہان متقاضی ہیں
کہ بالفعل بندہ وہاں اقامت کرے اور جو منافع و اشاعت
علوم حضرت والد صاحب اور برادر مرحوم کی سعی اور تعلیم
سے ان کور دہ اور گنوار لوگوں میں اور علوم سے نہایت بعید
اور نا آشنا لوگوں میں ہوئی ہے۔ اس کو دیکھ کر اپنے دل
میں بھی حرص پیدا ہوتی ہے کہ کچھ دنوں وہاں قیام کر کے
اس کے اجراء کا بندو بست کر سکوں اور اس دینی حصہ میں
بھی کچھ حصہ لے لوں۔ لہذا عارض ہوں کہ ایک سال کے لئے
بندہ کی رخصت منظور فرمائی جائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد الیاس اختر عفی عنہ

تشویش ناک علالت اور مایوسی کے بعد صحت

ابھی نظام الدین جانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ یک لخت علیل ہو گئے
۲۰ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ کو بیماری کی حالت میں سہارنپور سے کاندھلہ پہنچے
وہاں جا کر مرض نے شدت اختیار کی اور ذات الجنب کا دورہ شدید ہوا
ایک رات (جمعہ کی رات تھی) سب مایوس ہو گئے نبضیں ساقط ہو گئیں،
ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے، لوگوں کی زبان پر انا للہ تھی۔ لیکن اللہ تعالے
کو ابھی کام لینا تھا۔ تیمار داروں کی توقع اور ظاہر حالات کے بالکل خلاف
طبیعت سنبھلنے لگی صحت کے آثار شروع ہو گئے اور چند دنوں میں اچھے
ہو کر بستر سے اٹھ گئے گویا زندگی دوبارہ ہوئی۔ کاندھلہ سے تندرست
ہو کر آپ نظام الدین آ گئے

سیرت مولانا محمد الیاس صفحہ ۵۹ تا صفحہ ۶۰

مولوی رؤف الحسن صاحب حضرت مولانا کی اس مایوسی کی حالت کے وقت موجود تھے وہ اکثر حضرت سے فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہیں ہوش آیا اور تم سے پوچھا گیا کیا حال ہے؟ تو تم نے بیان کیا کہ مجھے ایک عالی شان مکان میں لے گئے۔ وہاں مجھے دیکھ کر کہا گیا اس کو واپس لے جاؤ، ابھی اس سے کام لینا ہے"۔ حضرت ہمیشہ ہنس کر خاموش ہو جاتے تھے۔

مولانا ابو الحسن علی صاحب نے نہایت تحقیق و تفتیش کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح کی سوانح[1] تحریر فرمائی جس میں آپ کے مناقب، فضائل، خصائل، محاسن اور مشاغل شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ اسی حضرت رح کے بعض ابتدائی حالات اخذ کر کے نقل کر دیئے گئے۔

تغیر و تبدل میری دماغی خرابی اور پرانا مرض ہے والمریض لا یلام (مریض قابلِ ملامت وگرفت نہیں ہوتا) مولانا موصوف سے شفقتِ دیرینہ کی بنا پر امید ہے کہ معذور سمجھ کر معاف فرما دیں گے ع

"والعذر عند کرام الناس مقبول"

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشویشناک علالت اور کاندھلہ کے قیام کے دوران میں مجھ ناچیز کے ساتھ ایک خصوصی تعلق اور وابستگی پیدا ہو گئی جس کی بنا پر اسی سال رمضان المبارک کے بعد شوال ۱۳۳۶ھ کو میں بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نظام الدین پہنچ گیا اور پھر یگانگت اور رفاقت اخیر تک قائم رہی اور ایک کی زندگی دوسرے کے ساتھ ایسی طرح وابستہ ہو گئی کہ اب ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر کے دکھانا بالکل ناممکن اور محال ہے اور میرے بس سے باہر ہے۔ اسی لئے حضرت کے متعلق اپنے معلومات مشاہدات اور تاثرات دوسرے حصہ میں درج ہوں گے۔ خدا کرے کہ میں صحیح نقوش اور اصل خد و خال نمایاں کر سکوں سے

اب تک آنکھوں میں پھرتی ہے صورت ۔۔۔ ان کو دیکھے ہوئے ہے زمانہ ہوا

---

[1] کتاب کا نام ہے "حضرت مولانا محمد الیاس رح اور ان کی دینی دعوت" قیمت دو روپیہ پچاس نئے پیسے
ملنے کا پتہ:- ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین رح دہلی

خاندان کی مستورات

اس خاندانی تذکرہ کے دوران میں بالعموم خاندانی عورتوں کے حالات کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیا گیا۔ صرف دادی صاحبہؒ (امی بی) اور خالہ صاحبہ (اہلیہ مولوی محمد شمس الحسن) اور بڑی پھوپی صاحبہ (اہلیہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ) کا اجمالی تذکرہ ضمناً آگیا۔ اگر میں خاندان کی ہر عورت کے حالات اور معمولات کو تحقیق کر کے بیان کرتا تو یہ داستان ضخیم ہو جاتی اور دوسروں کی نگاہوں میں ایک عجوبہ دکھلائی دیتی۔ اس لئے کہ میری تحقیق اور مشاہدہ کے مطابق ہر دور میں خاندانی عورتوں کا جذبہ طاعت وعبادت اور خلوص وللّٰہیت اور اتباع شریعت اس دور کے مردوں سے ہمیشہ بڑھا رہا یہی وجہ ہے کہ جن مردوں نے ان گودوں میں پرورش پائی، ان کو چار وناچار دین دار، متقی وپرہیزگار ہونا پڑا۔

خاندانی عورتوں کی روش ہمیشہ مردوں کو راست روی پر مجبور کرتی رہی اگر کوئی بے راہ چلتا تو گھر کی چار دیواری میں ذلیل وخوار ہوتا۔

مولانا ابوالحسن علی صاحب اسی خاندان کے ایک دور کی عورتوں کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں۔

"اس وقت کاندھلہ کا یہ خاندان دین داری کا گہوارہ تھا۔ مرد تو مرد عورتوں کی دینداری عبادتگذاری، شب بیداری، ذکر وتلاوت کے قصے اور ان کے معمولات اس زمانے کے پست ہمتوں کے تصور سے بلند ہیں۔ گھر میں بی بیاں عام طور پر نوافل میں اپنے اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتی تھیں۔ اور عزیز مردوں کے پیچھے تراویح ونوافل میں سنتی تھیں۔ رمضان المبارک

میں قرآن مجید کی عجب بہار رہتی گھروں میں جابجا قرآن مجید ہوتے اور دیر تک اس کا سلسلہ جاری رہتا۔

عورتوں کو اتنا علم اور ذوق تھا کہ قرآن مجید پڑھ پڑھ کر مزہ لیتیں اور نماز کے بعد اپنے مقامات کا ذکر کرتی تھیں۔ نماز میں ایسی محویت اور استغراق تھا کہ بسا اوقات بعض بی بیوں کو گھر میں پردہ کرانے اور کسی حادثہ وغیرہ میں لوگوں کے آنے جانے تک کا احساس نہ ہوتا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز اسی قسم کے حالات بیان کرنے کے بعد فرمایا "یہ وہ گودیں ہیں جن میں ہم نے پرورش پائی۔ اب وہ گودیں دنیا میں کہاں سے آئیں گی"۔

دینی مسائل میں اس قدر واقفیت اور بصیرت حاصل تھی کہ غلط مسئلہ کو فوراً رد کر دیتی تھیں اور ہرگز قبول نہ کرتی تھیں اور ہر وقت گھروں کے اندر دینی چرچے رہتے تھے۔

قرآن شریف مع ترجمہ واردو تفسیر۔ مظاہر حق، مشارق الانوار، حصن حصین یہ عورتوں کا منتہیانہ نصاب تھا جس کا خاندان میں عام رواج تھا

سیرت مولانا الیاس ص ۴۸

خاندانی حالات پر ایک نظر

یہ اپنے خاندان کی دس گیارہ پشت کے اجمالی حالات ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاندان کا اصل سرمایہ ہمیشہ علم شریعت و طریقت، اخلاص وللہیت۔ دیانت وانابت اور اتباع کتاب وسنت رہا ہے۔ ظاہری عزت وحشمت اور دولت وثروت نہ کبھی اس خاندان میں نمایاں ہوئی اور

نہ کبھی اس کی عزت افزائی اور اقدردانی کی گئی۔ اس کئی سو سالہ دور میں ایک قلیل زمانہ ایسا بھی گذرا کہ خاندان کا ظاہری رُخ دنیوی وجاہت کی طرف پڑا جس کو حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ان کے صاحبزادوں نے اپنی ہمّت اور قوت سے پھر راہِ راست پر کر دیا فجزاھم اللّٰہ خیراً

خاندان کے موجودہ افراد

مجھ خطا کار نابکار بدکردار کے علاوہ بفضلہ تعالےٰ خاندان کے سب موجودہ افراد بھی صاحب فضل و کمال ہیں۔ اور میری طرح کوئی بھی جہالت و دنائت میں مبتلا نہیں ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ختم کلام

الحمد للّٰہ اس داستان کا حصہ اول ختم ہو گیا جس میں خاندان کے تمام بزرگوں کے پسندیدہ حالات اختصار کے ساتھ آ گئے۔ دوسرے حصے میں اپنی ذاتی معلومات عینی مشاہدات اور اپنی زندگی کے اہم واقعات دوسروں کی عبرت و نصیحت کے لئے درج ہوں گے وما توفیقی اِلا باللّٰہ والیہِ المرجع والمآب

یارب صل وسلم دائماً ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلھم

ننگ خاندان
محمد احتشام الحسن
کاندھلہ ضلع مظفر نگر

۱۲ر جمادی الثانی ۱۳۷۵ھ
مطابق ۱۲ر جنوری ۱۹۵۶ء

تبلیغی نصاب عکسی

تالیف

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ

حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم عکسی

تالیف:۔ رئیس المبلغین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدفیوضہ
خلف حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ۔

ترجمہ:۔ از حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدفیوضہٗ فاضل دیوبند۔

داعیٔ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پاک اور انکی مبارک حیات، قوت ایمانی کا ایسا قوی سرچشمہ ہے جس سے اُمت محمدیہ کے تمام طبقات مدارس و مکاتب، علمائے کرام و عوام، صلحاء و صوفیائے کرام نیز تمام عربی داں و انگریزی داں حضرات سبھی استفادہ کے محتاج ہیں۔
پیش نظر کتاب میں مؤلف مدظلہٗ نے قرآن مجید، حدیث، تفسیر مستند تواریخ، سیرت، سوانح کی بیشتر مستند ضخیم کتابوں سے برسہابرس کے مطالعہ کے بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داعیانہ تبلیغی و مجاہدانہ کارناموں کے قصص و حکایات کثرت اسفار میں بھوک و پیاس پر صبر و تحمل اور ایمان و یقین کے واقعات اور تفصیلی حالات کو اس طرح جمع فرمایا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہؓ کا

نقشہ بے اختیار آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

مترجم موصوف نے کتاب کے اصل عربی الفاظ کو ترجمہ میں اس طرح سمویا ہے کہ مطلب واضح بھی ہو جائے اور ترجمہ بامحاورہ سلیس و دلکش بھی بن جائے۔ اہلِ علم حضرات کی سہولت کے لئے ہر حدیث کا حوالہ کتب احادیث سے حاشیہ پر لکھ دیا گیا ہے۔

کاغذ عمدہ، کتابت واضح و دیدہ زیب طباعت عکسی بذریعہ فوٹو آفسٹ مشین۔ حاشیہ پر حسین و خوشنما بیل۔ ٹائیٹل رنگین، قیمت ہر حصّہ دو روپیہ پچھتّر پیسے ۲/۷۵ - ہر حصّہ میں تقریباً دو سو ۲۰۰ صفحات

(ناشر)

احقر انیس احمد غفرلہ

ادارۂ اشاعتِ دینیات حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نئی دہلی ۱۳

٤٨٦

تذکرۂ اسلاف

حالاتِ مشائخِ کاندھلہ

جسمیں

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رح حضرت مولانا محمد مظفر حسین صاحب رح حضرت مولانا محمد نور الحسن صاحب رح حضرت مولانا محمد صاحب رح حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رح حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رح اور ان کے خاندان کا مختصر تذکرہ ہے۔

★

از مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

خلیفہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارۂ اشاعتِ دینیات حضرت نظام الدین رح نئی دہلی ۱۳

قیمت مجلد تین روپے پچاس نئے پیسے

4.62